ابنِ صفی

د نمبر 14

جاسوسی دنیا

42- نیلی لکیر

43- تاریک سائے

44- سازش کا جال



پیشرس

زیرِ نظر شمارہ جاسوسی دنیا کا بیالیسواں شمارہ "یہ کرنل فریدی" کے بہترین کارناموں میں سے ہے، اور اس کا دوسرا حصہ "خونی بگولے" گنا جاسکتا ہے اور اسی تسلسل میں "زمین کے بادل" بھی شمار ہوسکتا ہے۔ مگر ان تینوں ناولوں کا اکٹھا پڑھا جانا بھی نہایت ضروری ہے۔ سنگ ہی ایک خطرناک ذہین مجرم ہے۔ عمران سیریز کے "لاشوں کا بازار"، "جونک کی واپسی"، "زہریلی تصویر" اور بیباکوں کی تلاش" میں بھی اسی مجرم کے کارناموں کا تذکرہ ہیں۔

آپ ان تمام کتب کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اپنی رائے سے مشکور فرمائیں۔

پبلشر

دو لاشیں

کیپٹن لوتھر کی کوٹھی کے پھاٹک پر کھڑے ہوئے سنتری نے گولی چلادی اور سناٹے میں ایک انسانی چیخ لہرا کر تاریکی میں ڈوبتی چلی گئی۔ خونخوار پٹھان سنتری نے اپنی زبان میں فتح کا نعرہ لگایا۔

پھاٹک کڑکڑاہٹ کی آواز کے ساتھ کھلا اور کیپٹن لوتھر باہر نکل آیا۔ اس کے ساتھ دو مسلح نوجوان تھے۔

"خو صاحب۔" پٹھان رائفل کے کندے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "دشمن جہنم رسید۔"

سناٹے کا طلسم ٹوٹ چکا تھا اور اب قرب و جوار کی عمارتوں کی کھڑکیاں کھلنے لگی تھیں، پھر ذرا سی ہی دیر میں اچھا خاصا مجمع اکٹھا ہوگیا۔ لوتھر نے اپنے سنتری کو پھاٹک کے اندر دھکیل دیا۔

"اندر جاؤ۔" اُس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

اُس کے ساتھ کے مسلح آدمیوں نے اپنے ریوالور اچھی طرح چھپا لئے اور پھر وہ آگے بڑھے۔ مجمع میں کئی ٹارچیں روشن نظر آرہی تھیں۔

شور بڑھنے لگا.... اور جب کیپٹن لوتھر نے زمین پر پڑے ہوئے آدمی کا چہرہ دیکھا تو خود اُس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ اس کے پیر کانپنے لگے۔ اتنے میں مجمع سے کسی نے بلند آواز میں کہا۔ "میں نے رائفل کی آواز صاف سنی تھی۔"

"مگر کہیں بھی زخم کا نشان نہیں ہے، خون کی ایک بوند بھی کہیں نظر نہیں آئی۔" کسی دوسرے نے کہا۔

"واہ یہ کیسے ممکن ہے۔" تیسرا بولا۔ "میں نے بھی گن چلنے کی آواز سنی تھی۔"

لوتھر بے اختیار لاش پر جھک پڑا۔ لوگ ادھر اُدھر ہٹ گئے کیونکہ اس کا شمار بستی کے معزز ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔

یہ حقیقت تھی کہ مرنے والے کے جسم پر گولی کا نشان نہیں تھا۔

لوتھر کے دونوں ساتھی بت بنے کھڑے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان کے سپید چہروں پر اب کبھی زندگی جھلکیاں نہ مارے گی۔ خود لوتھر کی سانس بُری طرح پھول رہی تھی۔ وہ لاش کے پاس سے ہٹ گیا اور اُس نے بھی دبی زبان سے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ رائفل کی آواز اُس نے بھی سنی تھی۔ وہ کچھ دیر تک خاموش کھڑا رہا پھر اُس نے کئی لوگوں کو بتایا کہ وہ مرنے والے سے بخوبی واقف ہے۔ وہ اُس کے لئے کوئی اجنبی نہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ اسی سے ملنے کے لئے آرہا ہو۔

"لیکن آخر یہ مرا کیسے؟" کسی نے پوچھا۔

"مجھے خود حیرت ہے۔" لوتھر بڑبڑایا۔ "یہ میرے ساتھیوں میں سے تھا۔" پھر وہ مضطربانہ انداز میں اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "اوہ.... فون کرو جلدی پولیس کو۔"

وہ دونوں پھاٹک کی طرف دوڑے۔ پٹھان پھاٹک سے لگا ہوا کھڑا تھا۔ دھکا لگتے ہی وہ پیچھے کی طرف الٹ گیا اور اُس نے اٹھتے اٹھتے انہیں ایک بڑی سی گالی دی۔

"چلو.... آؤ اندر چلو۔" وہ اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولے۔ پٹھان غراتا ہوا اُن کے ساتھ چلنے لگا۔

"اُسے گولی نہیں لگی۔" ایک نے پٹھان سے کہا۔ وہ تینوں ایک کمرے میں پہنچ چکے تھے۔

"خو ہم کیا کرے بابا۔" پٹھان جھلا کر بولا۔ "اندھیرا تھا.... نہ ہم بتی ہے نہ ہم چشمہ۔"

"لیکن وہ پھر بھی مر گیا۔"

"اللہ بڑا کارساز ہے۔" پٹھان نے خوش ہو کر کہا۔

"مگر وہ ہمارا دشمن نہیں دوست تھا۔"

"خو تمہی گولی نہیں لگا.... اللہ بڑا کارساز ہے۔"

"لیکن وہ مرا کیسے۔"

"اللہ کا مرضی۔"

"جاؤ.... تم فون کرو پولیس کو۔" پٹھان سے گفتگو کرنے والے نے اپنے ساتھی سے کہا۔

اُس کے جانے کے بعد اُس نے پھر پٹھان سے پوچھا۔ "کیا وہ سیدھا اُدھر ہی آرہا تھا۔"

"نہیں چور کا مافک چھپتا تھا۔" پٹھان نے جواب دیا۔

"تم نے گولی چلا دی۔"

"او بابا.... ہاں ہاں.... پھر کیا کرتا.... اس کو نسوار کا ڈبیہ دیتا۔"

"تم اپنی رائفل کی نال صاف کر کے اُس میں تیل ڈال دو۔ سمجھے! جاؤ.... اور پیٹی میں ایک کارتوس اور لگالو۔ کوئی خانہ خالی نہ رہے۔ جاؤ جلدی کرو اور اب تم سو جانا۔"

پٹھان اُس کمرے میں داخل ہوا جہاں شکار کا سامان رہتا تھا۔ یہاں دیواروں پر کئی چھوٹی بڑی رائفلیں نظر آرہی تھیں۔ اسلحہ جات میں کچھ قدیم نمونے بھی تھے جنہیں بڑے سلیقے سے مناسب مقامات پر رکھا گیا تھا۔

کیپٹن لوتھر معززین شہر میں سے تھا۔ اس نے گذشتہ جنگ عظیم میں گرانمایہ فوجی خدمات انجام دی تھیں اور اب ریٹائرمنٹ کی زندگی گذار رہا تھا۔ یہی نہیں وہ ایک مشہور شکاری اور پختہ کار کوہ پیما بھی تھا۔ نسلاً اینگلوانڈین تھا۔ رہن سہن کافی متمول لوگوں جیسا رکھتا تھا۔

پٹھان نے رائفل کی نال کھولی۔ اُسے ایک لمبے برش سے صاف کرتا رہا، تیل دے کر اُس رائفل کو بھی دیوار سے لٹکا دیا۔

پھر وہ بڑی پھرتی سے کمرے سے نکل کر پائیں باغ میں پھیلی ہوئی تاریکی میں گم ہو گیا۔ اگر عمارت سے کوئی آنکھیں بھی پھاڑتا تو اُسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

کمپاؤنڈ میں عمارت کا بایاں بازو ایک ایسی جگہ تھی جہاں کوئی نہیں جاتا تھا ادھر دو کمرے تھے اور دونوں کی چھتیں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ عمارت قدیم تھی اور اس کے مکین اتنے لاپرواہ تھے کہ رہائشی حصوں کے علاوہ انہیں دوسری طرف نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی تھی۔ خاص طور سے بائیں بازو کے یہ دونوں کمرے تو سالہا سال سے اُسی اجاڑ حالت میں پڑے ہوئے تھے۔

پٹھان کمروں کے نزدیک پہنچ کر رک گیا۔ بڑی بڑی قد آدم جھاڑیاں اُن کے بیرونی دروازوں پر جھک آئی تھیں۔ پٹھان نے ایک ٹارچ نکالی جو اس نے اپنی گھیر دار شلوار میں اُڑس رکھی تھی۔ بڑی احتیاط سے جھاڑیاں ہٹاتا ہوا وہ دروازوں کی طرف بڑھا۔ دروازوں کی اوپری سطح

دیمکوں کی کھائی ہوئی تھی اور وہ اندر سے بند معلوم ہوتے تھے۔ پٹھان نے بڑی سرعت سے ایک دروازے کا ایک پاٹ نکال لیا ایسا معلوم ہوا جیسے وہ پہلے ہی سے چوکھٹوں سے الگ رہا ہو۔

دوسرے لمحے وہ اندر تھا۔

کمرے کے وسط میں گری ہوئی چھت کے ملبے کا ڈھیر تھا۔ پٹھان نے ٹارچ روشن کر کے چاروں طرف گھمائی اور پھر لکڑی کے ایک بڑے اور پرانے صندوق کی طرف بڑھا، جو دیوار سے لگا رکھا تھا۔ صندوق پرانا ضرور تھا لیکن یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ بھی وہاں اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ ملبے کا ڈھیر۔

پٹھان نے صندوق کا ڈھکن اٹھایا اور دوسرے ہی لمحے اُس کے منہ سے ہلکی سی تحیر زدہ آواز نکلی.... کسی آدمی کا مردہ جسم توڑ مروڑ کر صندوق میں ٹھونس دیا گیا تھا۔

پٹھان چند لمحے سامت و ساکت کھڑا رہا۔ پھر وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "میرا سامان کیا ہوا۔"

اس کی یہ بڑبڑاہٹ اردو کے کابلی لہجے میں نہیں تھی۔

اس نے پھر لاش پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ مرنے والے کا چہرہ سامنے ہی تھا۔ وہ کوئی غیر ملکی معلوم ہوتا تھا۔ جلد کی رنگت بھوری تھی اور بال سرخی مائل تھے۔ لباس انگریز وضع کا تھا لیکن گلے میں ٹائی نہیں تھی۔

پٹھان نے ٹارچ بجھادی۔ اُس کے چہرے پر صرف حیرت تھی۔ سراسیمگی کے آثار قطعی نہ تھے۔ اُس نے ٹارچ کو ملبے کے ڈھیر پر اس طرح رکھ دیا کہ اس کا رخ صندوق کی طرف رہے۔ پھر اُسے روشن کر کے وہ صندوق کی طرف پلٹ آیا۔

پھر اُس نے لاش صندوق سے نکال کر فرش پر ڈال دی۔ گولی ٹھیک ریڑھ کی ہڈی پر لگی تھی۔ پچھلا حصہ خون سے تر تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ تھوڑی ہی دیر پہلے کی بات ہو جسم کے بعض حصوں میں ابھی تک تھوڑی تھوڑی گرمی تھی۔

پٹھان نے بڑی تیزی سے اُس کی جیبوں کی تلاشی لی اور پھر جو کچھ بھی برآمد ہوا اُسے اپنی لمبی قمیض کے مختلف جیبوں میں ٹھونستا گیا۔

پانچ ہی منٹ کے بعد اُس نے لاش کو دوبارہ صندوق میں رکھ کر ڈھکنا اُسی طرح بند کر دیا پھر ٹارچ بجھا کر پلٹنے ہی والا تھا کہ باہر سے کسی نے دروازہ ہٹایا۔ پٹھان بڑی پھرتی سے زمین پر لیٹ کر

ملبے کے ڈھیر کے پیچھے رینگ گیا۔



باہر سڑک پر بدستور بھیڑ تھی۔ لوگوں کو پولیس کی آمد کا انتظار تھا۔ ان میں کیپٹن لوتھر بھی تھا۔

پولیس آگئی اور جس وقت کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش نے لاش کو دیکھا اُس کے منہ سے جھلاہٹ میں ایک موٹی سی گالی نکلی۔ پھر اچانک اس کی نظر کیپٹن پر پڑی۔

"کیا یہ بھی آپ ہی کا آدمی ہے۔" اُس نے لوتھر کو گھور کر کہا۔

"بدقسمتی سے۔"

"اور آپ کوئی ڈھنگ کا بیان نہیں دینا چاہتے۔"

"ڈھنگ کے بیان سے آپ کی کیا مراد ہے۔" لوتھر نے تیز ہو کر پوچھا۔

"اس سے قبل بھی دو ایسی ہی لاشیں ہمیں مل چکی ہیں اور وہ دونوں بھی ایسی ہی تھیں جنہیں آپ پہچانتے تھے.... اور اب یہ تیسری.... اور وہی نیلی لکیر۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ ضروری نہیں کہ میں اس سلسلے میں کوئی خاص بات جانتا ہوں اور اگر آپ کو میرا بیان لینا ہو تو کوٹھی میں تشریف لائیے گا۔"

پھر لوتھر اچانک مڑا اور پر غرور انداز میں چلتا ہوا اپنی کوٹھی میں داخل ہوگیا۔

"اچھا بیٹا سمجھوں گا تم سے۔" جگدیش بڑبڑا کر رہ گیا۔ پھر اس نے مجمع سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "سب سے پہلے لاش کس نے دیکھی تھی۔"

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جگدیش نے پھر اپنا سوال دہرایا لیکن وہی خاموشی۔

اُس کا پارہ چڑھ گیا۔ ابھی لوتھر کے توہین آمیز رویئے کی ندامت اور جھلاہٹ ہی باقی تھی۔ اس پر مجمع کا سکوت۔ آخر اس نے گرج کر کہا۔ "بہت اچھا.... نہیں بولتے تو جس پر شبہ ہوگا بند کردوں گا۔"

ایک آدمی آگے بڑھا۔

"دیکھئے۔" اُس نے نرم آواز میں کہا۔ "یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ سب سے پہلے یہاں کون پہنچا۔ بھیڑ اس لئے ہوگئی کہ ہم نے پہلے تو رائفل کی آواز سنی اور پھر ایک چیخ۔"

"رائفل کی آواز۔" جگدیش نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں.... رائفل کی آواز.... اور پھر چیخ.... لیکن اس کے جسم پر کہیں بھی گولی نہیں لگی ہے۔"

"نہیں اسے گولی نہیں لگی۔" جگدیش لاش پر جھکتا ہوا بولا۔ "نیلی لکیر.... اس کے داہنے گال پر بھی ویسی ہی نیلی لکیر موجود ہے جیسی پچھلی دو لاشوں میں پائی گئی تھیں۔" پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ "کیا لوتھر یہاں تنہا تھا۔"

"نہیں وہ بعد میں آیا تھا۔" ایک آدمی نے کہا۔

"آپ لوگوں کے آنے کے بعد۔"

"جی ہاں! ہم کئی تھے۔"

جگدیش کچھ سوچنے لگا۔ اس کی نظریں لوتھر کی کوٹھی پر جمی تھیں۔



پٹھان نے سانس روک لی تھی اور ملبے کے ڈھیر میں دبکا ہوا دروازہ ہٹانے والے کا منتظر رہا لیکن اُسے آہٹ تک نہ ملی۔ اُس نے ذرا سا سر اُبھار کر دیکھا۔ دروازہ اپنی جگہ سے ہٹا ہوا تھا لیکن اُسے کمرے میں کسی دوسرے متنفس کی موجودگی کا احساس تک نہ ہوا۔

پٹھان آہستہ آہستہ سیدھا کھڑا ہونے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ ایک ٹھنڈی سی ٹھوس چیز اُس کی گردن سے آ لگی اور ساتھ ہی کسی نے سانپ کی سی پھپھکار میں کہا۔

"خبردار.... اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

پٹھان جہاں تھا وہ وہیں رہ گیا۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" اس بار سختی سے کہا گیا۔

"آہا....!" پٹھان نے خوش ہو کر کہا۔ "ماسٹر سنگ ہی! تم ہے بابا.... ہم سمجھا دشمن۔"

"کون....!" حملہ آور نے کرخت آواز میں کہا۔ "سنتری۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔"

"او.... ہا.... ہم ادھر دشمن دیکھا تھا۔"

"کہاں....؟"

"ابھی.... ادھر.... گھسا.... ہم آیا تو غائب۔"

حملہ آور نے ٹارچ روشن کر لی۔ پہلے اس نے پٹھان کے چہرے پر ٹٹولنے والی نظر ڈالی اور پھر ادھر اُدھر ٹارچ گھمانے لگا۔

یہ کیپٹن لوتھر کا میر شکاری سنگ ہی تھا۔ دبلا پتلا اور پلپلے جسم کا آدمی۔ نسلاً دوغلے قسم کا چینی تھا۔ اس کا باپ چینی تھا اور ماں منگول اور اکثر سنگ ہی بڑے فخریہ انداز میں کہا کرتا تھا کہ اس کے باپ نے اس کی ماں سے اس کی پیدائش کے بعد بھی شادی نہیں کی تھی وہ خود کو اس انداز میں "حرامی" کہتا تھا جیسے وہ کسی شہنشاہ کا عطا کردہ کوئی بہت بڑا اعزاز ہو۔ کیپٹن لوتھر کے سارے آدمی اس سے بُری طرح خائف رہتے تھے، بظاہر اُس کا دبلا پتلا اور پلپلا جسم بالکل بے جان نظر آتا تھا لیکن اس کی شیطانی گرفت سے کچھ وہی لوگ واقف تھے جنہیں اس سے کم از کم ایک بار ہی لپٹ پڑنے کا موقع ملا تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ سنگ ہی ایک ہڈیوں دار جونک ہے۔

سنگ ہی نے ایک بار پھر پٹھان کے چہرے پر روشنی ڈالی اور پٹھان نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"او.... کیا کرتا ہے ماسٹر.... آنکھ پھوڑے گا۔"

"باہر چلو....!" سنگ ہی پھر سانپ کی طرح پھپھکارا۔

پٹھان چپ چاپ باہر نکل گیا۔ سنگ ہی اس کے پیچھے تھا۔ باہر نکل کر پٹھان کھڑا ہو گیا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" سنگ ہی کوٹھی کے رہائشی حصے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے جہاں لوتھر بڑی بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ صوفے پر اس کے دونوں ساتھی بیٹھے ہوئے تھے جنہیں لے کر وہ باہر گیا تھا۔

سنگ ہی نے چینی زبان میں کچھ کہا اور کیپٹن لوتھر چونک کر پٹھان کو گھورنے لگا۔

"تم وہاں کیا کر رہے تھے.... خان!" اس نے پوچھا۔

"خو صاحب! ادھر ایک آدمی گھسا۔ ہم بھی گھسا.... ہم سمجھا دشمن۔" پٹھان نے رک کر قہقہہ لگایا پھر بولا۔ "وہ ماسٹر ہی تھا۔"

"تم جھوٹے ہو۔" سنگ ہی گرج کر بولا۔

"ہم جھوٹا ہے۔" پٹھان نے تحیر آمیز جھلاہٹ کے ساتھ کہا اور پھر دانت پیس کر بولا۔ "خو تم.... دغاباز کا بچہ ہم کو جھوٹا کہتا ہے۔ ہم تمہارا ابھی بوٹی قیمہ کرے گا۔"

پٹھان اُس کی طرف جھپٹا۔ لوتھر درمیان میں آ گیا۔

"صاحب! تم ہٹ جاؤ.... ہم دیکھے گا حرامی بچے کو۔"

"ٹھہرو! کیا بیہودگی.... سنگ ہی تم ادھر جاؤ۔"

پٹھان رک تو گیا.... لیکن وہ بڑی قہر آلود نظروں سے سنگ ہی کو گھور رہا تھا۔

"تم نے وہاں اور کیا دیکھا۔" لوتھر نے پٹھان سے پوچھا۔

"خو صاحب! کچھ بھی نہیں۔ ہم اس کا بول پہچانتا تھا۔ نہیں تو گردن توڑ دیتا۔"

"اچھا میں تمہیں دیکھوں گا۔" سنگ ہی اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔

"ہم تمہارا باپ تک کو دیکھے گا.... حرامی بچے۔"

"ختم کرو۔" لوتھر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ آپس میں لڑنے کا موقع نہیں۔"

"ہم حکم کا بندہ ہے۔" پٹھان نے کہا۔ "ولے ہمارا مقدر خراب ہے ہم دوشمن کو گولی مارا.... دوست مر گیا۔"

"نہیں اُسے گولی نہیں لگی۔" لوتھر بولا۔ "اچھا اب تم جاؤ۔ لیکن دن کو یہاں کبھی نہ آنا۔"

عجیب نوکر

دوسری صبح انسپکٹر جگدیش فریدی کے ڈرائنگ روم میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ سب سے پہلے حمید سے ملاقات ہوئی۔

وہ اپنے پالتو بکرے کی زنجیر تھامے ہوئے اس شان سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا جیسے وہ بکرا نہیں بلکہ کوئی خوفناک قسم کا کتا ہو۔ اُس کے گلے میں ٹائی لٹک رہی تھی اور سر پر فلیٹ ہیٹ منڈھا ہوا تھا۔ بکرا بھی اب اس کا عادی ہو گیا تھا، جیسے وہ اسی کے جسم کا ایک حصہ ہو۔

"آپ انسپکٹر جگدیش ہیں۔" حمید نے بکرے کی طرف دیکھ کر اس انداز میں کہا جیسے جگدیش کا اُس سے تعارف کرا رہا ہو۔ "اور آپ میجر بغرا خاں۔"

لفظ میجر شائد ایک اشارہ تھا جس پر بکرے نے اپنا ایک اگلا پیر اٹھا لیا۔

"تو اب حضور مداری ہو رہے ہیں۔" جگدیش مسکرا کر بولا۔ پھر دفعتاً سنجیدہ ہو گیا۔ "اب تمہارے تذکرے ادھر اُدھر بھی سنے جانے لگے ہیں۔ کیوں اپنی مٹی پلید کر رہے ہو۔"

"کیا تذکرے ہیں۔" حمید اپنی داہنی آنکھ دبا کر بولا۔

"یہی کہ کار میں بکرا لئے پھرتے ہیں۔"

"اوہ.... یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ لوگوں کی زبان کہاں تک بند کرو گے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اب یہی دیکھو جب کبھی تم فریدی صاحب کے ساتھ ہوتے ہو تو چاروں طرف انگلیاں اٹھنے لگتی ہیں۔"

"تو پھر.... کیا مطلب۔"

"مطلب کیا.... لوگ کہتے ہیں کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر گدھا ساتھ لئے پھرتا ہے۔"

"تم خود گدھے ہو۔"

"میں گدھوں کی بات کا بُرا نہیں مانتا۔"

جگدیش الٹ کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی آ گیا۔

آتے ہی اس نے ایک ہاتھ سے حمید کی گردن دبوچی اور دوسرے ہاتھ سے بکرے کا پٹہ پکڑے ہوئے دونوں کو کمرے سے باہر دھکیل دیا۔ پھر ہاتھ جھاڑتا ہوا جگدیش کی طرف سے واپس آیا۔

"تم غالباً تیسری لاش کی کہانی سنانے آئے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"اور وہ تیسرا بھی شائد لوتھر ہی کے ساتھیوں میں سے ہو گا۔"

"جی ہاں.... یہ بھی درست ہے۔"

"اور شاید نیلی لکیر بھی۔"

"ٹھیک ہے! اور یہ تیسری لاش لوتھر کی کوٹھی کے سامنے ہی ملی ہے۔"

"خوب! بہت اچھا۔" فریدی سر ہلا کر میز پر رکھے ہوئے گلدان کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔ لیکن اس بار اُس کے ساتھ بکرا نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"پڑوسیوں نے چیخ سے پہلے فائر کی آواز سنی تھی۔" جگدیش بولا۔

"حالانکہ ایسے موقعہ پر انہیں لتا منگیشتر کا ریکارڈ سننا چاہئے تھا۔" حمید نے ٹکڑا لگایا۔

"لیکن وہ گولی سے نہیں مرا.... کیوں؟" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"لوتھر نے اس بار کیا بیان دیا۔"

"وہی مرغی کی ایک ٹانگ۔"

"آہا تو کیا ٹانگ والا مرغا اُسی کے پاس ہے۔" حمید چہک کر بولا۔

"خاموش رہو۔" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

چند لمحے بعد جگدیش بولا۔ "وہ اپنے پچھلے ہی بیانات پر قائم ہے۔"

"اچھا ان دونوں مرنے والوں سے اس کے کس قسم کے تعلقات تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہ دونوں ہی اُس مہم میں شریک تھے، جو لوتھر کی قیادت میں کوہ پیمائی کے لئے جنوبی امریکہ گئے تھے۔"

"اور یہ تیسرا۔"

"یہ تیسرا بھی غالباً اسی قسم کے لوگوں میں سے تھا۔"

"تمہیں یقین ہے۔"

"یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ لوتھر نے اس کے متعلق اتنا ہی بتایا ہے کہ وہ بھی اس کے شناساؤں میں سے تھا۔"

"لوتھر کے پڑوسیوں سے کوئی خاص بات معلوم ہو سکی۔" فریدی نے پوچھا۔

"خاص بات تو کوئی نہیں مگر.... ہاں ٹھہریئے۔ ایک بات ہے ممکن ہے کہ وہ کام ہی کی ہو۔ پڑوسیوں نے بتایا کہ کئی دن سے لوتھر کی کوٹھی کے پھاٹک پر مسلح پہرا رہتا ہے۔ اُس نے ابھی حال ہی میں ایک پٹھان چوکیدار رکھا ہے۔"

"کیا وہ کل رات موجود تھا۔"

"جی نہیں مجھے تو نہیں دکھائی دیا۔"

"بات یہ ہے جگدیش صاحب۔" فریدی انگڑائی لے کر بولا۔ "کیس دلچسپ ضرورت ہے لیکن میں آج کل بہت مشغول ہوں۔"

"کیا آپ میری راہنمائی نہ کر سکیں گے۔"

"ہاں یہ ممکن ہے۔"

"تو پھر بتایئے، میں کیا کروں۔"

"صبر کرو۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ "سوناگھاٹ جاتے ہو۔"

"جی ہاں۔"

"وہاں ملاحوں سے پوچھ گچھ کرو کہ کیا اس دوران میں انہوں نے کچھ غیر ملکی اتارے ہیں۔"

جگدیش حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔

"بھلا سوناگھاٹ.... مگر وہاں کے ملاح مجھے بتانے ہی کیوں لگے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ناجائز برآمد کا مال اتارا جاتا ہے۔ اکثر اُدھر ہی سے بغیر پاسپورٹ اجنبی آدمی بھی ملک میں داخل ہو جاتے ہیں۔ بھلا ملاح ایک پولیس والے کو کب حقیقت کا پتہ لگنے دیں گے، لیکن اس معاملے کا سوناگھاٹ سے کیا تعلق۔"

"تعلق....!" فریدی نے آہستہ سے دہرایا اور پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔



کیپٹن لوتھر آہنی الماری پر جھکا ہوا اُس کا حروف کے امتزاج سے بند ہونے والا قفل بند کر رہا تھا کہ دفعتاً اس نے اپنے پیچھے کسی کی آہٹ سنی۔ وہ چونک کر مڑا۔ دروازے میں سنگ ہی کھڑا تھا اور اُس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

"تم بغیر اجازت یہاں کیوں آئے۔" کیپٹن لوتھر غرایا۔

"اوہ.... کیا یہ پابندی سنگ ہی کے لئے بھی ہے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"سب کے لئے۔"

"اوہ....!"

لیکن اس کے باوجود بھی سنگ ہی وہیں کھڑا رہا اور اس کی زہر میں ڈوبی ہوئی توہین آمیز مسکراہٹ بھی بدستور قائم رہی۔

لوتھر پھر الماری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے پھر مڑ کر دیکھا اور سنگ ہی کو وہیں موجود پا کر بُری طرح جھلا گیا۔

"کیا تم نے سنا نہیں۔" وہ چیخ کر بولا۔

"اوہ.... شائد آپ کی طبیعت کچھ خراب ہے۔" سنگ ہی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "کیا آپ کے لئے میں تھوڑی سی برانڈی لاؤں۔"

"چلے جاؤ۔" لوتھر اتنے زور سے چیخا کہ اس کی آواز پھٹ گئی۔

"میں چلا تو جاؤں، لیکن پھر سوچتا ہوں کہ اگر اُس نیلی لکیر نے آپ کے گال پر بھی سفر شروع کر دیا تو کیا ہوگا۔"

لوتھر نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر رک گیا۔ وہ تالا بند کر چکا تھا۔ چند لمحے سنگ ہی کو گھورتا رہا پھر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ سنگ ہی ایک طرف ہٹ گیا اور لوتھر سیدھا نکلا چلا گیا۔ سنگ ہی نے مضحکہ آمیز انداز میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور وہ بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔

وہ دونوں آگے پیچھے اسٹڈی میں داخل ہوئے۔ لوتھر ایک صوفے پر بیٹھ کر کسی تھکے ہوئے گدھے کی طرح ہانپنے لگا لیکن وہ سنگ ہی کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

"بوائے۔" سنگ ہی زور سے چیخا۔ "ایک گلاس ٹھنڈا پانی۔"

"کیا بیہودگی ہے۔" کیپٹن لوتھر نے جھلاہٹ میں فرش پر پیر مارا۔

"نہیں کیپٹن صاحب۔" سنگ ہی نے غمناک انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "ٹھنڈا پانی بیہودگی نہیں ہے۔ ٹھنڈا پانی اُس وقت بہت مفید ثابت ہوتا ہے جب عقل کھوپڑی کی حدود سے باہر نکلنے لگے اور میں کچھ اس وقت ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں۔"

لوتھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ نوکر پانی کا گلاس لے کر اسٹڈی میں داخل ہوا۔

سنگ ہی نے ٹرے سے گلاس اٹھا کر معنی خیز نظروں سے لوتھر کی طرف دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے گلاس اپنے ہونٹوں سے لگالیا۔

لوتھر پیچ و تاب کھاتا رہا۔ جب نوکر خالی گلاس لے کر چلا گیا تو اس نے سنگ ہی سے کہا۔

"دیکھو سنگ ہی! میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"آپ خاکساری سے کام لے رہے ہیں۔" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو۔"

"فقط اتنی سی زمین کہ مرنے کے بعد دفن کیا جاسکوں۔"

"میں کہتا ہوں مجھے تنہا چھوڑ دو۔ جاؤ یہاں سے۔" لوتھر بے بسی سے ہاتھ ہلا کر بولا۔ اب اُس کے لہجے میں گرمی باقی نہیں رہ گئی تھی۔

دفعتاً ایک نوکر پھر اسٹڈی میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک چھوٹی سی ٹرے تھی اور ٹرے میں ایک ملاقاتی کارڈ پڑا ہوا تھا۔

لوتھر نے کارڈ اٹھا کر دیکھا اور اچانک اس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سنگ ہی کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ "کرنل فریدی۔"

"آنریری کرنل فریدی کہئے۔" سنگ ہی زہریلی ہنسی کے ساتھ بولا۔ پھر اُس نے نوکر سے کہا۔ "پہلے ایک لارج وہسکی لاؤ۔"

نوکر چلا گیا۔

"ایک لارج وہسکی آپ کا سر شانوں پر رکھنے کے لئے کافی ہوگی۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔

"وہ انتہائی چالاک آدمی ہے۔" لوتھر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" سنگ ہی بولا۔

نوکر وہسکی لے کر واپس آگیا۔ سنگ ہی نے لوتھر کی طرف اشارہ کیا۔ نوکر نے چھوٹی میز اس کے صوفے کے قریب کھسکا کر ٹرے رکھ دی۔ لوتھر نے گلاس اٹھالیا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے مضطربانہ انداز میں ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

"اب اُسے لے آؤ۔" سنگ ہی نے نوکر سے کہا۔ نوکر کے جانے کے بعد سنگ ہی کیپٹن لوتھر کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے لوتھر ایک ناسمجھ بچہ ہو اور سنگ ہی اس کا بزرگ، جس نے ابھی ابھی اُسے مہمانوں کے سامنے مہذب اور باتمیز رہنے کی تاکید کی ہو۔



فریدی کے ساتھ حمید بھی تھا۔ دونوں لوتھر کی اسٹڈی میں داخل ہوئے اور لوتھر نے بڑی خوش اخلاقی سے ان کا استقبال کیا۔ سنگ ہی بھی موجود تھا۔

حمید سنگ ہی کو بڑے غور سے دیکھنے لگا۔

"فرمایئے! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" لوتھر نے کہا۔

"کچھ نہیں! بس یونہی تھوڑی سی تکلیف دوں گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مجھے اُن کوہ پیاؤں

کی فہرست چاہئے جو آپ کے ہمراہ جنوبی امریکہ گئے تھے۔"

لوتھر کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ لیکن سنگ ہی جلدی سے بولا۔ "ضرور.... ضرور.... مگر اُن میں سے تین تو ختم ہی ہو چکے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" فریدی بولا۔

"وہی تین لاشیں جن پر نیلی لکیریں پائی گئی تھیں۔"

"اوہ....!"

"فہرست آپ کو ابھی چاہئے یا آپ کے آفس پہنچا دی جائے۔" سنگ ہی نے کہا۔

"مجھے جلدی ہے۔" فریدی بولا۔

"میں ابھی پیش کرتا ہوں۔" سنگ ہی نے کہا اور ایک میز کی دراز سے لکھنے کے لئے کاغذ نکال کر اس پر پنسل سے گھسیٹنے لگا۔

"لیکن آپ کو یک بیک جنوبی امریکہ کا خیال کیسے آیا۔" لوتھر نے فریدی سے پوچھا۔

"نیلی لکیروں کی بناء پر۔" فریدی نے لاپروائی سے جواب دیا اور سنگ ہی لکھتے لکھتے مڑ کر اُسے گھورنے لگا۔ پھر اپنے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا کر کے کہا۔

"کیا وہ نیلی لکیریں.....؟ وہ تو میری سمجھ ہی میں نہیں آتیں۔"

"نہ آتی ہوں گی؟ کیا فہرست تیار ہو گئی۔"

لوتھر تھوک نگل کر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

سنگ ہی نے کاغذ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "جن کے پتے میں نے نہیں لکھے اُن کے پتے مجھے معلوم ہی نہیں۔"

فریدی نے کاغذ سنگ ہی کے ہاتھ سے لے کر اُس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی پھر تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

"آپ نے ان لوگوں کی فہرست کیوں لی ہے۔" لوتھر نے پوچھا۔

"میں اُن سے پوچھوں گا کہ یہ جنوبی امریکہ میں کون سا کارنامہ انجام دے کر آئے ہیں۔"

"اوہ.... یہ تو یہ فقیر ہی عرض کر سکتا ہے۔" سنگ ہی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

"لیکن حقیقت کی ہوا بھی نہ لگنے دو گے۔" فریدی طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"آپ کو مطمئن کرنا بہت مشکل کام ہے۔" سنگ ہی مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"اچھا میں کچھ نہ کہوں گا۔"

"پولیس مجھے برابر پریشان کر رہی ہے۔" لوتھر بڑبڑایا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کون سی بات چھپا رہا ہوں۔"

"فکر نہ کرو! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

وہ اور حمید دروازے کی طرف بڑھے۔ اُن کے پیچھے سنگ ہی اور لوتھر بھی تھے۔ اچانک فریدی دروازے پر رک کر اُن کی طرف مڑا۔

"تم نے صرف تین آدمیوں کے پتے لکھے ہیں۔" اُس نے سنگ ہی سے کہا۔ "وہی تینوں جو مر چکے ہیں۔"

"جی ہاں۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "آپ اُن کے باوجود پتے سے تو واقف ہی ہوں گے۔"

اس کے جواب میں فریدی نے جو کچھ بھی کیا وہ قطعی غیر متوقع تھا۔ اس نے سنگ ہی کے منہ پر اس زور کا چانٹا مارا کہ وہ کئی قدم لڑکھڑانے کے بعد فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

"یہ کیا لغویت ہے۔" لوتھر چیخ کر آگے بڑھا۔

فریدی نے انتہائی لاپروائی سے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر چلنے کا اشارہ کیا جیسے اُس کے کانوں تک لوتھر کی آواز پہنچی ہی نہ ہو۔

وہ دونوں چلے گئے لوتھر اس طرح چنگھاڑ رہا تھا جیسے اچانک پاگل ہو گیا ہو۔

سنگ ہی جیب سے رومال نکال کر تھپڑ پڑے ہوئے گال [illegible]

"شش شش! مسٹر لوتھر۔ خفا ہونے کی ضرورت [illegible] ہے۔ مجھے اکثر انتہائی ذلیل آدمیوں کے ہاتھوں پٹنے کا بھی اتفاق ہوا [illegible]

لوتھر اُسے تحیر آمیز نظروں سے گھورنے لگا۔

لاش غائب

فریدی کی کیڈی لاک بھری پری سڑکوں سے گذر [illegible]

"آخر اُس کیچوے کو مارنے سے کیا فائدہ ہوا۔" حمید بولا۔

"اُسے تم کیچوا کہہ رہے ہو۔" فریدی سامنے سے نظر ہٹائے بغیر بولا۔ "تم اُسے نہ جانتے۔ کیا یہاں اس شہر میں کوئی اور بھی ہے، جو اس طرح میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کرے اس کی یہ حرکت میرے لئے ایک کھلا ہوا چیلنج ہے۔۔۔۔ اور تھپڑ۔۔۔۔ تم جانتے ہی ہو کہ میں تھ کب مارتا ہوں۔"

"اس کا نام کیا ہے۔ میں نے شاید اُسے پہلے پہل دیکھا ہے۔"

"سنگ ہی۔۔۔ ایک جلاوطنی دوغلا چینی ہے اول نمبر کا سازشی اور مکار۔۔۔ موجودہ چینی حکوم کے خلاف اُس نے ایک سازش کی تھی۔ لہٰذا نتیجے کے طور پر اُسے جلاوطنی نصیب ہوئی۔"

"تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان تینوں موتوں کے ذمہ دار یہی لوگ ہیں۔"

"ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن وہ اس کے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں۔"

"آپ نے جگدیش سے کچھ غیر ملکیوں کا تذکرہ کیا تھا۔"

"ہاں۔۔۔۔ یہ اس نیلی لکیر سے متعلق تھا۔"

"نیلی لکیر۔" حمید بڑبڑایا۔ "آخر یہ ہے کیا بلا۔"

"جان لینے کا ایک ہزاروں سال پرانا طریقہ۔"

"ہزاروں سال پرانا طریقہ۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"جسے جنوبی امریکہ کے قدیم باشندے اب بھی استعمال کرتے ہیں۔ خصوصاً "انکا" نسل کے لوگ جو پیرو اور چلی کے درمیان میں آباد ہیں۔ گورگین قبیلے کے لوگ بھی اس طریقے کے سمجھے جاتے ہیں۔"

"آ گئی شامت۔" حمید دونوں ہاتھوں سے سر پیٹتا ہوا بولا۔

"اس کیس میں تھوڑی بہت تفریح کی امید ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے ایک ماہ کی چھٹی دلوا دیجئے۔"

"کیوں؟"

"ضرورت ہے اشد ضرورت ہے۔"

"پھر بھی۔"

"میں اپنے لئے سالیاں تلاش کروں گا۔"

"بات کچھ جچی نہیں۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"میں اس وقت اتفاق سے فلسفہ بول گیا ہوں۔"

"میں بکواس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"آپ کبھی اچھی باتوں کے موڈ میں نہیں ہوتے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ سنگ ہی کو چانٹا مارنے کے بعد سے اب تک اس کے مزاج کی چڑچڑاہٹ رفع نہیں ہوئی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ معاملات گہرے ہو سکتے ہیں۔ فریدی معمولی حالات میں کبھی آپے سے باہر نہیں ہوتا۔ اس نے فریدی سے کہا۔ "تو آپ کا یہ خیال ہے کہ یہ لوگ جنوبی امریکہ ہی سے اپنے ساتھ کچھ دشمن بھی لائے ہیں۔"

"ہاں میں کچھ ایسا ہی سوچ رہا ہوں اور مجھے اس کیس سے گہری دلچسپی ہے۔ جس دن پہلی لاش ملی تھی اُس دن سے میں نے دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔۔۔۔ مگر افسوس!"

"کیوں افسوس کس بات کا۔"

"تمہاری وجہ سے اکثر میرا بڑا نقصان ہو جاتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ موضوع سے بہک رہے ہیں۔"

"قطعی نہیں۔۔۔۔ یہ بات اُسی سلسلے کی ہے۔"

"تو میری وجہ سے کون سا نقصان ہو گیا۔"

"تم تصویروں کے لئے آئے دن لائبریری کی کتابیں الٹتے پلٹتے رہتے ہو۔"

"تو پھر۔۔۔۔!"

"مجھے ایک کتاب کی تلاش ہے، جو نہیں مل رہی ہے۔"

"کیا ہم اس وقت کتابوں کی باتیں کر رہے تھے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"نہیں، نیلی لکیر کے متعلق۔" فریدی نے کہا۔

"تو یہ ہم یہاں سے آ چکیں۔ آپ سو تو نہیں رہے تھے۔"

"میں جاگ رہا ہوں فرزند۔ اُس کتاب سے مجھے اُس کیس کے سلسلے میں کافی مواد ملتا۔"

"کیسی کتاب تھی۔"

"جرمن زبان میں ایک جرمن مصنف کا سفر نامہ۔ اُس نے اب سے باون سال پیشتر جز امریکہ کا سفر کیا تھا اور کتاب پینتالیس سال قبل برلن میں چھپی تھی۔"

حمید نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "اگر جغرافیہ کی کتابوں سے کچھ مدد مل سکتی ہے تو میں کوشش کروں۔"

"شائد مجھے پوری دنیا کا جغرافیہ زبانی یاد ہے۔" فریدی نے ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ کیساتھ کہا۔

"اوہ تو اسی لئے آپ کو آج تک کسی سے عشق نہیں ہوا۔"

"بکواس مت کرو۔"

"صحیح عرض کررہا ہوں سرکار۔ آپ محبوبہ کا خط استوا سے فاصلہ دریافت کرنے کے چکر میں پڑجاتے ہیں۔"

"حمید....!"

"جناب والا۔"

"کیا تم میں کبھی سنجیدگی نہ پیدا ہوگی۔"

"کیوں نہیں! جس دن بھی کسی ریوالور کی گولی نے میری کھوپڑی میں سوراخ کردیا میں ہمیشہ کے لئے سنجیدہ ہوجاؤں گا۔ لیکن اس سے قبل یہ خواہش ضروری ہے کہ میں اپنی سنجیدگی پر عشق کرنے کے لئے دو چار یتیم اور ایک آدھ بیوہ چھوڑ جاؤں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی نظریں ونڈ اسکرین کے پار سڑک پر جمی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں عجیب سی ویرانی تھی۔ حمید کچھ دیر چپ رہا پھر اُس نے پوچھا۔

"آخر آپ اس کتاب میں کیا دیکھنا چاہتے تھے۔"

"ایک دلچسپ کہانی۔"

"کہانی....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کس کی کہانی۔"

"ایک ننھی منی سی شہزادی کی کہانی۔"

حمید اس طرح بوکھلا کر فریدی کو گھورنے لگا جیسے سچ مچ اس کا دماغ الٹ گیا ہو۔



سنگ ہی آرلکچو کی رقص گاہ میں ایک ادھیڑ عمر عورت کیساتھ رقص کررہا تھا۔ حمید نے اُسے

حیرت سے دیکھا۔ بظاہر اول جلول سا نظر آنے والا سنگ ہی کتنا اچھا ناچ رہا تھا۔ اس کا ہر قدم جچا تلا ہوتا تھا۔

تھوڑی دیر تک سنگ ہی کی نگرانی کرنے کے بعد حمید پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اس میں دلچسپی لینے والا وہی اکیلا نہیں ہے۔ اس نے ایک غیر ملکی کو بھی سنگ ہی میں دلچسپی لیتے ہوئے دیکھا۔

یہ ایک پھیکی رنگت اور اداس آنکھوں والا متوسط جسامت کا آدمی تھا اس کے جسم پر سیاہ پتلون اور سیاہ ڈنر جیکٹ تھی۔ وہ خود رقص نہیں کررہا تھا۔

حمید کے ذہن میں اُن غیر ملکیوں کا خیال ابھرا جن کا تذکرہ فریدی نے کیا تھا۔

حمید کی ہم رقص ایک سلونی سی مدراسی لڑکی تھی اُس نے حمید کو خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"تم کیا سوچنے لگے۔"

"آں....!" حمید چونک پڑا۔ "کچھ نہیں.... اوہ دراصل میں یہ سوچ رہا تھا کہ آپ کی تعریف کن الفاظ میں کروں۔"

"میری تعریف۔" لڑکی مسکرادی۔

"ہاں.... ایسے رنگ کے بادل بھی نہیں ہوتے۔ ڈھلتی ہوئی شاموں میں اتنا سلونا پن کہاں۔"

لڑکی نے کھنکتا ہوا قہقہہ لگایا۔ اتنے میں موسیقی بند ہوگئی اور لوگ اپنی اپنی میزوں کی طرف جانے لگے۔ حمید نے محسوس کیا کہ لڑکی پیچھا چھوڑنے والی نہیں وہ اس کے ساتھ اس کی میز پر آگئی۔

حمید نے سنگ ہی کو بار کی طرف جاتے دیکھا اس نے کاؤنٹر پر رک کر بیئر کا گلاس خریدا اور کھڑا ہو کر چسکیاں لینے لگا۔ بظاہر وہ اُس غیر ملکی کی موجودگی سے ناواقف نظر آرہا تھا، جو اس سے تھوڑی ہی دور کھڑا سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔

حمید کا اضطراب بڑھ گیا وہ اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" اُس نے اپنی ہم رقص کی طرف دیکھ کر سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے؟"

"مجھے نشہ ہو رہا ہے۔"

"زیادہ پی گئے ہو گے۔"

"اوہ ٹھیک ہے.... لیکن میرے خدا.... اب کیا ہو گا۔"

"تو پریشانی کی کیا بات ہے۔"

"اب میں کل صبح حوالات میں نظر آؤں گا۔" حمید جھومتا ہوا بولا۔

"کیوں؟" لڑکی نے حیرت سے کہا۔

"مجھے خود پر قابو نہیں رہتا۔" حمید روہانسی آواز میں بولا۔ "اکثر کتوں کی طرح بھونکنے اور گدھوں کی طرح رینکنے لگتا ہوں۔ پچھلی بار سڑک پر ننگا ہو کر ناچتا ہوا پکڑا گیا تھا۔ اس سے پہلے ایک عورت کے بال نوچ لئے تھے۔ اس کے سینڈل اتار کر اپنا سر پیٹنے لگا تھا۔ ذرا دیکھوں تو تمہارے سینڈل کیسے ہیں۔"

حمید اُس کے پیروں کی طرف جھکا اور وہ بوکھلا کر کرسی سمیت پیچھے کھسک گئی۔

"ایک سینڈل۔" حمید سیدھا ہو کر گھگھیایا۔ "نشانی کے لئے۔"

"مذاق نہ کیجئے۔" لڑکی اٹھتی ہوئی بولی۔ "ٹھہریئے! میں ابھی آتی ہوں۔"

"ہائے میں مر جاؤں گا...." حمید نے ہانک لگائی۔

لیکن لڑکی بڑے بے ساختہ انداز میں وہاں سے کھسک گئی۔ حمید نے اطمینان سے پائپ سلگایا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

سنگ ہی کاؤنٹر پر کھڑا بیئر کی چسکیاں لے رہا تھا۔ وہ بڑا کھویا کھویا سا نظر آنے لگا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے اپنے گرد و پیش کی خبر ہی نہ ہو۔

اس کی نگرانی کرنے والا غیر ملکی بھی ابھی تک اپنے اسی انداز میں کھڑا تھا۔

سنگ ہی نے بیئر ختم کر کے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ پھیرا اور گلاس کو کاؤنٹر پر رکھ کر جیب سے پرس نکالا۔ پھر چند ہی منٹ بعد حمید نے اُسے رقص گاہ سے باہر جاتے دیکھا۔ غیر ملکی اجنبی بھی باہر نکل گیا۔

حمید دروازے کی طرف لپکا۔ وہ دونوں کافی فاصلہ چھوڑ کر آگے پیچھے چل رہے تھے۔ کمپاؤنڈ سے باہر آ کر سنگ ہی ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ جب اس کی ٹیکسی کچھ دور نکل گئی تو وہ غیر ملکی بھی

جھپٹ کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

حالانکہ فریدی کی کیڈی لاک ہوٹل کے گیراج میں موجود تھی لیکن حمید نے بھی ٹیکسی ہی مناسب سمجھی۔ تینوں ٹیکسیاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تھیں۔ گیارہ بج چکے تھے اس لئے سڑکوں پر ٹریفک کا زور بھی کم ہو گیا تھا۔ حمید کو تعاقب جاری رکھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

تقریباً آدھ گھنٹے بعد سنگ ہی کی ٹیکسی ارجن پورے میں رک گئی اور سنگ ہی اُتر کر ایک تاریک گلی میں گھستا ہوا نظر آیا۔ غیر ملکی کی ٹیکسی بھی اچانک رک گئی اور وہ بھی اتر کر اسی گلی کی طرف جھپٹا۔ گلی میں بہت اندھیرا تھا۔ حمید نے سوچا کہ جیب سے ٹارچ نکال لے۔ لیکن پھر اسے مناسب نہ سمجھ کر یونہی اندھیرے میں چلتا رہا۔

دفعتاً اس نے ایک ہلکی سی کراہ سنی اور پھر کسی وزنی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی ٹھوکر کھا کر گرا ہو۔ لیکن پھر ایسا جان پڑا جیسے گرنے والا انتہائی کرب کے عالم میں ہاتھ پیر پٹخ رہا ہو۔ حمید تیزی سے آگے کی طرف جھپٹا۔ اب اُس نے ٹارچ روشن کر لی تھی اور دوڑنے لگا تھا۔ پھر اچانک اُسے رک جانا پڑا۔

سنگ ہی کا تعاقب کرنے والا غیر ملکی زمین پر چت پڑا تھا اور اُس کے سینے میں ٹھیک دل کے مقام پر ایک بہت بڑا خنجر پیوست تھا۔

حمید ایک لمحے کے لئے لاش پر جھکا پھر سیدھا کھڑا ہو کر بے تحاشہ آگے کی طرف دوڑنے لگا۔ شائد وہ سنگ ہی کو پکڑنا چاہتا تھا۔ اُس کے قدموں کی آوازیں دور تک اندھیرے میں ڈوبتی چلی گئیں۔

سنگ ہی قریب کی تپلی گلی سے نکل کر لاش کی طرف آیا اُس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ٹارچ تھی اور پھر اُس نے ایسی حرکتیں شروع کیں جیسے اُس نے پہلے ہی سے اپنا پروگرام بنا رکھا ہو۔ اُس نے ایک قریبی گٹر کا ڈھکن اٹھایا اور لاش کو کھینچتا ہوا اُس کے قریب لایا۔ پوری کاروائی میں مشکل سے ایک منٹ لگا ہو گا۔ اُس نے گٹر کا ڈھکن بند کرتے ہوئے ایک طویل سانس لی۔

وہ پھر اُسی مقام پر لوٹ آیا جہاں سے اُس نے لاش گھسیٹی تھی۔ یہاں تقریباً دو فٹ کے گھیرے میں خون پھیلا ہوا تھا۔

سنگ ہی نے اپنی پتلون کی جیب سے ایک شیشی نکالی۔ اُس میں ایک بے رنگ عرق تھا۔ اس

نے اسے خون پر الٹ دیا۔ خون پر عرق گرتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کھولنے لگا ہو۔ سفید رنگ کی ہلکی ہلکی بھاپ خون سے ایک فٹ کی اونچائی پر اٹھ کر ہوا میں تحلیل ہوتی جا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے زمین اس طرح صاف اور خشک ہو گئی جیسے وہاں کبھی کچھ رہا ہی نہ ہو۔ سنگ ہی نے خالی شیشی جیب میں ڈالی اور بڑے اطمینان سے ٹہلتا ہوا گلی سے سڑک پر نکل آیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ ایک گھٹیا قسم کے قحبہ خانے میں دیکھا گیا جہاں وہ بوڑھی نائیکہ کو اس انداز میں چھیڑ رہا تھا جیسے وہ اسی کے لئے سودا طے کرے گا۔



رات کو دو بجے حمید ہکلا ہکلا کر فریدی کو اپنی کہانی سنا رہا تھا۔

"اور پھر میں جب دوبارہ اُس طرف واپس آیا تو لاش غائب تھی۔"

"ہوں....!" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"خفیف سا نشان بھی نہ ملا۔ آخر وہ خون کیا ہو گیا، جو لاش کے گرد پھیلا ہوا تھا۔ پہلے تو میں یہ سمجھا کہ شاید میں کسی غلط گلی میں نکل آیا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے کہ تم سے غلطی ہی ہوئی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"ناممکن۔" حمید بولا۔ "میں ٹھیک اُسی جگہ پر تھا جہاں میں نے لاش دیکھی تھی۔"

"مجھے حیرت نہیں ہے۔"

"کیوں....؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ سنگ ہی کوئی ٹٹ پونجیا قسم کا مجرم نہیں ہے۔ اس نے چین کی حکومت سے ٹکرانے کی کوشش کی تھی۔ تم خود سوچو کہ ایسا آدمی کن صلاحیتوں کا مالک ہوگا۔"

"آخر لاش کیا ہوئی۔"

"تم اتنی عقل بھی نہیں رکھتے۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

"کیا مطلب....!"

"گٹر.... کیا گٹر سے بھی زیادہ موزوں کوئی جگہ ہو سکتی ہے۔"

"مگر آخر نشانات کہاں گئے۔ کچی زمین کا خون تو دھویا نہیں جا سکتا۔"

"بہتیری صورتیں ہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر اس نے کہا۔ "چلو! میں دیکھنا

ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈی بڑی تیز رفتاری سے ارجن پورے کی طرف جا رہی تھی۔ ایک جگہ پہنچ کر حمید نے کیڈی رکوائی۔

اور پھر فریدی کو تھوڑی ہی دیر بعد یہ تسلیم کر لینا پڑا کہ سنگ ہی نے کسی قسم کا کوئی نشان نہیں چھوڑا۔ گٹر کے ڈھکن کو بھی شاید اس نے رومال سے صاف کر دیا تھا۔

لکیروں کا راز

لوتھر پاگلوں کی طرح کمرے میں ٹہل رہا تھا.... اور ایک طرف وہی پٹھان سنتری کھڑا تھا جسے اس نے ایک دن قبل سنگ ہی کے کہنے پر ملازمت سے برطرف کر دیا تھا۔

"میں جانتا ہوں! پٹھان بڑے وفادار ہوتے ہیں۔" لوتھر نے دفعتاً رک کر کہا۔

"بے شک....!" پٹھان سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "ہم مالک کے لئے جان دیتا ہے۔"

"میں پھر تمہیں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔"

"ہم تیار ہے! مگر ہم اُسی چینی ولد الحرام کا گردن بے شک توڑ دے گا۔"

"تمہیں رات بھر میرے ساتھ میرے کمرے میں رہنا پڑے گا۔"

"دشمن کا خوف؟" پٹھان نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں....!"

"صاحب آپ پولیس میں خبر کیوں نہیں دیتا۔"

"نہیں دے سکتا.... ایسی ہی بات ہے۔"

"فکر نہ کرے آپ.... ہم ایک ایک دشمن کا بوٹی قیمہ کرے گا۔ مگر آپ ہمیں بتائیے.... دشمن کدھر ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"پھر ہم کیا کرے گا۔"

"میری حفاظت! میری موت کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔"

"اچھا صاحب! ہم دیکھیے گا۔ مگر آپ اُس ولد الحرام کے معاملے میں نہیں بولے گا۔"

"نہیں بولوں گا.... مجھے منظور ہے۔"

"تب ٹھیک ہے۔"

لوتھر پھر ٹہلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "اب تم جاؤ ٹھیک سات بجے شام کو آجانا۔ دن کو مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ میں اپنی حفاظت خود ہی کر سکتا ہوں۔"



لوتھر کی جوان سال لڑکی سارہ برآمدے میں آرام کرسی پر نیم دراز پکچر پوسٹ کے صفحات الٹ رہی تھی۔ سارہ کافی قبول صورت اور شوخ لڑکی تھی۔ لوتھر اُسے بہت زیادہ عزیز رکھتا تھا۔

اچانک پکچر پوسٹ کے پرچے سے کارڈ سائز کی ایک تصویر نکل کر فرش پر گر پڑی۔ سارہ اُسے اٹھانے کے لئے جھکی اور پھر اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ وہ ایک ایسی گندی تصویر تھی کہ اگر لوتھر اُسے اُس کے ہاتھ میں دیکھ لیتا تو اُس کی شامت ہی آجاتی۔ شاید وہ اُسے بے دریغ مار بیٹھتا۔

تصویر کے نیچے تحریر تھا۔

"سمجھ دار سارہ کے لئے.... فلسفی سنگ ہی کی طرف سے۔"

سارہ کا چہرہ غصہ اور شرم سے تمتما اٹھا۔ اس کی سانس پھولنے لگی۔ سنگ ہی سے اُسے بڑی نفرت تھی اور وہ کئی بار لوتھر سے کہہ چکی تھی کہ وہ اُسے نکال دے اُس نے یہ بات بھی محسوس کی تھی کہ لوتھر سنگ ہی سے کچھ خائف سا رہتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ آج تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ اس نے کئی بار لوتھر سے بھی اس کے متعلق پوچھا لیکن کوئی تشفی بخش جواب نہ ملا اور اب ادھر جب سے پولیس والوں نے اُس کے گھر کے چکر کاٹنے شروع کئے تھے اُس کی تشویش اور زیادہ بڑھ گئی تھی اور اُن تین کوہ پیماؤں کی پُر اسرار موتیں، جو اُس کے باپ کے ساتھ جنوبی امریکہ گئے تھے۔ اُن میں سے ایک تو اس کوٹھی کے سامنے ہی مرا تھا۔

وہ یہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ لوتھر اُسے کچھ دنوں کے لئے کوٹھی سے ہٹانا چاہتا ہے۔

سنگ ہی اس کے لئے ایک معمہ تھا۔ وہ اُس کے باپ کا ملازم تھا لیکن کبھی کبھی وہ اس کی توہین تک کر بیٹھتا تھا۔ اس پر لوتھر کی خاموشی کو وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھ سکتی تھی کہ وہ

سنگ ہی سے دبتا ہے۔ آخر کیوں؟ بار بار یہ سوال اس کے ذہن میں کچوکے لگاتا تھا۔

سارہ برآمدے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی۔ تصویر اُس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر اُس نے لکھنے کی میز پر بیٹھ کر انتہائی غصے کے عالم میں اپنے باپ کو ایک خط لکھا۔ لکھ چکنے کے بعد نظر ثانی کی اور اُسے پھاڑ دیا۔ کچھ دیر سر پکڑے بیٹھی رہی.... پھر دوسرا کاغذ اٹھایا اور پھر صرف اتنا لکھا۔

"ڈیڈی.... کیا آپ اسے بھی برداشت کرلیں گے۔"

اُس نے کاغذ کو تہہ کر کے تصویر کے ساتھ ایک لفافے میں بند کیا اور نوکر کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی۔

"ڈرائیور سے کہو کہ گاڑی نکالے۔" اُس نے نوکر سے کہا۔

جب نوکر واپس آیا تو اُس نے لفافہ اُسکے ہاتھ میں دے کر کہا۔ "اسے ڈیڈی کو دے آؤ۔"

اُدھر نوکر لفافہ لے گیا اور ادھر وہ باہر نکلی۔ کار پھاٹک کے قریب کھڑی تھی۔

"میں خود ڈرائیو کروں گی۔ تم جاؤ۔" سارہ نے ڈرائیور سے کہا اور کار میں بیٹھ گئی۔



لوتھر آرام کرسی پر پڑا اونگھ رہا تھا۔ نوکر کی آہٹ پر چونک پڑا۔

"مس صاحب نے دیا ہے۔" نوکر نے لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا اور کسی قسم کے جواب کا انتظار کئے بغیر باہر چلا گیا۔

لوتھر نے لفافہ کھولا۔ سب سے پہلے اس کی نظر تصویر پر پڑی اور وہ اس طرح اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے کرسی کی سیٹ میں آگ لگ گئی ہو۔ تصویر اُس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑی۔ وہ اُسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھورتا رہا۔ پھر اس کی نظر ساتھ والے کاغذ پر پڑی۔ اس نے جھک کر اُسے اٹھایا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا۔ "سور.... کمینے.... کتے.... ذلیل۔"

اس نے میز کی دراز کھول کر ریوالور نکالا اور بے تحاشہ بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

پھر وہ ایک ایک کمرے میں سنگ ہی کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ نوکر اُسے اس حال میں دیکھ کر سہم گئے۔ کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ اس سے کچھ پوچھتا۔

آخر کار اس نے سنگ ہی کو پا ہی لیا۔ وہ ایک کمرے میں بیٹھا بیئر پی رہا تھا۔ لوتھر نے اُسے دیکھتے ہی فائر کر دیا۔ سنگ ہی بندروں کی طرح اچھل کر میز پر چڑھ گیا۔ لوتھر نے دوسرا فائر کیا لیکن اس بار پھر وہ چوک گیا۔ سنگ ہی نے میز سے چھلانگ لگائی اور اس بار وہ تیر کی طرح لوتھر پر آیا۔ غصے نے پہلے ہی لوتھر کی قوت سلب کر لی تھی۔ ریوالور اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

"کیا پاگل ہو گئے ہو۔" سنگ ہی غرایا۔ اس نے ریوالور اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔ پھر اس نے باہر کھڑے ہوئے نوکروں کو ڈانٹا۔ "جاؤ.... اپنا کام کرو۔"

نوکر چلے گئے۔ سنگ ہی نے لوتھر کو ایک آرام کرسی میں دھکیلتے ہوئے کہا۔

"اگر میں مر جاتا تو....!"

"سور کے بچے میں تجھے ہر حال میں مار ڈالوں گا۔" لوتھر چیخا۔

"آخر اس غصے کی وجہ۔"

"وجہ پوچھتا ہے! خیریت اسی میں ہے کہ جلد سے جلد کوٹھی خالی کر دے۔"

"لیکن میرے کوٹھی خالی کرتے ہی تمہارا جسم روح سے خالی ہو جائے گا۔"

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔"

"تو بہرے ہو جاؤ۔" سنگ ہی نے لاپروائی سے کہا اور بیئر کی بوتل اٹھا کر ہونٹوں سے لگالی۔

"اب تیری اتنی جرأت ہو گئی کہ سارہ کو ایسی تصویر بھیجے۔"

"اوہ تو یہ کہو....!" سنگ ہی سنجیدگی سے بولا۔ "مگر مسٹر لوتھر تم مجھے بڑے گھٹیا آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اتنی سی بات پر گولیاں جھونکنے لگے۔"

"ارے او! ذلیل کتے! یہ ذرا سی بات ہے۔" لوتھر حلق کے بل چیخا۔

"میں تو یہی سمجھتا ہوں۔" سنگ ہی نے کہا۔ "سارہ کافی سمجھدار ہے۔ ننھی سی بچی تو نہیں کہ اس تصویر کو سمجھ نہ سکے۔"

"ابے کیا تو پاگل ہو گیا ہے۔" لوتھر اپنا سر پیٹتا ہوا بولا۔

"دنیا کے ہر بڑے آدمی کو لوگ پاگل سمجھتے ہیں۔ اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو میں اسے بھی اس قسم کی تعلیم دیتا۔"

"خدا تجھے غارت کرے ذلیل۔"

"تم بڑے تنگ نظر معلوم ہوتے ہو مسٹر لوتھر! میں تو سمجھتا تھا کہ دنیا کے سارے دوغلے آدمی میری ہی طرح آزاد خیال ہوں گے۔ مگر نہیں تم تو صرف دوغلے ہو۔ میری طرح حرامی نہیں۔"

"تجھ سے پیچھا چھڑانے کے لئے اب میں دوسری صورت اختیار کروں گا۔ خواہ مجھے پھانسی ہی کیوں نہ ہو جائے۔"

"تو اب تم اتنی سی بات پر پولیس سے ساز باز کرو گے۔" سنگ ہی تلخ سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"میں سب کچھ بتا دوں گا۔"

"یعنی اپنے ہاتھ سے اپنے گلے میں پھندا ڈالو گے۔ وہ بھی اس لئے کہ میں نے تمہاری لڑکی کو تجربہ گاہ بنانا چاہا تھا لیکن کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اُس صورت میں محفوظ ہو جائے گی۔ کیا تم سنگ ہی کی قوتوں سے واقف نہیں ہو۔ ابھی تک تو یہ محض مذاق تھا۔ مسٹر لوتھر.... لیکن جانتے ہو اس صورت میں کیا ہو گا۔ اس سال تو ابھی تک وہی ہوا ہے جو سنگ ہی نے چاہا ہے۔"

"آج تجھے کوٹھی خالی ہی کرنی ہو گی۔"

"سنو! بچے نہ بنو۔ ایک گلاس ٹھنڈا پانی پیو اور یہ سوچ کر خدا کا شکر ادا کرو کہ سنگ ہی نے تمہیں اس وقت زندہ چھوڑ دیا۔"

"میں ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں۔"

"کون سا زہر پسند کرو گے، خودکشی زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوتی۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔

لوتھر کا غصہ اتنا بڑھا کہ اس پر غشی طاری ہو گئی۔

سنگ ہی نے اس کے سر پر شراب کے چھینٹے دیئے اور پادریوں کی طرح دعا پڑھنے لگا۔



سرجنٹ حمید کی چوہیا میز پر بیٹھی مونگ پھلی کے دانے کتر رہی تھی اور بکرا میز پوش چبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک حمید نے کتاب سے نظریں ہٹائیں اور بکرے کو ایک لات جھاڑتا ہوا بولا۔

"ابے اسے میز پوش کہتے ہیں۔"

بکرے نے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا، دو چار مرتبہ پلکیں جھپکائیں اور پھر اپنے شغل میں لگ گیا۔

"نہیں سنتا....!" حمید جھلا کر اٹھا اور اس کی پچھلی ٹانگیں پکڑ کر کھینچتا ہوا باہر دھکیل آیا۔ پھر

اسے اپنے کمرے میں واپس آئے دو ہی تین سیکنڈ گذرے ہوں گے کہ ایک نوکر نے آکر ناک کے بل الاپنا شروع کر دیا۔

"بڑے صاحب.... یاد فرما رہے ہیں۔"

"اُن سے جاکر کہو بڑی خوشی ہوئی.... روزانہ اسی وقت یاد فرمالیا کریں۔"

نوکر چپ چاپ کھڑا رہا۔

"ابے بھاگ!" حمید اُسے مکا دکھا کر بولا۔

"کیا کہہ دوں۔"

"یہی جو میں نے کہا ہے.... نکلو یہاں سے۔"

اس نے نوکر کے جانے کے بعد پھر ٹانگیں پھیلا کر کتاب پڑھنی شروع کر دی۔ یہ کوئی رومانی ناول تھا۔ حالانکہ اُسے اردو کے رومانی ناول پڑھ کر ہمیشہ کوفت ہوتی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ باز نہیں آتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد راہداری میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی جھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ حمید بدستور ناول پر نظریں جمائے رہا۔ فریدی نے کرسی کے پائے میں ٹھوکر ماری اور حمید چیخ مار کر اچھل پڑا۔ پھر فریدی کی طرف دیکھ کر کھسیانی ہنسی ہنستا ہوا بولا۔

"لاحول ولا قوۃ آپ ہیں! میں سمجھا شائد بکرا ہے۔"

"میں نے تمہیں بلوایا تھا۔"

"اوہ.... لیکن مجھے اطلاع نہیں ملی۔"

"بکواس نہ کرو! مجھے یہ حرکتیں پسند نہیں۔"

"قسم لے لیجئے۔ کسی نے اطلاع نہیں دی۔"

"نصیرا نہیں آیا تھا۔"

"آیا تو تھا۔" حمید نے معصومیت سے کہا۔ "لیکن اُس نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ آپ مجھے بلا رہے ہیں۔ اُس نے یہ کہا تھا کہ آپ مجھے یاد کر رہے ہیں۔ اس پر میں نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ ارے کوئی ایسا بھی تو ہے، جو ہمیں یاد کرتا ہے۔"

"میں چانٹا مار دوں گا۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"آپ کا جغرافیہ آج تک میری سمجھ میں نہ آسکا۔" حمید نے غمزدہ آواز میں کہا۔ "کبھی یاد کریں گے اور کبھی مارنے کی دھمکی دیں گے۔ ایسی تو ہٹلر کی بھی محبوبہ نہ رہی ہوگی۔"

فریدی نے اس کا کان پکڑ کر کرسی سے اٹھا دیا۔

حمید ایک لمبی سی "چیاؤں" کے ساتھ اٹھتا چلا گیا۔

"میں کہیں جانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"کیا اسٹڈی تک بھی نہیں چلو گے۔ جہاں دو لڑکیاں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔"

"آپ نے خواب دیکھا ہوگا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "آج کل موسم ایسا خراب ہے کہ کوئی لڑکی میری پرواہ نہیں کرتی۔"

"فکر نہ کرو! میں نے تمہارے لئے انتظام کر لیا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"تم لوتھر کی کوٹھی میں اس کی لڑکی کے دوست کی حیثیت سے قیام کرو گے۔"

"بھلا اس کی لڑکی مجھے اپنا دوست کیوں تسلیم کرنے لگی۔"

"کرے گی.... یہ میں اسی کی درخواست پر کر رہا ہوں۔"

"شاید آپ مذاق کر رہے ہیں۔"

"نہیں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ سنگ ہی سے وہ اور اس کا باپ دونوں بہت زیادہ خائف ہیں۔"

"سنگ ہی سے خائف ہیں؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں وہ بظاہر تو لوتھر کا نوکر ہے لیکن اصلیت خدا جانے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کوئی بڑا کھیل کر رہا ہے۔"

"لیکن وہ جنوبی امریکہ کے پُراسرار باشندے۔"

"وہ بھی اپنی جگہ پر اٹل حقیقت ہیں۔"

"آخر آپ ٹھیک سے کیوں نہیں بتاتے۔"

"میں سمجھے بوجھے بغیر کوئی بات نہیں کرتا۔ فی الحال ہمیں صرف سنگ ہی اور لوتھر کے تعلقات کے متعلق چھان بین کرنی ہے۔"

"اوہ وہ نیلی لکیر.... آپ نے کہا تھا کہ وہ جنوبی امریکہ کی کسی قدیم قوم سے تعلق رکھتی ہے۔"

"قدیم نسل سے۔" فریدی نے تصحیح کی۔ "طریقہ کار سے شائد تم واقف نہیں۔ چمڑے کی
پتلی سی پٹی زہر میں ڈبوئی جاتی ہے۔ مارنے والا اپنے شکار کے جسم پر اس زور سے اُسے مارتا ہے کہ
اس کی کھال پھٹ جاتی ہے اور زہر جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔ یہ نیلی لکیر دراصل اُسی چمڑے کی
پٹی کی چوٹ کا نشان ہوتا ہے۔"

"میرے خدا۔" حمید نے کہا۔ "آپ طریقہ کار سے واقف ہیں۔ اس کے باوجود بھی
ابھی تک اندھیرے میں ہیں۔"

"ٹھیک ہے! میں ابھی اس بات کو مشتہر نہیں کرنا چاہتا۔ لوگوں کو اندھیرے ہی میں رہنے دو"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔

"ان تین مرنے والوں کے علاوہ اور لوگ بھی تو لوتھر کے ساتھ جنوبی امریکہ گئے تھے۔"

"ہاں گئے تو تھے اور میں اُن میں سے دو ایک سے مل بھی چکا ہوں۔"

"تو انہوں نے بھی کوئی خاص بات نہیں بتائی۔"

"بتائی ہے۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "وہ تینوں مرنے والے لوتھر.... سنگ
اور ایک مقامی کوہ پیما کے ساتھ ایلپوم کی چوٹی پر پہنچ گئے تھے۔"

"تو کیا ایلپوم کی چوٹی پر پہنچنے ہی کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوئی۔"

"ہوسکتا ہے۔ اگر تم باقاعدہ اخبار پڑھتے ہوتے تو اس قسم کا سوال کبھی نہ کرتے۔" فریدی
نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"اخبار سے کیا مطلب۔"

"مطلب یہ کہ لوتھر کی پارٹی نے ایلپوم کی چوٹی سر کرنے کے علاوہ اور کونسا کارنامہ انجام دیا تھا"

"مجھے اس قسم کی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "کوہ پیمائی
ہونہہ! چڑھ گئے کسی پہاڑ کی چوٹی پر اور ہلا رہے ہیں بچوں کی طرح ہاتھ۔ کیا لغویت ہے۔ ارے
اس میں کیا دھرا ہے۔ بہادری تو تب ہے کہ بیچ سڑک پر کسی عورت کی چوٹی پکڑلی اور اپنے
ایک بال بھی کم کئے بغیر صاف نکل گئے.... پہاڑ کی چوٹی.... ہونہہ۔"

"زنخوں اور مردوں کے مشاغل میں بڑا فرق ہوتا ہے۔" فریدی بولا۔ "خیر تمہیں نہیں
معلوم۔ لوتھر وغیرہ نے ایلپوم کی چوٹی پر ایک پانچ سو سال پرانی لاش دریافت کی تھی۔"

"پانچ سو سال پرانی لاش!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... اِنکا نسل کی ایک بارہ سالہ شہزادی کی لاش۔ جس کے باپ کی حکومت اب سے
پانچ سو سال پہلے چلی اور پیرو کے درمیانی علاقے پر تھی اور اسپین کے ایک حملہ آور فرانسسکو
ہزارو نے اس کا تختہ الٹ دیا تھا۔ شاہی خاندان کے بہت سے افراد افراتفری میں ادھر اُدھر بھاگ
نکلے۔ انہیں میں یہ شہزادی بھی تھی جس نے ایلپوم پہاڑ کی ایک زیارت گاہ میں پناہ لی اور وہیں اس
کی موت بھی واقع ہوئی۔ بہر حال وہ شیشے جیسی برف کے اندر اس طرح بیٹھی ہوئی ملی جیسے زندہ
ہو اور برف سے نکالنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے مرے ہوئے ایک گھنٹہ سے زیادہ نہ
گذرا ہو۔"

حمید حیرت سے فریدی کے چہرے پر نظریں جمائے رہا۔

"آپ کسی جرمن مصنف کی تصنیف کا تذکرہ کر رہے تھے۔"

"ہاں! اس نے اب سے باون سال پہلے جنوبی امریکہ کا سفر کیا تھا اور وہاں اُسے اُس شہزادی
کے فرار کی داستان سنائی گئی تھی اور لوگوں کا خیال تھا کہ وہ شہزادی ایلپوم کی چوٹی پر اب بھی
موجود ہے۔ اس سفر نامے میں بہت کچھ تھا۔ افسوس کہ تفصیل میرے ذہن میں نہیں ہے۔
بہر حال نیلی لکیروں کے متعلق بھی میں نے اُسی میں پڑھا تھا۔ یہ حربہ فرانسسکو ہزارو کی فوج کے
خلاف استعمال کیا گیا تھا۔"

"تو کیا یہ غیر ملکی.... لوتھر کی پارٹی کے پیچھے اسی لئے پڑ گئے ہیں کہ انہوں نے وہ لاش وہاں
سے کیوں نکالی۔"

"ہوسکتا ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "حمید صاحب اس کتاب کو ملنا ہی چاہئے۔
اُس میں کچھ اور بھی تھا۔"

"تلاش کروں گا.... مگر اب وہ لاش کہاں ہے۔"

"وہ تو اُسی وقت وہاں کی حکومت کی تحویل میں دے دی گئی تھی۔ ایک دوسری بات۔ ایلپوم
کی چوٹی صرف سولہ ہزار فٹ بلند ہے۔ اپنے یہاں کے پہاڑوں کی کئی اس سے بھی بلند چوٹیاں
ابھی تک فتح نہیں ہوئیں۔ آخر لوتھر نے صرف سولہ ہزار فٹ بلند چوٹی کے لئے اتنا لمبا سفر کیوں
کیا۔ وہ اپنا یہ شوق یہاں بھی پورا کر سکتا تھا۔"

"ممکن ہے اس لاش کے لئے۔" حمید بولا۔

"لیکن لوتھر نے وہاں یہ بیان دیا تھا کہ لاش اُسے اتفاقاً ملی تھی۔ اُسے پہلے سے اس کا علم نہیں تھا۔"

"تب تو معاملہ واقعی دلچسپ ہے۔" حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔

وہ مہمان

تصویر والے واقعہ کے بعد سے لوتھر شرمندگی کے مارے اپنی لڑکی سے کترانے لگا تھا۔ بہت کچھ سوچ بچار کرنے کے بعد اُس نے اُسے ایک خط لکھا اور اس میں خواہش ظاہر کی کہ وہ کچھ دنوں کیلئے باہر چلی جائے اور سنگ ہی سے اسی صورت میں چھٹکارا مل سکتا ہے جب وہ قتل کر دیا جائے۔

اس کے جواب میں سارہ نے اُسے لکھا کہ وہ فی الحال کہیں نہیں جاسکتی کیونکہ اس کا ایک کلاس فیلو کچھ دنوں کے لئے اُس کے ساتھ قیام کرنے کی غرض سے آرہا ہے۔

اس نئی اطلاع پر لوتھر بُری طرح بوکھلا گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان دنوں کوئی اجنبی اس کی کوٹھی میں قیام کرے۔ آخر اسے سارہ سے دوبدو گفتگو کرنی ہی پڑی۔

"حالات ایسے نہیں بیٹی کہ آج کل کوئی غیر یہاں قیام کر سکے۔" لوتھر نے کہا۔

"کیسے حالات! آخر آپ مجھے بتاتے کیوں نہیں۔"

"یہ مت پوچھو! بس ایک مشکل میں پھنس گیا ہوں اور میں خود ہی حالات پر قابو پانا چاہتا ہوں۔"

"بیکار بات ہے۔ سنگ ہی آپ کو تباہی کی طرف لے جا رہا ہے۔"

"میں بہت جلد اُس سے چھٹکارا پالوں گا۔"

"لیکن میرا مہمان ضرور آئے گا۔"

"ضد نہ کرو۔"

"مجبوری ہے اُسے کس طرح ٹالا جاسکتا ہے جبکہ میں خود اُسے مدعو کر چکی ہوں۔"

"سنگ ہی خواہ مخواہ شک کرے گا۔" لوتھر نے بے بسی سے کہا۔

"سنگ ہی.... سنگ ہی۔" سارہ جھلا کر بولی۔ "میں اُس سور کے بچے سے نہیں ڈرتی۔ اگر

ضرورت پڑی تو میں اُس کی کھوپڑی میں ایک اونس سیسہ اُتار دوں گی۔"

"آہستہ بولو۔" لوتھر چاروں طرف دیکھ کر مضطربانہ انداز میں بولا۔

"ڈیڈی۔ کہیں میں تمہارے ساتھ کوئی بُرا برتاؤ نہ کر بیٹھوں۔" سارہ بپھر گئی۔ "تم وہی کیپٹن لوتھر ہو جس کے نام سے لوگ لرزتے تھے۔"

"وقت کی بات ہے بے بی۔" سنگ ہی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "تم اپنے مہمان کو ضرور بلاؤ کیپٹن کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ سنگ ہی کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جب کہ سنگ ہی ان کی حفاظت کر رہا ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو نیلی لکیر کے چوتھے شکار یہی ہوتے۔"

"تم بغیر اجازت میرے کمرے میں کیوں گھسے۔" سارہ چیخ کر بولی۔

"مجھے افسوس ہے۔" سنگ ہی نے کہا اور الٹے قدموں چلتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔ پھر اُس نے رک کر کہا۔ "کیا میں اندر آسکتا ہوں۔"

"نہیں....!" سارہ حلق کے بل چیخی۔

"بہت بہتر۔" سنگ ہی سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا اور وہاں سے چلا گیا۔

"ڈیڈی.... جاؤ.... تم بھی۔" سارہ لوتھر کو دروازے کی طرف دھکیلتی ہوئی بولی۔

لوتھر چپ چاپ کمرے سے چلا گیا۔ راہداری کے سرے پر شائد سنگ ہی اس کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ اس نے لوتھر کو نیچے سے اوپر تک گھور کر دیکھا۔

"لڑکی سے اس قسم کی گفتگو کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس نے کہا۔

"میں نے سوچا.... ممکن ہے تم شک کرو۔" لوتھر نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"کتا جب پاگل ہو جائے تو اُسے گولی مار دینی چاہئے۔" سنگ ہی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا....!" لوتھر بوکھلا گیا۔

"کچھ نہیں! اس کا تعلق تم سے نہیں۔" سنگ ہی نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"آخر یہ کھیل کب ختم ہوگا۔"

"بہت جلد۔" سنگ ہی بولا۔ "ابھی تک میں اُن حرامزادوں کے ٹھکانے سے نہیں واقف ہو سکا۔ میں جب بھی باہر نکلتا ہوں اُن کا کوئی نہ کوئی آدمی میرا تعاقب ضرور کرتا ہے۔ شاید وہ مجھے زندہ پکڑنا چاہتے ہیں۔"

"میں تنگ آ گیا ہوں۔"

"تکلیف کے بغیر آرام کہاں کیپٹن۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "لیکن زبردست حماقتیں کر رہے ہو۔ اُس پٹھان کو دوبارہ نوکر رکھنے کی کیا ضرورت تھی اور وہ پچھلی رات کو تمہارے کمرے میں سویا تھا۔"

"میں اُن لوگوں سے بہت زیادہ خائف ہوں۔"

"فضول.... باتیں نہ بناؤ۔" سنگ ہی نے زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "تم نے یہ انتظام سنگ ہی جیسے بے ضرر آدمی کے خلاف کیا ہے۔"

"نہیں! نہیں.... یہ غلط ہے۔"

"خیر ہوگا.... مجھے اس کی پرواہ نہیں۔" سنگ ہی نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔



کوٹھی میں داخل ہونے والے مہمان کو دیکھ کر سارہ ششدر رہ گئی۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ وہ مہمان اُسی کی طرح اینگلو انڈین ہوگا۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ اچھا ہی ہوا، جو اس نے مہمان کے متعلق اپنے باپ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ گفتگو نہیں کی تھی۔

نوجوان مہمان سارہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔ "ہیلو سارہ.... اولڈ گرل... کیا تم میکی کو خوش آمدید نہ کہو گی۔"

"ہلو میکی.... پور بوائے۔"

دونوں نے ہاتھ ملائے۔ برآمدے میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ مہمان نے آہستہ سے کہا۔ "میرا نام مائیکل میک آرتھر ہے سمجھیں۔"

نوکر سامان لے کر دوسری طرف چلا گیا اور وہ دونوں اسٹڈی میں آئے، جہاں لوتھر اور سنگ ہی خاموش بیٹھے ایک دوسرے کو کبھی کبھی کنکھیوں سے دیکھ لیتے تھے۔

"میکی سے ملئے! ڈیڈی۔" سارہ نے لوتھر سے کہا۔ "مائیکل میک آرتھر اور یہ ہیں میرے ڈیڈی۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔" مہمان نے جھک کر لوتھر سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے یہاں آپ کی شخصیت کھینچ لائی ہے.... میں نے آپ کی وہ کتابیں پڑھی ہیں، جو آپ

نے افریقہ کے شکار اور شکاریوں کے متعلق لکھی ہیں۔"

"سارہ کے دوست میرے اپنے بچے ہیں، تم پہلے کبھی نہ ملے۔" لوتھر نے کہا۔

"میں زیادہ تر دورے پر رہتا ہوں۔ اسلحہ کی ایک فرم کا ٹریولنگ ایجنٹ ہوں۔ آج کل چھٹیاں زار رہا ہوں۔"

"خوب....!" لوتھر مسکرایا۔ "ان سے ملو۔ یہ میرے سیکریٹری سنگ ہی ہیں۔ شکار کے غلق مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔"

"اوہ....!" مہمان نے سنگ ہی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے چین اور چینیوں سے ی محبت ہے۔"

"شکریہ۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "اور یہ محبت بڑھتی ہی جائے گی۔"

"میرا ایک چینی دوست چین چنگ پنگ بڑا اچھا مصور ہے۔" میکی بولا۔

"ضرور ہوگا۔" لوتھر نے کہا۔ "اب ہم چائے پر ملیں گے۔"

سارہ اُسے اپنے ساتھ لے گئی۔

"یہ لڑکا صورت ہی سے بیوقوف معلوم ہوتا ہے۔" لوتھر نے کہا۔ "اگر یہ چشمہ نہ لگائے تو شاید کچھ عقلمند معلوم ہو سکے۔"

"سنگ ہی دنیا میں صرف ایک ہی قسم کے آدمیوں سے ڈرتا ہے۔"

لوتھر اُسے گھورنے لگا۔ سنگ ہی چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اس نے کہا۔ "صرف ان آدمیوں سے جن کے چہروں پر حماقت برستی ہے۔"

"دیکھا....!" لوتھر پھر جلدی سے بولا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ تم شک کرو گے۔"

"اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ خیر تم فکر نہ کرو۔ ضروری نہیں کہ میرا اندیشہ درست ہی نکلے۔"

"میں صرف فریدی سے خائف ہوں۔" لوتھر بولا۔ "اُس دن کے بعد سے پھر اُس نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ غالباً وہ معاملات کی تہہ کو پہنچ گیا ہے۔"

"فریدی سے ڈرتے ہو۔" سنگ ہی ہنس کر بولا۔ "جس دن کہو اُسے خاک میں ملا دوں۔ مگر میں معاملات کو طول دینا نہیں چاہتا۔"

"بہت مشکل کام ہے سنگ ہی۔" لوتھر نے کہا۔ "وہ لومڑیوں کی طرح مکار اور شیر کی طرح

بے خوف ہے۔"

"ابھی نہیں! ابھی نہیں۔" سنگ ہی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "سنگ ہی کو ابھی تاؤ نہ دلاؤ پہلے اُن کا صفایا کر دوں پھر فریدی سے بھی نپٹ کر دکھا دوں گا۔"

"تم ان کا صفایا کرو گے۔" لوتھر نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... میں اب تک چار کو ٹھکانے لگا چکا ہوں۔"

"مجھے حیرت ہے۔" لوتھر اپنی پیشانی پونچھتا ہوا بولا۔ "آخر ان کی لاشیں کیا ہو گئیں۔"

"لاشیں....!" سنگ ہی نے قہقہہ لگایا۔ "میں کبھی کچا کام نہیں کرتا۔"

"لیکن ہم لوگوں کی زندگیاں بھی تو خطرے میں ہیں اور ہم نے بھی اپنے تین سا کھوئے ہیں۔"

"لڑائی میں تو یہ ہوتا ہی ہے۔" سنگ ہی لاپروائی سے بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ ابھی ہم پر بھی حملے کئے جائیں۔ میرے ذہن میں تو اب دوسری ہی تدبیر ہے مگر اُن سور کے بچوں کی ق گاہ ہی نہیں معلوم ہو سکی۔"

"کیا کرو گے۔"

"یہ مت پوچھو۔ چپ چاپ بیٹھے دیکھتے رہو۔ آج تک میری کوئی تدبیر پٹ نہیں پڑی۔"

لوتھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک انہیں ایک چیخ سنائی دی اور پھر متواتر چیخیں گونجتی ر وہ بڑی تیزی سے باہر نکلے۔

نو آمدہ مہمان غسل خانے میں چیخ رہا تھا اور غسلخانے کا دروازہ اندر سے بند تھا وہ دروازہ پ لگے۔ سارہ بھی وہاں آ گئی تھی۔

پھر اچانک انہوں نے مہمان کے ہنسنے کی آواز سنی۔ وہ زبان سے گالیاں بھی بکتا جا رہا تھا

سنگ اور شہزادی

سنگ ہی اور لوتھر نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔

آخر غسل خانے کا دروازہ کھلا۔ میکی نے انہیں دیکھ کر ایک جھینپا جھینپا سا قہقہہ لگایا اور ا

معلوم ہونے لگا جیسے اب وہ ہنستے ہنستے شرمندگی کی وجہ سے رو پڑے گا۔

"کیا بات تھی۔" لوتھر نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔"

"تو یونہی خواہ مخواہ چیخنے لگے تھے۔"

"اب کیا بتاؤں۔" میکی نے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔"

"عجیب آدمی ہو۔"

"کیا بات تھی۔" سارہ نے پوچھا۔

"ارے.... وہ کم بخت چوہیا.... قمیض میں گھس گئی تھی۔"

"چوہیا....!" لوتھر جھلا کر بولا۔ "اس پر اتنا شور و غل۔"

"آہ آپ نہیں جانتے۔" میکی غمزدہ لہجے میں بولا۔ "اگر آپ کو واقعات کا علم ہوتا تو آپ کبھی یہ نہ کہتے۔"

"کیسے واقعات۔"

"میرے دادا کی موت ایک چوہیا کی وجہ سے ہوئی۔ باپ بھی ایک چوہے ہی کا شکار ہوئے۔ چوہیا ہمارے خاندان کے لئے نحوست کی علامت ہے۔"

"چوہے کی وجہ سے موتیں۔" سارہ نے کہا۔ پھر سنبھل کر بولی۔ "تم نے کبھی تذکرہ نہیں کیا۔"

"کیا تذکرہ کرتا۔ کوئی فخر کی بات تو ہے نہیں۔" میکی نے اس طرح کہا جیسے اس تذکرے سے تکلیف پہنچی ہو۔

"چوہے کی وجہ سے موت۔" سنگ ہی زیرِ لب بڑبڑا کر مسکرایا۔

"ہاں میرے دادا پہلی جنگ عظیم کے ایک سپاہی تھے۔ ایک مورچے پر جب کہ وہ زمین پر اوندھے لیٹے دشمن پر گولیاں برسا رہے تھے اچانک کوئی چیز ان کے کالر میں کلبلائی اور وہ بے ساختہ اچھل پڑے اور پھر سامنے سے ایک گولی ان کی پیشانی میں گھستی چلی گئی۔ کالر میں کلبلانے والی چیز ایک چوہیا تھی۔ میرے باپ کا بھی یہی حشر ہوا۔ وہ گرمیوں کی ایک رات میں پائیں باغ میں سو رہے تھے اچانک ایک چوہیا ان کے بستر میں گھس آئی۔ وہ بے تحاشہ اچھل کر بھاگے اور پاس کے کنوئیں میں جا گرے۔"

"اوہ۔۔۔!" لوتھر نے کہا۔

"تب تو بہت اچھا ہوا کہ آپ اس وقت غسلخانے میں تھے۔" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا اور سارہ اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگی۔

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔" میکی بولا۔

لوتھر اور سنگ ہی وہاں سے چلے گئے۔

"سچ سچ بتاؤ کیا بات تھی۔" سارہ نے پوچھا۔

"یہی بات تھی۔" میکی نے کہا۔

"اگر یہی بات تھی تو تم کیا کر سکو گے۔"

"میں والز بڑا اچھا ناچتا ہوں۔"

"تمہیں فریدی صاحب نے بھیجا ہے۔"

"کون فریدی؟ میں نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سنا اور پھر مجھے کوئی بھیجنے ہی کیوں لگا آہ.... سارہ ڈیئر تم بھی پہلے ہی جیسی شریر ہو۔ یاد ہے جب تم نے پروفیسر گولڈ کو بینگن کھینچ مارا تھا۔"

"کیا بکواس ہے! میں نے آج تمہیں پہلے پہل دیکھا ہے۔"

میکی نے دل کھول کر قہقہے لگائے پھر بولا۔ "خدا کی قسم سارہ! تم غضب کی ایکٹنگ کرتی ہو۔ اگر کوئی تیسرا یہاں موجود ہوتا تو تمہارے اس انداز کو بناوٹ کبھی نہ سمجھتا۔"

سارہ بوکھلائی ہوئی نظروں سے اُسے گھورنے لگی۔

"ویسے اگر اب تم کسی پرانی بات کا بدلہ لینا چاہتی ہو تو بات دوسری ہے۔" میکی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"تمہیں فریدی نے نہیں بھیجا۔"

"نہ جانے تم کس کا تذکرہ کر رہی ہو۔ میں اس آدمی کو نہیں جانتا۔"

"تب پھر میں تمہیں نہیں جانتی۔ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔"

"کیا؟" میکی نے حیرت سے کہا۔ "میں خواب دیکھ رہا ہوں یا تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ تم [illegible] نہیں جانتیں۔ کیا خود ہی تم نے مجھے مدعو نہیں کیا تھا۔"

"ہرگز نہیں۔"

"اوہ! میں سمجھا بالکل سمجھ گیا۔ تم بہت کینہ پرور ہو۔ پچھلے سال ہم میں جو تھوڑی سی وقتی رنجش ہو گئی تھی تم اُس کا بدلہ اب میری توہین کر کے لینا چاہتی ہو۔"

"واہ.... اچھی رہی۔ میں نے آج سے پہلے تمہیں کبھی دیکھا تک نہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ ان نظروں سے کبھی نہ دیکھا ہوگا جن نظروں سے اس وقت دیکھ رہی ہو۔ آہ سارہ کیا تم وہ باتیں بھول گئیں جو ہم نے کھجوروں کے سائے میں کی تھیں.... اور وہ آموں کے سائے.... وہ لمحات جو ہم نے کٹھل کے سائے میں گذارے تھے۔ کیا سب کچھ بھول گئیں.... نہیں ہرگز نہیں۔"

"تم آخر ہو کیا بلا۔" سارہ جھنجھلا گئی۔

"آہ.... آج میں بلا ہو گیا۔ میں جو کبھی تمہارا ہیرو تھا۔"

سارہ الجھن میں پڑ گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر یہ فریدی کا بھیجا ہوا آدمی ہوتا تو اس قسم کی گفتگو کبھی نہ کرتا پھر آخر وہ ہے کون؟ اور اس دیدہ دلیری کا کیا مطلب۔ اس نے سوچا کہ فی الحال بات بڑھانے سے زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ وہ اس کے متعلق فریدی کو فون کرے۔

"دیکھو! سارہ اب تم کوئی بُری بات سوچ رہی ہو میرے خلاف۔" میکی نے سنجیدگی سے کہا۔

"خیر میں چلا جاؤں گا لیکن آج نہیں۔ اس طرح میری توہین نہ کرو۔"

"اوہ.... ارے۔" سارہ ہنسنے لگی۔ "اب تو واقعی مجھے بھی اپنی اداکاری پر ناز کرنا چاہئے۔"

"دیکھو.... میں نہ کہتا تھا.... ہاہا۔" میکی نے بھی قہقہہ لگایا۔



پستہ قد اور بھاری جسم والے آدمی نے ٹریفک کانسٹیبل کے چیخنے کے باوجود بھی سڑک پار کر لی۔ یہ ایک سفید فام غیر ملکی تھا۔ شاید اسی لئے کانسٹیبل نے محض احتجاجی انداز میں چیخنے پر اکتفا کی تھی۔ ورنہ اگر یہ حرکت کسی دیسی آدمی سے سرزد ہوئی ہوتی تو اُسے ماں بہن والا ہونے پر ضرور افسوس کرنا پڑتا۔ سنگ ہی کو سڑک کے اس طرف رک جانا پڑا۔ وہ بڑی دیر سے اس پستہ قد غیر ملکی کا تعاقب کر رہا تھا۔ جب ٹریفک کانسٹیبل نے ہاتھ اٹھا کر دوسری طرف کا ٹریفک روک دیا تو سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے لوگ دوسری طرف جانے لگے۔

لیکن اب سنگ ہی اپنا شکار کھو چکا تھا۔ سڑک پار کرنے کے بعد اُس نے اسے ایک پتلی سی گلی

میں گھستے دیکھا تھا اور جتنی دیر اُسے سڑک کے کنارے رکنا پڑا تھا اتنی دیر میں تو وہ نہ جانے کہاں جانکلا ہوگا۔

پھر بھی سنگ ہی نے ہمت نہ ہاری۔ وہ بھی اُسی گلی میں گھس گیا۔

شام ہوگئی تھی لیکن ابھی اندھیرا نہیں پھیلا تھا۔ سنگ ہی گلی پار کر کے دوسری سڑک پر آنکلا لیکن وہ پستہ قد غیر ملکی کہیں نہ دکھائی دیا۔

سنگ ہی اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا ایک چھوٹے سے بار میں گھس گیا۔ کاؤنٹر پر اس نے بیئر کا ایک جگ طلب کیا اور کھڑے ہی کھڑے پینے لگا۔

وہ میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا پھر اس کی نظریں ایک موٹی سی ادھیڑ عمر دیسی عیسائی عورت پر جم گئیں۔ اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی وہ بیئر کا جگ ہاتھ میں لئے ہوئے آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھا۔

"آہا! ماسٹر سنگ۔" عورت اُسے دیکھ کر اچھل پڑی۔

سنگ ہی نے جواباً مسکرا کر اُسے آنکھ ماری۔ پھر وہ بھی کرسی کھینچ کر اُسی میز پر بیٹھ گیا۔

"کہاں! کہاں ڈھونڈا ہے تمہیں۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

"مت بیوقوف بناؤ۔"

"اس طرح ٹالو مت۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ آج کل تمہارا کاروبار امریکنوں سے ہے۔"

"کیسا کاروبار۔" عورت بگڑ کر بولی۔

"لڑکیوں کا۔"

"ایک شریف عورت کو الزام نہ دو۔"

"اس شریف مرد کا بھی خیال رکھو تو ایسا کیوں ہو۔"

"تم ہمیشہ بے تکی باتیں کرنے لگتے ہو۔"

"میں مرتے دم تک تم سے محبت کرتا ہوں گا۔" سنگ ہی نے مغموم لہجے میں کہا۔ عورت کچھ نہ بولی۔ وہ چند لمحے سنگ ہی کو گھورتی رہی پھر کہا۔ "تم چاہتے کیا ہو۔"

"آہ.... بہت کچھ.... بس ایک بار کہہ دو کہ مجھے بھی تم سے محبت ہے۔"

موٹی عورت نے بے ساختہ جھینپنے کی ایکٹنگ شروع کردی اور سنگ ہی یہ ظاہر کرنے لگا جیسے اس کی ہر ہر ادا پر اس کا مرڈر ہوا جارہا ہو۔

"تم بڑے سور ہو۔" موٹی عورت نے آنکھیں جھپکا کر آہستہ سے کہا۔

"ذرا میں اپنے کام سے فرصت پالوں تو تمہیں بتاؤں کہ محبت کسے کہتے ہیں۔ چینیوں کے یہاں محبت کرنا بھی آرٹ ہے۔"

"مجھے آج تک یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ تم کام کیا کرتے ہو۔"

"کام سے میری مراد یہ ہے کہ مجھے ایک آدمی سے نپٹنا ہے۔"

"لڑائی جھگڑا۔"

"ہاں... وہ کم بخت فارموسا سے میری بھتیجی کو بھگا لایا ہے۔ ہم چینی اسے بہت بُرا سمجھتے ہیں۔"

"کون ہے؟ کیا وہ اسی شہر میں ہے؟" عورت نے پوچھا۔

"ہاں! لیکن افسوس میں یہ نہیں جانتا کہ اس کا قیام کہاں ہے وہ ایک امریکن ہے۔ چھوٹے سے قد کا بھاری بھرکم آدمی۔ داہنے گال پر ایک بڑا سا نیلگوں دھبہ ہے۔"

"اوہ....!" عورت کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "اگر میں اس کا پتہ بتادوں تو۔"

"میں تم پر اپنی جان قربان کردوں۔"

"مگر اس کے ساتھ کوئی عورت نہیں وہ تنہا ہے۔"

"کہاں ہے وہ!" سنگ ہی نے غضب آلود لہجے میں کہا۔ "اُس نے اُسے کہیں اور چھپایا ہوگا.... وہ جانتا ہے کہ لڑکی کا چچا سنگ ہی یہیں موجود ہے۔"

"جس حلیے کے امریکن کا تذکرہ تم نے کیا ہے وہ نیاگرا ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔"

"شکریہ! میں مرتے دم تک تمہاری محبت سے منہ نہ موڑوں گا۔"

"بس رہنے دو.... ہرجائی کہیں کے۔" موٹی عورت لچکنے کی کوشش میں تھلتھلا کر رہ گئی۔

"اچھا مری جان! کل اسی وقت یہیں ملیں گے۔" سنگ ہی نے کہا اور اُس کے موٹے اور بھدے ہاتھ کا بوسہ لے کر کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

قریب کی میزوں پر چند اوباش قسم کے لوگوں نے قہقہے لگائے اور وہ جھینپ کر چھت کی طرف دیکھنے لگی۔

سنگ ہی جا چکا تھا۔ لوگ اب تک عورت پر آوازیں کس رہے تھے۔ اُسے وہاں بیٹھنا محا
ہو گیا۔ وہ بھی اٹھی اور دروازے سے نکل ہی رہی تھی کہ ایک قد آور خوبصورت نوجوان نے اُ
کا راستہ روک لیا۔

"کیا ہے۔" عورت جھنجھلا کر بولی۔ "میں آپ کو نہیں جانتی۔"

"ٹھیک ہے۔" نوجوان مسکرایا۔ "میں تمہارا کوئی گاہک نہیں، سی آئی ڈی کا ایک آفیسر ہوں۔"

"کیا.... مم.... مطلب۔" عورت گھبرا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"میرے ساتھ آؤ۔" فریدی نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

عورت چپ چاپ اُس کے پیچھے چلنے لگی۔

"بیٹھو۔" فریدی نے کیڈی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ عورت نے تعمیل کی۔ فریدی بھ
اس کے برابر بیٹھ گیا اور کیڈی چل پڑی۔

"میں تمہارے کاروبار کے متعلق پوچھ گچھ نہ کروں گا۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

عورت کچھ نہ بولی۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار بدستور طاری رہے۔

"تم سنگ ہی کو کب سے جانتی ہو۔"

"دو سال سے۔"

"اس وقت اس سے کیا گفتگو ہوئی ہے۔"

"کچھ بھی نہیں! ادھر اُدھر کی۔"

"خیر نہ بتاؤ.... لیکن اگر آج کل میں کوئی غیر ملکی قتل کر دیا گیا تو میں تم سے ضرور جوا
طلب کروں گا۔"

"جی....!" عورت کا منہ حیرت سے کھل گیا اور آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"ہاں.... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

"ہولی فادر۔" عورت خوفزدہ آواز میں چیخی۔ "کیا وہ اُسے مار ڈالے گا۔"

"یہ حرکت بھی اس کے لئے کچھ دشوار نہ ہو گی۔"

"میں نے دیدہ دانستہ اُسے کچھ نہیں بتایا۔" عورت جلدی سے بولی۔ "میں سمجھی تھی شا
صرف اپنی بھتیجی کا مطالبہ کرے گا۔"

"بھتیجی کا مطالبہ....!" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں.... اس نے کہا تھا کہ وہ اس کی بھتیجی کو فارموسا سے بھگا لایا ہے۔"

"خوب! لیکن وہ ہے کون۔"

"ایک امریکن.... پستہ قد اور بھاری بھرکم.... داہنے گال پر نیلگوں دھبہ ہے۔"

"کیا تم نے اس کا پتہ بتا دیا۔"

"جی ہاں.... میں یہ نہیں جانتی تھی کہ....!"

"وہ ہے کہاں؟"

"نیاگرا ہوٹل میں۔"

"اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔"

"نہیں میرا خیال ہے کہ وہ بالکل تنہا ہے۔ میں نے کوئی چینی لڑکی اس کے ساتھ نہیں دیکھی۔"

"کوئی مرد۔"

"نہیں میں نے اُسے ہمیشہ تنہا دیکھا ہے۔"

"اچھا.... اس ملاقات کا تذکرہ سنگ ہی سے نہ کرنا ورنہ نتیجے کی تم خود ذمہ دار ہو گی۔ میرا ایک آدمی ہر وقت تمہاری نگرانی کرے گا۔"

فریدی نے کیڈی روک دی اور وہ اُتر گئی۔



نیاگرہ ہوٹل کی عمارت شہر سے باہر ایک پُر فضا مقام پر واقع تھی۔ یہ بہت ہی اونچے قسم کا ہوٹل تھا اور یہاں کم از کم متوسط طبقہ کے لوگوں کی رسائی قریب قریب ناممکن تھی۔ سنگ ہی کی ٹیکسی بڑی تیز رفتاری سے نیاگرا ہوٹل کی طرف جا رہی تھی۔ عورت سے گفتگو کرنے کے بعد وہ سیدھا لوتھر کی کوٹھی گیا تھا اور وہاں اپنے انتظامات مکمل کر کے پھر شہر کی طرف واپس آ گیا تھا۔ یہاں اس نے نیاگرا ہوٹل کے لئے ٹیکسی لی۔

رات کے آٹھ بج چکے تھے اور نیاگرا ہوٹل کا ڈائننگ ہال بھرا ہوا تھا۔ شاید ہی کوئی میز خالی رہی ہو۔ جیسے ہی سنگ ہی ڈائننگ ہال میں داخل ہوا ہیڈ ویٹر نے آگے بڑھ کر مودبانہ کہا۔

"جناب والا کے لئے لان پر انتظام کیا جا سکتا ہے۔"

"اوہ شکریہ.... ہیڈ.... مجھے صرف ایک صاحب کی تلاش ہے۔ میں ان کا نام بھول گیا.... وہ یہیں مقیم ہیں۔"

"نام بھول گئے.... تب تو مشکل ہے اور کوئی خدمت۔"

"لیکن میں حلیہ بتا سکتا ہوں۔ آج ہی ملاقات ہوئی تھی۔ امریکن ہیں۔ پستہ قد بھاری جسم داہنے گال پر نیلگوں دھبہ۔"

ہیڈ ویٹر بے اختیار مسکرا پڑا اور اس کی مسکراہٹ نے سنگ ہی کو الجھن میں ڈال دیا۔ وہ اس مسکراہٹ کا مطلب قطعی نہ سمجھ سکا۔ مگر اُس مسکراہٹ میں کوئی غیر معمولی بات ضرور تھی۔

"آپ شائد مسٹر ہارڈی کو پوچھ رہے ہیں۔" بالآخر ہیڈ ویٹر نے کہا۔

"ہارڈی! ہارڈی۔" سنگ ہی سر ہلا کر بولا۔ "بے شک وہی! اب نام یاد آ گیا۔"

"وہ تیسری منزل پر کمرہ نمبر چوراسی میں ہیں۔"

"شکریہ ہیڈ۔" سنگ ہی نے دس کا ایک نوٹ جیب سے نکال کر اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں جناب.... اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے کوئی بڑی خدمت انجام نہیں دی شکریہ۔" ہیڈ ویٹر دوسری طرف مڑ گیا۔

سنگ ہی نے ایک طویل سانس لے کر نوٹ کو پھر جیب میں ڈال لیا۔

لفٹ تیسری منزل کی راہداری میں رک گئی اور سنگ ہی باہر نکل کر چوراسی نمبر کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کا داہنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا اور بائیں ہاتھ سے اس نے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ۔" اندر سے آواز آئی۔

سنگ ہی دروازے کو دھکا دے کر اندر گھسا لیکن اس کے قدم لڑکھڑا گئے اور داہنا ہاتھ جیب سے نکل کر نیچے کی طرف جھول گیا۔

سامنے فریدی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"سنگ....!" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ وہ میرے پہنچنے سے قبل ہی یہاں سے چلا گیا۔"

"کون! میں نہیں سمجھا۔"

فریدی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "کیا تمہیں ہیڈ ویٹر نے نہیں بھیجا۔ میں نے ہی اُسے ہدایت کی تھی کہ اگر کوئی ہارڈی کو پوچھتا ہوا آئے تو اسے اس کمرہ میں بھیج دینا۔"

"میں کسی ہارڈی کو نہیں جانتا۔ مجھ سے تو یہ کہا گیا تھا کہ وہ کمرہ خالی ہے۔"

"خوب مگر تمہارا سامان کہاں ہے۔"

"فقیروں کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔" سنگ ہی نے درویشانہ انداز میں مسکرا کر کہا۔

"خیر چھوڑو سنگ۔" فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ.... ہم دوستانہ فضا میں تھوڑی سی گفتگو کریں گے۔"

"میں ہر طرح حاضر ہوں۔" سنگ ہی نے بڑے اطمینان سے ایک آرام کرسی میں دراز ہو کر کہا۔

"مجھے اُس لاش کے متعلق بتاؤ جو تمہیں انڈس کی زیارت گاہ میں ملی تھی۔"

"آہ کرنل! اگر اُس کے سڑنے کا احتمال نہ ہوتا تو میں ساری زندگی اُسے گلے لگائے رہتا۔ میں نے اُسے بھینچ بھینچ کر پیار کیا تھا۔ وہ لاش تو معلوم ہی نہ ہوتی تھی۔ بس ایسا لگتا تھا جیسے ابھی ابھی سوئی ہے۔ پانچ سو سال بہت ہوتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے۔ اس نے بغیر آستینوں والا سیاہ اُون کا لباس پہن رکھا تھا اور پیروں میں ہرن کی کھال کے سینڈل تھے اور چاندی کے زیورات۔ ہائے وہ مجھے بہت یاد آتی ہے۔ میں نے آج تک ایسی معصومیت اور سپردگی کا انداز کسی زندہ لڑکی میں بھی نہیں دیکھا۔ کرنل مجھے وہ مرتے دم تک یاد رہے گی۔ کاش ہم اُسے برف سے نہ نکالتے اور کم از کم میں زندگی بھر وہیں بیٹھا اُسے دیکھتا رہتا۔"

"مگر سنگ ہی! مجھے داستان کے اس ٹکڑے سے بالکل دلچسپی نہیں۔"

ایک اور سازش

"ہائے کرنل! داستان کا یہی ٹکڑا تو میری زندگی کا حاصل ہے۔" سنگ ہی نے آہ بھر کر کہا۔

"یہ بالکل بکواس ہے۔" فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔ "مثال کے طور پر اگر میں تم سے ہارڈی

یا جو کچھ بھی اس کا نام ہو اس کے متعلق دریافت کرنا شروع کر دوں تو تم بہت دیر بعد بتاؤ گے کہ وہ تمہاری کسی بھتیجی کو فار موسا سے بھگا لایا ہے۔ حالانکہ یہ سو فیصد جھوٹ ہو گا۔"

سنگ ہی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ لیکن پھر اس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پا لیا۔

"میں کسی ہارڈی کو نہیں جانتا۔"

"زیادہ اڑنے کی کوشش نہ کرو۔"

"آپ کو یقین ہی نہیں آتا۔"

"مجھے تو اس پر بھی یقین نہیں کہ وہ لاش اتفاقاً دریافت ہوئی تھی۔"

"تب تو آپ کسی دن میرے وجود سے بھی انکار کر دیں گے۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔

"بے شک جس دن میرے ریوالور کا رخ تمہاری طرف پھر گیا۔"

"ارے! میرے لئے ریوالور۔ غریب سنگ ہی تو چٹکی سے مسلا جا سکتا ہے۔"

"خیر.....!" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "ایک دن تم سب کچھ اگل دینے پر مجبور ہو گے۔"

"میں آپ کے سامنے ہر وقت مجبور ہوں اور اب اپنی زندگی سے ایسا تنگ آ گیا ہوں کہ کسی دن خودکشی کر لوں گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسرا اس پر یقین کر لے۔"

"یقین مانئے کرنل! میں بڑا ستم رسیدہ آدمی ہوں۔ ایک ایسا آدمی جسے ناکردہ گناہی پر جلاوطن کر دیا گیا۔ بیچارہ سنگ ہی جو ایک بھکشو تھا اور گاؤں گاؤں گھوم کر مہاتما بدھ کی تعلیمات کا پرچار کیا کرتا تھا۔"

"بہت خوب۔" فریدی مسکرایا۔

"بدنام اتنا ہوں کہ اپنی موجودہ ملازمت بھی نہیں ترک کر سکتا۔ مجھے کون رکھنا پسند کرے گا۔ لوتھر بڑا ظالم آدمی ہے۔ دن بھر میں دس پانچ ہنٹر جھاڑ دینا تو کوئی بات ہی نہیں، جو کچھ بھی کہتا ہے مجھے کرنا پڑتا ہے۔ نہ جانے کس بات پر چند پُر اسرار غیر ملکیوں سے دشمنی مول لے بیٹھا اور اب میری جان ہر وقت سولی پر لٹکتی رہتی ہے۔ انہوں نے اس کے تین آدمیوں کا صفایا بھی کر دیا ہے۔"

"لیکن دشمنی کی وجہ۔"

"غریب سنگ ہی کیا بتا سکتا ہے۔ وہ تو بس حکم کا غلام ہے۔ تاش کا ایک معمولی پتہ جسے لوتھر ایک دن کسی بڑی بازی میں جھونک کر ہمیشہ کے لئے ختم کر دے گا۔"

"اچھا سنگ! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تم اب جا سکتے ہو۔" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

سنگ ہی کرسی سے اٹھ کر احتراماً جھکا اور اس طرح الٹے قدموں سے چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا کہ اس کی پشت فریدی کی طرف نہ ہو۔ فریدی اس کی اس حرکت کا استہزائیہ انداز بُری طرح محسوس کرنے کے باوجود بھی خاموش رہا۔



"جی ہاں" میکی یا حمید لوتھر سے فخریہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ "میرے دادا نے ایک بار ہوائی بندوق سے شیر کا شکار کیا تھا۔"

لوتھر ہنسنے لگا اور سارہ نے بھی قہقہہ لگایا۔ سنگ ہی اس وقت موجود نہیں تھا اس لئے دونوں دل کھول کر قہقہے لگا رہے تھے اور حمید نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی کہ لوتھر سنگ ہی کی موجودگی میں کچھ بدحواس سا رہتا ہے اس کا ذہن کہیں اور ہوتا ہے اور جسم کہیں اور۔ بالکل خالی الذہنی کا سا انداز۔

"شاید آپ غلط سمجھے ہیں۔" حمید نے لوتھر سے کہا۔ "بظاہر یہ بات انہونی ہے مگر ناممکن بھی نہیں۔ اب یونہی سمجھ لیجئے کہ اگر پریس اور وائرلیس کے وسائل نہ ہوتے تو آپ کے جنوبی امریکہ والے کارنامے پر کسے یقین آتا۔ میرے خدا پانچ سو سال پرانی لاش اور بہتر حالت! یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"برف میں ہزاروں سال تک لاشیں محفوظ رہ سکتی ہیں۔" لوتھر نے کہا۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے یقین نہیں ہے۔ ساری دنیا کا پریس تو جھوٹ بولنے سے رہا اور پھر میری نظروں میں ایک دوسرا پُر اسرار واقعہ ہے، جو غالباً اسی سلسلے کی کوئی کڑی ہو۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" لوتھر کے کان کھڑے ہو گئے۔

"آپ کے تین کوہ پیماؤں کی پُر اسرار موتیں..... نیلی لکیریں۔" حمید نے کہا اور سارہ کو وہاں سے کھسک جانے کا اشارہ کر کے پھر لوتھر کی طرف دیکھنے لگا۔

"حالات پُر اسرار ضرور ہیں۔" لوتھر نے کہا۔ "لیکن میں نہیں جانتا ہوں کہ نیلی لکیر والا

حربہ جنوبی امریکہ ہی کی چیز ہے! وہاں کے بعض غیر مہذب اور قدیم باشندے اب بھی اس کا استعمال کرتے ہیں۔"

"میکی کیا تم بھی بور کرو گے۔" سارہ جھنجھلا کر بولی۔ "میں تنگ آگئی ہوں ان تذکروں سے۔"

"مجھے تو ایسے معاملات سے بڑی دلچسپی ہے۔" حمید نے کہا۔

"تو جہنم میں جاؤ۔" سارہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور بظاہر غصے میں بھری ہوئی باہر نکل گئی۔

حمید ہنسنے لگا۔ لوتھر بھی جواباً مسکرایا۔ لیکن محض ہونٹوں کے پھیلاؤ کو تو مسکراہٹ کہہ نہیں سکتے۔ لوتھر کچھ سراسیمہ سا نظر آنے لگا تھا۔

"تم کیسے جانتے ہو۔" اُس نے حمید کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ مجھے زہروں اور اُن کے استعمال کے طریقوں سے بڑی دلچسپی ہے۔ اس سلسلے میں میں نے لاتعداد کتابیں پڑھی ہیں۔ میں نے ان لکیروں کے متعلق بھی کہیں پڑھا تھا۔ دیکھئے مجھے اُس قبیلے کا نام نہیں یاد آرہا ہے جس کے افراد اب بھی اس طریقے کو استعمال میں لاتے ہیں۔ شائد بوریاں.... نہیں بورسین.... کچھ اسی قسم کا نام ہے اس قبیلے کا.... اوہ ٹھیک یاد آگیا.... گورگین قبیلہ۔"

"تمہاری معلومات بہت وسیع معلوم ہوتی ہیں۔" لوتھر نے کہا۔

"بس پڑھنے کا شوق ہے مجھے۔"

لوتھر کچھ نہ بولا۔ وہ خلاء میں گھور رہا تھا اور اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہاں کے قدیم باشندے آپ کے اس فعل پر ناراض ہو گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"کیا....!" لوتھر چونک پڑا۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"کچھ نہیں۔" حمید نے کہا۔ "میرے ذہن میں سیکس روہمر کا ایک ناول تھا۔ آپ نے فومانچو کی خالا تو پڑھا ہی ہوگا۔"

"نہیں میں نے نہیں پڑھا۔"

"اچھا ہی ہوا نہیں پڑھا ورنہ آپ بہت بور ہوتے۔ اس سے بڑا بور مصنف آج تک میری

نظروں سے گذرا ہی نہیں۔ اگر آپ کو مزید بور ہونے کی خواہش ہو تو اس کا ناول مقدس جوتا ضرور پڑھئے۔ مجھے تو ناول نویس کی بجائے کسی مویشی خانے کا منشی معلوم ہوتا ہے۔"

لوتھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک انہوں نے ایک تیز قسم کی چیخ سنی اور یہ چیخ سارہ کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

دونوں بوکھلا کر اٹھے۔ چند نوکر پائیں باغ کی طرف بھاگ رہے تھے۔

"جناب اُدھر۔" ایک نوکر بے تحاشہ چیختا ہوا بائیں بازو کے ویران کمروں کی طرف بھاگ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں کافی افراتفری مچ گئی۔

لیکن سارہ کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

"میں نے دیکھا تھا۔" ایک نوکر ہانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "وہ تین تھے۔ یہاں اندھیرا تھا.... مس صاب.... برآمدے میں تھیں۔"

"ارے تو وہ کہاں گئی۔" لوتھر اُسے جھنجھوڑ کر بولا۔

"وہ لے گئے۔"

"اوہ کم بخت اور تم منہ دیکھتے رہے۔"

"میں کچھ سمجھا ہی نہیں صاحب۔"

وہ نوکر جو بائیں بازو کی طرف دوڑا تھا واپس آیا۔

"غائب! سب غائب۔ وہاں کوئی بھی نہیں۔" نوکر نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"کیا بک رہا ہے۔" لوتھر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"صاحب وہ ادھر ہی گئے تھے۔"

حمید وغیرہ بائیں بازو والے کمروں کی طرف دوڑے۔ مگر وہاں بھی سناٹا تھا۔

حمید نے قد آدم جھاڑیوں کا گوشہ گوشہ دیکھ ڈالا۔ مگر سارہ کہیں نہ ملی اور نہ یہی معلوم ہوا تھا کہ ادھر کوئی آیا ہے۔

آخر حمید کو چہار دیوار کا ٹوٹا ہوا حصہ دکھائی دیا، جو قد آدم جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ وہ اس میں سے ہو کر باہر نکلا۔ لوتھر بھی اس کے ساتھ تھا۔

ادھر ایک ناہموار سا میدان تھا۔ یہاں ایک جگہ کیچڑ میں کسی کار کے پہیوں کے تازہ نشانات

نے ان پر حقیقت واضح کر دی۔

لوتھر بے تحاشا اپنا سر پیٹ پیٹ کر سنگ ہی کو گالیاں دے رہا تھا۔

"اس کا اس میں کیا قصور ہے۔" حمید نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ بیچارا تو موجود بھی نہیں تھا۔"

"ارے وہ۔" لوتھر ہوا میں مکا لہرا کر بولا۔ "میں اس حرامزادے کی ہڈیاں چباؤں گا۔"

"بہتر یہ ہے کہ آپ پولیس کو فون کیجئے۔" حمید نے رائے دی۔



لوتھر کوٹھی میں واپس چلا گیا تھا۔ اُسے چکر پر چکر آ رہے تھے۔ وہیں کئی بار گرتے گرتے بچا تھا۔ اس لئے حمید نے اسے کوٹھی میں بھیج دیا تھا اور کار کے پہیوں کے نشانات کو دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ جہاں کیچڑ نہیں تھا وہاں کچلی ہوئی گھاس رہنمائی کر رہی تھی لیکن اس قسم کے نشانات صرف وہیں تک ملے جہاں تک کار سڑک پر نہیں چڑھی۔ پھر اُس کے بعد محض کار کا رخ ہی معلوم ہو سکا۔ حمید کافی دیر تک سڑک پر کھڑا ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر وہ بھی کوٹھی میں واپس آ گیا۔ یہاں لوتھر کی عجیب حالت تھی۔ کبھی وہ غصہ میں دہاڑتا تھا اور کبھی بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا تھا۔

"کیا پولیس کو اطلاع دی گئی۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....!" لوتھر گھٹی ہوئی آواز میں بولا۔

"تو میں فون کرنے جا رہا ہوں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" لوتھر جلدی سے بولا۔

"کیا....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "آپ پولیس کو اطلاع نہیں دیں گے۔"

لوتھر کچھ نہ بولا۔ اب وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔ حمید نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

"نہیں۔" لوتھر جھنجھلا کر بولا۔ "اپنے معاملات خود طے کر سکتا ہوں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" حمید نے کہا۔ "اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ آپ ان لوگوں سے واقف ہیں جنہوں نے یہ حرکت کی ہے۔"

"تم خاموشی سے اپنا کام کرو۔ تمہیں ان معاملات سے سروکار نہ ہونا چاہئے۔" لوتھر نے تلخ لہجے میں کہا۔

"میں ہرگز خاموش نہیں رہ سکتا۔ سارہ میری دوست ہے۔"

"میری بیٹی ہے۔" لوتھر گرج کر بولا۔

"اس کے باوجود بھی آپ....!"

"خاموش رہو۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

اتنے میں سنگ ہی بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"یہ نوکر کیا کہہ رہے ہیں۔" اس نے آتے ہی لوتھر سے سوال کیا۔

"تم....!" لوتھر غرا کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے سنگ ہی کو غضب آلود نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں حمید کو کمرے میں تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔



"کم بخت! حرامزادے۔" لوتھر نے دوسرے کمرے میں پہنچتے ہی سنگ ہی کی گردن دبوچ لی۔

سنگ ہی اس کی گرفت سے نکل کر دور جا کھڑا ہوا اور جیب سے ریوالور نکال کر اُس کا رخ لوتھر کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے حرامزادہ بلاشبہ کہہ سکتے ہو لیکن میں کم بخت کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ کم بخت ہوتا تو میرے دشمن خوفزدہ چوہوں کی طرح دم نہ دباتے پھرتے۔"

"سارہ کہاں ہے۔" لوتھر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"اوہ.... تو تم یہ سمجھ رہے ہو۔" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"لیکن اس وقت سچ بول رہا ہوں۔ لوتھر بچے نہ بنو۔ اس میں انہیں سفید سوروں کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ وہی اُسے لے گئے ہیں اور شائد اب تمہیں اس طرح دھمکائیں گے، جہاں تک سارہ کی زندگی کا سوال ہے، وہ محفوظ رہے گی۔"

لوتھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"بہتر یہی ہو گا کہ اس مسئلے میں فی الحال اپنی زبان بند رکھو۔" سنگ ہی نے کہا۔

"نوکروں کو سمجھانے کی کوشش کرو کہ سارہ نے مذاق کیا ہے۔"

"مگر وہ سور کا بچہ میکی۔" لوتھر اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "وہ کہتا ہے کہ حالات پُر اسرار ہیں اور یہ بھی کہتا ہے کہ پولیس کو ضرور اطلاع دی جائے۔"

سنگ ہی نے ایک طویل سانس لے کر ریوالور جیب میں ڈال لیا اور لوتھر کو بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا خود بھی بیٹھ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

"تب تو معاملہ بہت آسان ہو گیا ہے۔" اُس نے کہا۔ "میں آج رات کو اس کا صفایا کر دوں۔"

"کیا.... نہیں نہیں۔" لوتھر کانپ گیا۔

"بکواس ہے۔" سنگ ہی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر اُسے زندہ رکھا گیا تو ہمیں ایک نئی الجھن میں مبتلا ہونا پڑے گا۔"

"تم بہت بڑھنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"پتہ نہیں تم اُسے اتنی اہمیت کیوں دیتے ہو۔" سنگ ہی نے کہا۔ "میرے لئے قتل کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے میں نے کوئی وزنی بنڈل ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیا اور اس کے بعد میں اس طرح تفریح میں مشغول ہو جاتا ہوں جیسے دن بھر کی تھکن دور کر رہا ہوں اور دوسرے دن مجھے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ کل میں نے کسی کو قتل کیا تھا۔"

"نہیں سنگ نہیں۔ میں یہ اپنے گھر میں نہیں ہونے دوں گا۔"

"حالانکہ اُس دن انہیں لوگوں کا ایک ساتھی یہیں اسی گھر میں مارا گیا تھا۔"

"مجھے اس کے متعلق بھی بعد کو معلوم ہوا تھا۔"

"کیا تم نے بہت دیر سے شراب نہیں پی۔" سنگ ہی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

پھر اُس نے اٹھ کر الماری سے شیمپئن کی بوتل اور دو گلاس نکالے۔ انہیں میز پر رکھتا ہوا بولا۔

"جب تم پر نامردی کا حملہ ہو تو ایک بڑا پگ ضرور لے لیا کرو۔"

لوتھر کچھ نہ بولا۔ اس نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

"اُس سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔" سنگ ہی نے پوچھا۔

لوتھر نے مختصر الفاظ میں سب کچھ دہرا لیا۔ اُس گفتگو کا بھی تذکرہ کیا جو پانچ سو سال پرانی لاش کے متعلق ہوئی تھی۔

"ہوں اچھا....!" سنگ ہی نے اپنے لئے دوسرے گلاس میں سائیفن سے سوڈا ملاتے ہوئے کہا۔ "میری اسکیم یہ ہے کہ آج رات کو میں اُس کا خاتمہ کر دوں اور تم صبح رپورٹ لکھا دو کہ وہ اور تمہاری لڑکی کہیں فرار ہو گئے ہیں اور دس ہزار روپیہ بھی غائب ہے۔"

"کیا بکواس ہے.... میں اپنی لڑکی کے لئے یہ لکھاؤں گا۔"

"کیا ہرج ہے۔ اصل معاملے کی پردہ پوشی بھی ہو جائے گی اور نوکروں کو میں ٹھیک کر لوں گا۔"

"نہیں.... میں یہ نہ کر سکوں گا۔"

"لیکن اُس لونڈے کو تو راستے سے ہٹانا ہی پڑے گا۔"

"میرے گھر میں نہیں۔"

"کیا آج تک ایسا بھی ہوا ہے کہ سنگ ہی کا سوچا ہوا پورا نہ ہو۔" سنگ ہی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

قفل میں موت

فریدی نے کیڈی سڑک کے کنارے کھڑی کر دی۔ رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ اُس نے ادھر اُدھر نظر ڈالی۔ خال خال دو کانیں کھلی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی کے ذہن میں ایک سے زیادہ مسائل ہوں۔

وہ ایک دوا فروش کی دوکان میں گھسا۔ فون کا ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو....!" اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "کون.... آر.... ہاں.... میں بول رہا ہوں۔ اے۔ کے۔ ایف.... کیا خبر ہے۔"

"نگرانی ہو رہی ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "لیکن ایک نیا واقعہ کچھ نامعلوم آدمی.... اس عمارت سے ایک لڑکی کو زبردستی اٹھا لے گئے۔ سارجنٹ ونود نے اُن کا تعاقب کیا۔ وہ لوگ اس لڑکی کو ریکس اسٹریٹ کے برکلے ہاؤز میں لے گئے ہیں۔ ونود وہیں موجود ہے۔"

"بہت اچھے! تم لوگ بہترین کام کر رہے ہو۔ میں بہت خوش ہوں۔ ونود کو وہیں رہنا

چاہئے۔"

فریدی نے ریسیور رکھ کر کال کے پیسے ادا کئے اور باہر نکل آیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب حمید کو لوتھر کی کوٹھی سے بلا لینا چاہئے۔ لیکن لڑکی اٹھانے والے کون ہو سکتے ہیں؟ کیا سنگ ہی کی کوئی سازش؟ پھر اچانک اُسے ان غیر ملکیوں کا خیال آ گیا۔ کہیں یہ ان کی حرکت تو نہیں؟ اگر ایسا ہے تب تو ان کی قیام گاہ کا پتہ چل گیا۔ بر کلے باؤز.... اس نے کیڈی اسٹارٹ کی اور اسے ریکسن اسٹریٹ کے راستے پر ڈال دیا۔



حمید کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ فریدی نے اُس کے یہاں آنے کے بعد سے کوٹھی کی نگرانی شروع کرا دی ہے۔

حمید کو لوتھر کے رویے نے الجھن میں ڈال دیا تھا، جیسے ہی وہ سنگ ہی کو ساتھ لے کر کمرے سے نکلا۔ حمید کی الجھن اور بڑھ گئی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ دونوں سر جوڑ کر اسی کے متعلق کوئی مشورہ کریں گے۔

حمید ایک طرح سے اُن کے ایک راز میں شریک ہو گیا تھا۔ جسے وہ کسی قیمت پر بھی برداشت نہ کر سکتے اور اسے اس کا علم بھی تھا کہ سنگ ہی کتنا خطرناک آدمی ہے۔ اُسے ایک رات اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس نے کتنی صفائی اور کتنے اطمینان سے سر راہ ایک آدمی کو قتل کر کے اس کی لاش غائب کر دی تھی۔

بہر حال حمید اب خود کو خطرے میں محسوس کر رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اس کی یہ رات کم از کم لوتھر کی چھت کے نیچے بخیر و عافیت گذرنی محال ہے۔ اس لئے اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ ساری رات جاگتا رہے گا۔

وہ اُسی کمرے میں بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد سنگ ہی اور لوتھر بلند آواز میں گفتگو کرتے ہوئے پھر اُسی کمرے میں واپس آئے۔

"اوہ! تم سوئے نہیں ابھی تک۔" لوتھر نے حمید سے کہا۔

"واقعی! آپ پُر اسرار باپ ہیں۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "لیکن میں سارہ کو کوئی جنگلی مرغی نہیں سمجھتا کہ اُسے اس طرح شکار ہو جانے دوں۔"

"کوئی سمجھدار آدمی اسے برداشت نہیں کر سکتا۔" سنگ ہی بولا۔ "میکی صاحب! آپ ہی انہیں سمجھائیے کہ پولیس کو اس کی اطلاع دینی ضروری ہے۔"

"میں پہلے ہی سمجھا چکا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"میرا فیصلہ اٹل ہے۔" لوتھر بولا۔ "میرے چند اصول ہیں انہیں پر کاربند ہوں۔"

"لیکن میں اسے بے اصولا پن سمجھتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "آخر آپ پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دینا چاہتے۔"

"ضروری نہیں کہ اپنے نجی معاملات دوسروں کے سامنے لاؤں۔ تم جا کر آرام کرو۔"

"مسٹر لوتھر مجھے افسوس ہے۔" سنگ ہی مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "آپ کو سمجھانا مشکل کام ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" لوتھر نے اُسے ڈانٹا اور وہ سہم کر چپ ہو گیا۔

حمید کو سنگ ہی کی ایکٹنگ تو حقیقت معلوم ہوئی لیکن لوتھر کے ڈانٹنے کے انداز کی بناوٹ نہ چھپ سکی۔

"میرا اول تو چاہتا ہے کہ میں اسی وقت یہاں سے چلا جاؤں۔" حمید نے کہا اور رک کر کنکھیوں سے سنگ ہی کے چہرے پر نظر ڈالی جس پر کسی قسم کے جذباتی تغیر کے آثار نہیں تھے۔

پھر اس نے جملہ پورا کر دیا۔ "لیکن جب تک سارہ واپس نہ آ جائے مجھے یہیں رہنا پڑے گا۔"

"رہنے کو میں منع نہیں کرتا.... تم میرے مہمان ہو.... لیکن....!"

"ٹھہریئے۔" سنگ ہی نے لوتھر کی بات کاٹ دی۔ "میرا خیال ہے کہ میکی صاحب چلے ہی جائیں تو بہتر ہے۔"

"کیوں....!" حمید نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"کچھ بدمعاش ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔" سنگ ہی نے کہا۔

"میں کہتا ہوں پولیس....!"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" سنگ ہی نے حمید کی بات کاٹ کر کہا۔ "لیکن ذرا سوچئے تو اس میں کتنی بدنامی ہے۔ یہ بات اب میری سمجھ میں آئی ہے کہ کیپٹن لوتھر کا بڑا نام ہے اس کی لڑکی کو لوگ اس کی آنکھوں کے سامنے اٹھا لے جائیں.... ارے توبہ.... توبہ۔"

سنگ ہی اپنا منہ پیٹنے لگا۔

"چپ رہو! حرامزادے۔" لوتھر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"حرامزادہ بالکل ٹھیک کہتا ہے۔" سنگ ہی نے بُرا مانے بغیر معمولی لہجے میں کہا۔ "مسٹر نیکی! تم خود سوچو! معاملہ پولیس کے سامنے ہو۔ اخبارات میں موٹی موٹی سرخیاں جمائی گئیں۔ کیا اس سے کیپٹن لوتھر کی ساری شہرت خاک میں نہ مل جائے گی۔"

حمید سنگ ہی کی چالاکی پر عش عش کرنے لگا۔ یہی بہانہ لوتھر بھی کر سکتا تھا۔ لیکن اُسے وقت پر نہیں سوجھی۔

"لیکن وہ لوگ کون ہیں۔" حمید نے کہا۔

"یہ ایک لمبا قصہ ہے۔" سنگ ہی بولا۔ "چند پُر اسرار آدمی جو کافی عرصہ سے بھاری رقم کا مطالبہ کر رہے تھے اور انہوں نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر پولیس کو اس کی اطلاع دی گئی تو وہ یا تو کیپٹن کا خون کر دیں گے یا کوئی ایسا نقصان پہنچائیں گے جس کا ازالہ ہی نہ ہو سکے گا۔"

"تو وہی لوگ سارہ کو لے گئے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا ہے۔"

حمید نے لوتھر کی طرف دیکھا، جو سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے موضوع گفتگو سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ جیسے وہ کچھ اور سوچ رہا ہو۔ سنگ ہی کی بکواس اس کے کانوں تک پہنچی ہی نہ ہو۔



فریدی کی کیڈی ریکس اسٹریٹ میں رک گئی۔ یہاں بالکل سناٹا تھا لیکن اندھیرا نہیں تھا۔ چونکہ یہاں متمول لوگ رہتے تھے اس لئے روشنی کا دارومدار آسمانی قندیلوں پر نہیں تھا۔

اس نے تین بار کیڈی کی ہیڈ لائیٹس کو جلایا اور بجھایا۔ شائد یہ کسی قسم کا اشارہ تھا کیونکہ اس کے بعد ہی ایک آدمی کیڈی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

"ونود....!" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"جی ہاں! میں ہی ہوں۔"

"کیا خبر ہے؟"

"برکلے ہاؤز.... اُس کے بعد سے میں یہیں ہوں۔ نہ کوئی اندر گیا اور نہ کوئی باہر آیا۔"

"تم نے اُن آدمیوں کو دیکھا۔"

"جی ہاں! وہ تین تھے۔"

"کیا ان میں پست قد موٹا بھی تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ ایک آدمی ایسا بھی تھا۔"

"ٹھیک۔" فریدی اپنی ٹھوڑی کھجاتا ہوا بولا۔ "یہ لوگ وہی معلوم ہوتے ہیں جن کی ہمیں تلاش ہے۔ اچھا تم یہیں ٹھہرو۔ کیڈی کا بھی خیال رکھنا۔"

فریدی کیڈی سے اتر آیا۔

پھر وہ تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد ایک عمارت کے سامنے رک گیا۔ یہی برکلے ہاؤز تھا۔ اس کی بعض کھڑکیوں میں گہری نیلی روشنی نظر آ رہی تھی۔

اچانک برآمدے کا ایک دروازہ کھلا اور فریدی اندھیرے میں سرک گیا۔ کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی، جو لحظہ بہ لحظہ دور ہوتی گئی۔

تھوڑی دیر بعد کمپاؤنڈ سے ایک کار نکلی اور سڑک پر رک گئی۔ فریدی کمپاؤنڈ کی دیوار سے چپکا رہا۔ ایک آدمی اگلی سیٹ پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کا چہرہ اندھیرے میں تھا۔

پھر کمپاؤنڈ کے اندر سے کئی قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور تین آدمی باہر آئے۔ اُن میں ایک بوڑھا تھا جسے دو آدمی پکڑ کر کار کی طرف لے جا رہے تھے۔ بوڑھے آدمی کے چہرے پر بھورے رنگ کی ڈاڑھی تھی اور وہ بھی کوئی سفید فام ہی معلوم ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس میں خود سے ایک قدم بھی چلنے کی سکت نہ ہو۔ پکڑ کر چلنے والوں میں سے ایک پست قد اور بھاری جسم والا آدمی تھا۔

فریدی نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

انہوں نے بیمار بوڑھے کو پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا اور خود بھی بیٹھ گئے۔ کار چل پڑی فریدی تقریباً دوڑتا ہوا اپنی کیڈی تک آیا۔ اس کے پیروں میں کریپ سول جوتے تھے۔ ورنہ قدموں کی آواز سناٹے میں دور دور تک پھیلتی۔

اگلی کار مڑنے نہیں پائی تھی کہ اُس نے کیڈی اسٹارٹ کر دی۔

زیادہ تر سڑکیں قریب قریب ویران ہو چکی تھیں۔ صرف بڑی سڑکوں پر خال خال ایک آدھ کار یا رات کو چلنے والے ٹرک نظر آجاتے تھے اور یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ اگلی کار بڑی سڑکوں پر مڑ رہی تھی ورنہ شائد تعاقب کامیاب نہ ہوتا۔



دو بج گئے تھے اور حمید ابھی تک جاگ رہا تھا۔ اُس نے کمرہ اندر سے مقفل کر کے پنکھا کھول دیا تھا۔ لیکن روشنی تو اُسے بہر حال گل کرنی ہی پڑی تھی۔ اُس کی جیب میں ٹارچ اور ریوالور موجود تھے اور وہ ہر طرح کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔

اچانک اُسے ایک عجیب طرح کی بو کا احساس ہوا اور ساتھ ہی ناک اور حلق میں جلن سی ہونے لگی۔ بے ساختہ اس نے ٹارچ روشنی کرلی۔ دروازے میں کنجی کے سوراخ سے سفید رنگ کے دھوئیں کی پتلی سی لکیر نکل کر خلاء میں بل کھا رہی تھی۔

حمید نے اچھل کر سوراخ پر انگلی رکھ دی۔ ٹارچ اُس نے بجھا دی تھی۔

بڑی دیر سے اسی قسم کے خطرات کے متعلق سوچتے رہنے کے باوجود بھی وہ بوکھلا گیا۔ اس نے دروازے کو اندر سے مقفل کر لیا تھا اور کنجی ہی کے سوراخ سے کوئی مہلک گیس کمرے میں داخل ہو رہی تھی اگر وہ ربر کی پتلی سی نلکی کے ذریعہ داخل کی جا رہی تھی تو سوراخ میں کنجی کا لگنا ناممکن اور پھر ہو سکتا ہے۔ دشمن دروازے ہی پر موجود ہو اور اپنی اسکیم کو ناکام ہوتا دیکھ کر کوئی دوسرا حربہ استعمال کر بیٹھے۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے، جتنی گیس اندر داخل ہو چکی تھی اُسی نے کمرے کی فضا مکدر کر دی تھی اور حمید کو سانس لینے میں کچھ دشواری محسوس ہو رہی تھی جیسے کسی پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو۔

اس نے جیب سے کنجی نکال کر سوراخ میں لگانی چاہی لیکن اس کا پہلا ہی خیال درست نکلا سوراخ میں کوئی چیز اڑی ہوئی تھی۔ کنجی نکال کر اُس نے پھر سوراخ پر انگلی رکھ دی۔

ایک بار پھر اس کا دم گھٹنے لگا۔ پتہ نہیں یہ گیس کا اثر تھا یا اس کی گھبراہٹ کا نتیجہ۔ ذرا ہی سی دیر میں اُسے وہ کمرہ کوئی مقبرہ معلوم ہونے لگا۔

پھر اسی گھبراہٹ کے دوران میں اُسے یاد آیا کہ ٹھیک دروازے کے اوپر ایک روشندان بھی

ہے۔ لیکن.... کیا وہ اس میں سے نکل سکتا تھا۔ ناممکن.... وہ ہرگز اتنا کشادہ نہیں تھا۔ دوسری طرف کی کھڑکی میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

حمید بدستور سوراخ پر انگلی رکھے سوچتا رہا۔ اس کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ دروازے پر تھا اور دوسرے سے اس نے ریوالور سنبھال رکھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ دشمن تھوڑی دیر بعد اپنی اس حرکت کا نتیجہ معلوم کرنے کے لئے ضرور آئے گا۔

حمید کا خیال درست نکلا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے راہداری میں ہلکی سی آواز سنی۔ غالباً کوئی دبے پاؤں اسی طرف آرہا تھا۔ قدموں کی آوازیں ٹھیک دروازے کے سامنے رک گئیں اور پھر وہی اکتا دینے والا سناٹا طاری ہو گیا۔

لیکن ذرا ہی دیر بعد دوسرے قسم کی آوازیں شروع ہو گئیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی دروازے کے تالے کے اسکریو نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

حمید نے سوراخ پر سے انگلی ہٹالی۔ وہ ٹارچ روشن کرنے کی ہمت تو نہ کر سکا لیکن اندازہ یہی لگایا کہ اب اُس سوراخ سے گیس نہیں خارج ہو رہی ہے۔

تالے کے اسکریو بہت احتیاط اور آہستگی کے ساتھ نکالے جا رہے تھے۔

تالا چونکہ اندر سے بند تھا اس لئے باہر سے دروازہ کھولنے کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں تھا کہ اسکریو نکال کر وہ تالا ہی دروازے سے الگ کر دیا جائے۔

ہر دوسرا لمحہ سنسنی خیز تھا۔

اچانک دونوں پٹ آہستگی سے کھلے حمید ایک طرف ہو گیا۔ کوئی آدمی اندر داخل ہوا اور اُس نے اطمینان سے سوئچ آن کیا۔ جیسے اُسے اپنی کامیابی کا پورا پورا یقین ہو۔

کمرے میں روشنی ہو گئی۔ آنے والا سنگ ہی تھا۔ وہ حمید کا پلنگ خالی دیکھ کر بے تحاشہ دروازے کی طرف مڑا۔

حمید کے ریوالور کی نال اس کے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ لیکن کیا یہ وہی سنگ ہی تھا... ہرگز نہیں اس وقت اس کا چہرہ انتہائی خوفناک نظر آرہا تھا اور وہ اس طرح حمید کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جیسے کوئی سانپ اپنے شکار کو اپنی آنکھوں سے مسحور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

پھر اچانک حمید نے اپنے جسم پر ایک دوسرے جسم کا بوجھ محسوس کیا۔ اُسے کچھ پتہ ہی نہ چل

سکا کہ کب سنگ ہی نے چھلانگ لگائی اور کب ریوالور اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ سنگ ہی جونک کی طرح اس سے لپٹ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ اور پیر حمید کے گرد اس طرح سے جکڑ گئے تھے کہ اُسے جنبش کرنا بھی محال ہو رہا تھا اور ہر لمحہ اس کی گرفت سخت سے سخت ہوتی جا رہی تھی۔

حمید زمین پر چت پڑا تھا اور سنگ ہی اس کے اوپر تھا۔ حمید نے اس کی پیٹھ پر گھونسے مارنے شروع کر دیئے۔ سنگ ہی نے اپنا بایاں ہاتھ اس کی پیٹھ کے نیچے سے نکال کر گردن پر رکھ دیا اور پھر حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اب کبھی زمین سے نہ اٹھ سکے گا۔ سنگ ہی اس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔

اچانک بدحواسی میں حمید کی دو انگلیاں سنگ ہی کی ناک کے دونوں نتھنوں میں جا گھسیں اور اس نے اپنے ہاتھ کو جھٹکے کے ساتھ اوپر اٹھا دیا۔

اُس کے ناخن سنگ ہی کی ناک کی اندرونی ہڈی سے ٹکرائے اور سنگ ہی کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ حمید نے اب اُس کی ناک پر ایک مکا رسید کر دیا۔ سنگ ہی کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی۔

دوسرے لمحے میں حمید اس کے نیچے سے نکل چکا تھا۔ سنگ ہی پھر جھپٹا۔ حمید ایک ہی جست میں دروازے کے باہر تھا۔ جیسے ہی حمید کمپاؤنڈ میں پہنچا سنگ ہی نے "چور.... چور" کا شور مچا دیا۔ پھاٹک بند تھا۔ حمید ایک بار پھر الجھن میں پڑ گیا۔ سنگ ہی برابر "چور.... چور" نعرہ لگائے جا رہا تھا۔ نوکر بھی جاگ پڑے اور کمپاؤنڈ کا پھاٹک باہر سے پیٹا جانے لگا۔

اور پھر حمید کی برداشت نے اس بوکھلاہٹ کے عالم میں بھی اس کا ساتھ دیا۔ اُسے کمپاؤنڈ کی دیوار کا وہ ٹوٹا ہوا حصہ یاد آیا جو بائیں بازو والے کمروں کے سامنے تھا۔ وہ قد آدم جھاڑیوں میں گھس چلا گیا.... کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھولا جا چکا تھا۔ پانچ چھ آدمی باہر سے کمپاؤنڈ میں گھسے۔ شائد یہ وہی سرکاری آدمی تھے، جو کوٹھی کی نگرانی کر رہے تھے۔

پُراسرار بوڑھا

دوسری صبح حمید اپنی گردن میں مالش کرا رہا تھا اور فریدی؟ وہ تو پچھلی ہی رات سے گھر سے غائب تھا۔ حمید کی گردن کی رگوں میں تناؤ تھا اور ذہن میں سنگ ہی کا منحوس چہرہ۔ وہ اندر ہی اندر کھول رہا تھا اور اس نے تہیہ کر لیا تھا۔ اگلی موقعہ ملنے پر بیدریغ آدھی چھٹانک پگھلا ہوا سیسہ سنگ

ہی کی کھوپڑی میں اتار دے گا۔

اس کی طبیعت اتنی بیزار ہو چکی تھی کہ نہ تو اُس نے پالتو چوہیا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور نہ بکرے ہی کی پرواہ کی.... دوسرے لفظوں میں وہ حد سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

بار بار یہ سوال اُس کے ذہن میں سر اٹھاتا تھا کہ آیا سنگ ہی کیپٹن حمید کی حیثیت میں بھی اُس کے ساتھ یہی برتاؤ کرتا۔

حمید سوچتا رہا اور اس کی گردن میں مالش ہوتی رہی۔ گردن میں مالش کرنے والا نوکر سمجھتا تھا کہ شائد گردن کی کوئی رگ چڑھ گئی ہے۔ لہٰذا مالش کر چکنے کے بعد اس نے ایک ہاتھ حمید کے سر پر رکھا اور دوسرا ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر جو جھٹکا دیا ہے تو حمید کی آنکھوں کے سامنے موٹے موٹے تارے ناچ گئے۔

"ابے یہ کیا کیا؟" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔

لیکن نوکر نے اس کی پرواہ کئے بغیر دوسری طرف بھی گردن جھٹک دی۔

"ارے خدا تجھے غارت کرے۔" حمید نے چیخ کر اُس کے سر پر دوہتھڑ رسید کیا اور نوکر بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"سرکار.... تو پھر کیسے کرتا۔" اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"مروڑ دیتا سالی کو۔" حمید گردن سہلاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"مانئے سرکار! ایسے ہی ٹھیک ہوتی ہے۔"

"چل بھاگ! سالے نے اور ستیاناس کر دیا۔"

"آپ تو....!"

"ابے بھاگ....!" حمید اُسے مارنے دوڑا اور اس نے بھاگ کر ہی جان بچائی۔

نوکر نکل گیا لیکن حمید کی ٹکر اپنے پالتو بکرے سے ہو گئی۔ بکرا نہ جانے کیا سمجھا۔ وہ یکلخت تین چار قدم پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو اُسے اپنے سینے پر بھی مالش کرانی پڑتی۔ حمید نے قریب پڑی ہوئی ایک لکڑی اٹھائی اور بکرے کو بے تحاشہ پیٹنا شروع کر دیا۔

بکرا پلٹ کر بھاگا۔ اچانک فریدی سامنے پڑ گیا اور وہ اُسے رگیدتا ہوا باہر نکل گیا۔

فریدی نے اسے تو نکل جانے دیا مگر جھلاہٹ میں حمید کی گردن دبوچ لی۔

"ارے مرا....!" حمید درد سے کراہا۔

"بھٹیار خانہ بنادیا گھر کو۔"

"گردن چھوڑیئے.... اس سالی کا ستارہ گردش میں آگیا ہے۔"

"لیکن تم یہاں کیسے۔" فریدی نے اس کی گردن چھوڑ کر کہا۔

"ہاں.... بیشک غلطی ہوئی۔" حمید جل کر بولا۔ "مجھے اس وقت قبر میں ہونا چاہئے تھا۔"

"لوتھر نے رپورٹ کیسی درج کرائی ہے.... کیا بات تھی۔"

"رپورٹ....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کیسی رپورٹ۔"

"یہی کہ اس کا ایک مہمان اس کے دس ہزار کے جواہرات اڑالے گیا۔"

حمید تھوڑی دیر تک سنگ ہی کی چالاکی پر عش عش کرتا رہا پھر اُس نے ساری داستان دہراتے ہوئے کہا۔ "چور چور کا نعرہ اس نے ضرور بلند کیا تھا مگر میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ وہ رپورٹ درج کرانے کی بھی جرأت کرے گا۔"

"بلا کا عیار ہے کمبخت۔" فریدی بڑبڑایا۔ "خیر... اب یہ کھیل جلد ہی ختم ہو جانے کی توقع ہے۔"

"کیوں! کیا کوئی نیا سراغ۔"

"ہاں....!"

"کیا....!"

"ہمیں ایک ایسے آدمی کی تلاش ہے، جو پلیگ کا مریض ہو۔"

"کیا مطلب....!" حمید نے حیرت سے کہا۔

لیکن فریدی نے سکوت اختیار کر لیا۔



"ارے حرامزادے تو نے تو میرا بیڑا غرق کر دیا۔" لوتھر نے اپنی ران پر ہاتھ مار کر سنگ ہی سے کہا۔ "جو آدھے گھنٹے میں اسکاچ کی آدھی بوتل صاف کر چکا تھا۔"

"نہیں کیپٹن۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "میں نے فی الحال تمہارے بیڑے میں گدھے جوت دیئے ہیں، جو اُسے خشکی میں کھینچ رہے ہیں۔"

"تیری بدولت میں نے اپنے تین بہترین ساتھی کھوئے۔ بیٹی سے ہاتھ دھوئے۔ اب تو نے

رات ایک نئی مصیبت مول لی اور اُسے بھی نہ مار سکا۔ زندہ نکل جانے دیا۔ دیکھنا ہے اب کون سی مصیبت آتی ہے۔"

"کیپٹن....!" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ مجھے کوئی اناڑی آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ اُس نے خطرے کی بو پہلے ہی سونگھ لی تھی اور پوری طرح تیار تھا۔"

"اچھا ہوا.... تیری گردن تو نیچی ہوئی۔"

"مگر سنگ ہی اسے زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"جہنم میں جاؤ.... میں سارہ کے لئے کیا کروں۔"

"فی الحال صبر کرو۔"

لوتھر بُری طرح جھلا گیا۔ مگر وہ بے بس تھا کہ کوئی سنگ ہی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ اس کے ہاتھوں میں موم کی ناک بن کر رہ گیا تھا۔

"تو نے مجھے کٹھ پتلی بنا لیا ہے اور اگر تم نے اس پٹھان کو دوبارہ نہ نکلوادیا ہوتا تو سارہ محفوظ ہوتی۔"

"اوہو! کیا کر لیتا وہ وحشی۔"

"میں کچھ نہیں جانتا.... سارہ مجھے آج ہی واپس ملنی چاہئے۔"

"بے صبری اچھی چیز نہیں۔"

"میں ابھی پولیس کو سارے واقعات کی اطلاع دیتا ہوں۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔" سنگ ہی سانپ کی طرح پھپھکارا۔

لوتھر یک بیک اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ایلیوم کی چوٹی یاد ہے نا تمہیں۔" سنگ ہی بولا۔ "مجھے تم پسند ہو مسٹر لوتھر ورنہ پانچ سو سال بعد وہاں لوگ تمہاری لاش کی زیارت کے لئے آتے۔"

لوتھر کچھ نہ بولا۔

سنگ ہی نے پھر کہا۔ "تمہاری بعض چیزیں مجھے بے حد پسند ہیں ورنہ اس چیز کا مالک میں تنہا ہوتا۔ اب بھی جس وقت چاہوں الگ ہو سکتا ہوں۔ پولیس میرا کچھ نہیں کر سکے گی۔ مگر تمہارا داہنا گال نیلی لکیر سے ضرور سجادیا جائے گا.... لو پیئو۔"

اس نے دوسرا گلاس لبریز کر کے لوتھر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم نے بہت دیر
نہیں پی اسی لئے بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔"



فریدی نے دواؤں کا بکس اٹھایا۔ حمید اس کی کاروائیوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا، جب فریدی
ساری تیاریاں مکمل کر چکا تو حمید نے کہا۔

"کہئے تو ایک ٹوکری میں دو چار سانپ بھی رکھ لئے جائیں۔"

"کیوں! سانپ کیا ہوں گے۔"

"واہ.... ارے میں سانپ دکھا کر مجمع اکٹھا کروں گا اور آپ دوا بیچئے گا.... دو چار دلالوں کی
ضرورت ہو تو وہ بھی مہیا کر لئے جائیں۔"

"بکواس مت کرو.... جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں باہر نکلے۔ فریدی کے ایک ہاتھ میں دواؤں کا بکس تھا اور دوسرے
میں اسٹیتھو سکوپ! اُن دونوں نے ڈاکٹروں کے سے لمبے سفید کوٹ پہن رکھے تھے۔

"آخر اب کیا ہونے جا رہا ہے؟" حمید نے کیڈی میں بیٹھتے وقت سوال کیا۔

"دیکھتے جاؤ۔"

"میں تنگ آ گیا ہوں.... دیکھتے دیکھتے۔"

کیڈی چل پڑی۔ پندرہ یا بیس منٹ بعد فریدی نے ایک جگہ کیڈی روک دی۔ تھوڑے ہی
فاصلے پر ایک ایمبولینس گاڑی کھڑی تھی۔ حمید نے ڈرائیور کی سیٹ پر سرجنٹ رمیش کو بیٹھے
دیکھا۔ گاڑی کے پچھلے حصے میں ایک خوبصورت سی نرس بیٹھی تھی۔

رمیش انہیں دیکھتے ہی گاڑی سے اتر آیا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے پسندیدگی کے اظہار میں سر ہلا کر اس سے کہا۔ "اب تم کیڈی لے
کر واپس جاؤ۔"

رمیش کیڈی میں بیٹھ گیا۔

فریدی اور حمید ایمبولینس گاڑی میں آ بیٹھے۔

"چلو اسٹارٹ کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"ابھی کیا ہے۔" اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "مجھے مردے تک ڈھونے پڑیں گے۔"

پھر اُس نے روشندان سے اُس نرس پر نظر ڈالی، جو گاڑی کے پچھلے حصے میں بیٹھی تھی اور
فریدی کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔ "ہے تو زوردار۔"

"بکو مت۔" فریدی بھنبھنایا۔

"ویری ویل.... یور ہارڈ شپ۔" حمید نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

فریدی اُسے راستوں کے متعلق ہدایات دیتا رہا۔ آخر اس نے کنگس لین کی ایک عمارت کے
سامنے گاڑی رکوا دی۔

فریدی نیچے اتر کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اچانک ایک آدمی اس کے سامنے آ کھڑا ہو گیا۔ حمید
نے اُسے پہچانا وہ بھی اسی کے محکمے کا ایک آدمی تھا۔

"سب ٹھیک ہے۔" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"جی ہاں! سب ٹھیک ہے۔"

"وہ دونوں آدمی۔"

"وہ بھی موجود ہیں.... میں ابھی لایا۔"

"وہیں لانا.... اچھا.... تو اب ہم جاتے ہیں۔"

فریدی نے حمید کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ نرس نے اپنے دستانے اٹھائے اور وہ بھی
ان کے ساتھ ہولی۔ فریدی نے برآمدے میں پہنچ کر گھنٹی کا بٹن دبایا اندر کسی دور افتادہ مقام پر
گھنٹی کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ ان کے سامنے ایک پست قد اور بھاری بھرکم سفید فام آدمی کھڑا
تھا۔ اس نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

"معاف کیجئے گا۔" فریدی آگے بڑھ کر بولا۔ "ہمیں اطلاع ملی ہے کہ یہاں کوئی پلیگ کا
مریض ہے۔"

"غلط ہے۔" پست قد غیر ملکی نے کہا۔ "یہاں کوئی ایسا مریض نہیں۔"

"یہ آپ کے پڑوسیوں کی دی ہوئی اطلاع ہے۔"

"پڑوسی بکواس کرتے ہیں۔" غیر ملکی جھلا کر بولا۔

اتنے میں دو اینگلو انڈین برآمدے میں داخل ہوئے۔

"ہم بکواس کرتے ہیں۔" اُن میں سے ایک غصیلی آواز میں بولا۔ "کیا تم پچھلی رات کو ایک بوڑھا مریض یہاں نہیں لائے۔"

"وہ پلیگ کا مریض نہیں۔" غیر ملکی نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "اس پر صرف بیہوشی کے دورے پڑتے ہیں۔"

"اوہ....!" فریدی تشویش ناک لہجے میں بولا۔ "یہ بھی پلیگ کی ایک علامت ہے۔"

"میں کہتا ہوں وہ پلیگ کا مریض نہیں ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں.... ہم اُسے دیکھ کر اطمینان کرلیں گے۔"

"نہیں آپ اُسے نہیں دیکھ سکیں گے۔"

"آخر کیوں!"

"ہماری مرضی۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ہمیں رپورٹ ملی ہے اور ہم اپنا اطمینان کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کوئی رکاوٹ ڈالیں گے تو مجبوراً ہمیں پولیس طلب کرنی پڑے گی۔"

"میں کہتا ہوں نا۔"

"محض آپ کا کہنا ہمیں مطمئن نہیں کر سکتا۔" فریدی بولا۔

کافی دیر تک جھک جھک ہوتی رہی۔ عمارت سے دو آدمی اور نکل آئے۔

فریدی اسی پر اڑا رہا کہ مریض کو دیکھے بغیر واپس نہیں جائے گا۔

"چلئے دیکھ چلئے۔" ان میں سے ایک نے غصیلی آواز میں کہا۔ "نہ جانے یہ کیسا ملک ہے جہاں لوگ دوسروں کا وقت اس طرح برباد کرتے ہیں۔"

وہ انہیں ایک کمرے میں لائے جہاں ایک بوڑھا آدمی پلنگ پر چت پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اس کا جسم ایک ہلکے سے کمبل سے ڈھکا ہوا تھا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر معاملہ کیا ہے۔ بھلا فریدی کو پلیگ کے مریض سے کیا سروکار.... اور یہ لوگ کون ہیں۔

"یہ ہے! وہ مریض۔" پست قد آدمی بولا۔ "دیکھئے اسے! ہم بہت زیادہ مشغول ہیں۔"

وہ تینوں کمرے سے چلے گئے۔ حمید نے فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔

"تم بھی جاؤ۔" فریدی نرس کی طرف مڑ کر بولا۔ "ہم ابھی آتے ہیں۔"

نرس چلی گئی۔

"آخر یہ ہے کیا بلا۔" حمید نے مریض کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بلا....!" فریدی مسکرایا۔ "نہیں فرزند! یہ بلا نہیں۔"

فریدی نے آگے بڑھ کر بیہوش مریض پر سے کمبل ہٹا دیا اور جیسے ہی حمید کی نظر اس کے سینے پر پڑی وہ بوکھلا کر اچھل پڑا۔

"ہائیں۔" اس کے منہ سے بیساختہ نکلا۔ "یہ تو اپنی جنس تبدیل کر رہا ہے۔"

پھر وہ اس طرح اپنی کھوپڑی سہلانے لگا جیسے گرمی چڑھ گئی ہو۔ فریدی کچھ نہ بولا۔

اُس نے مریض کی پلکیں اٹھا کر پتلیاں دیکھیں۔ کچھ دیر نبض پر ہاتھ رکھے رہا۔ پھر دواؤں کا بکس کھول کر اس میں سے ہائپوڈرمک سرنج نکالی اور انجکشن دینے کی تیاریاں کرنے لگا۔

انجکشن دینے کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد مریض کو ہوش آ گیا اور اس نے کمزور آواز میں کہا۔

"میں کہاں ہوں۔"

حمید ایک بار پھر بوکھلا گیا۔ بالکل نسوانی آواز تھی۔

"کیا جنس بالکل ہی بدل گئی۔" اس نے آہستہ سے فریدی سے پوچھا۔

"بالکل! اب میں اسکے ساتھ تمہاری شادی کر دوں گا۔ لیکن ڈاڑھی بدستور موجود رہے گی۔"

اچانک مریض نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اُس کے منہ سے ایک سہمی ہوئی سی چیخ نکلی۔ وہ پھر بیہوش ہو گیا۔

"ڈاڑھی ہٹانی ہی پڑے گی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "عورت ہو جانے کے بعد وہ اُس سے خوف کھاتا ہے۔"

پھر تھوڑی ہی دیر بعد فریدی کے ایک معمولی سے عمل کی بناء پر مریض کا چہرہ بالکل صاف ہو گیا۔

"سارہ۔" حمید کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور پھر اس نے کہا۔ "اوہ.... میں سمجھ گیا.... وہ تینوں کہاں گئے۔"

"شاید وہ اس وقت کہیں دور پہنچ چکے ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔

"اور آپ نے انہیں نکل جانے دیا۔"

"پرواہ نہ کرو.... اُن کے گرد میرا جال بہت مضبوط ہو چکا ہے۔"

لوتھر کی شامت

لوتھر آرام کرسی پر پڑا اونگھ رہا تھا۔ سنگ ہی دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا۔ پنجوں کے بل چلتا ہوا وہ آرام کرسی کے پیچھے آیا اور اس کا تکیہ پکڑ کر اُسے الٹ دیا۔ لوتھر منہ کے بل زمین پر گرا اور آرام کرسی اُس کے اوپر اوندھ گئی۔

لوتھر نے بوکھلا کر چیخ ماری اور کرسی کے نیچے سے نکلنا چاہا۔ سنگ ہی نے پیر سے کرسی دوسری طرف اچھال دی اور لوتھر پر ٹوٹ پڑا۔

لوتھر بھی اچھے ہاتھ پاؤں کا آدمی تھا.... لیکن وہ قریب قریب بے بس ہو چکا تھا کیونکہ سنگ ہی نے اس کی گردن ٹانگوں میں جکڑ لی تھی اور دھڑا دھڑ اس کے منہ پر مکے مار رہا تھا۔

"ارے.... سور.... کے بچے.... یہ کیا کر رہا ہے۔" لوتھر چیخا۔

"سور کا بچہ آج تمہیں زندہ نہ چھوڑے گا۔" سنگ ہی نے نہایت اطمینان سے کہا اور اُس کے چہرے پر مکے مارتا رہا۔

لوتھر کے ہونٹ پھٹ گئے اور اُن سے خون بہنے لگا۔ نتھنوں سے بھی خون جاری تھا۔ اُس نے کچھ اس انداز میں اسکی گردن جکڑ رکھی تھی کہ وہ اپنے حلق سے آواز تک نہیں نکال سکتا تھا۔

جب لوتھر بے دم ہو گیا تو سنگ ہی نے اُسے چھوڑ دیا۔ لوتھر زمین پر چت پڑا ہوا تھا۔ اس کی پلکیں ضرور جھپک رہی تھیں لیکن معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔

سنگ ہی نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور ایک دوسری کرسی میں ڈال دیا۔ شائد اس وقت کوئی نوکر بھی کوٹھی میں موجود نہیں تھا۔ ممکن ہے سنگ ہی نے انہیں پہلے ہی کاموں کے بہانے باہر بھیج دیا ہو۔

لوتھر آرام کرسی میں پڑا گہری سانسیں لیتا رہا۔ اس کی آنکھیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں اور وہ

خوفزدہ نظروں سے سنگ ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ سنگ ہی نے الماری کھول کر اسکاچ کی بوتل نکالی اور اسے میز پر لے آیا۔ یہ سب کچھ اُس نے اتنے اطمینان سے کیا جیسے وہ ابھی اپنے لطیفوں سے لوتھر کا دل بہلاتا رہا ہو۔

شراب کے گلاس سے اس نے ایک چسکی لی اور مسکرا کر لوتھر کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہوں....!" اُس نے گلاس کو میز پر زور سے رکھتے ہوئے کہا۔ "اب بتاؤ.... تم آخر سنگ ہی کے ساتھ کمینہ پن کر ہی بیٹھے۔"

"میں نے کیا کیا ہے۔" لوتھر اپنے ہونٹوں کا خون پونچھتے ہوئے بولا۔

"بکواس کرو گے تو تمہارا دہانہ کانوں تک چیر دوں گا۔"

"بتاؤ نا.... میں نے کیا کیا ہے۔" لوتھر سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

"میکی کون تھا....؟"

"میں نہیں جانتا.... میں اس سے پہلی بار ملا تھا۔"

سنگ ہی اٹھ کر اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"تم نہیں جانتے۔"

"نہیں.... میں نے پہلے کبھی اُسے نہیں دیکھا۔"

اچانک سنگ ہی نے اس کے زخمی ہونٹوں پر الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔

"ارے تجھے کیا ہو گیا ہے.... سور کے بچے۔" لوتھر اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر کراہا۔

"سور کے بچے کو فریدی اور حمید ہو گیا ہے۔" سنگ ہی نے بائیں ہاتھ سے شراب کا گھونٹ لے کر کہا۔ "میکی کیپٹن حمید تھا۔"

"کیا....؟" لوتھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

سنگ ہی نے ٹٹولنے والی نظروں سے لوتھر کے چہرے کا جائزہ لیا اور آہستہ سے بولا۔

"تو تم اس سازش میں شریک نہیں تھے۔"

"میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔"

"سارہ کو تم بڑا اچھا سمجھتے ہو۔ اُس کی پاکدامنی کے ثبوت کے لئے مجھ پر گولیاں برسانی شروع کر دی تھیں۔ لیکن اب جاؤ فریدی کے یہاں وہ ننگی ناچتی ہوئی پولیس آفیسروں کو شراب

پلا رہی ہے۔"

"کیا بکتے ہو! وہ تو اُن لوگوں کے پاس ہے آج صبح ایک لڑکا ایک خط بھی ان لوگوں کے پاس سے لایا ہے جس میں انہوں نے دھمکی دی ہے کہ اگر ہم نے ان کا مطالبہ پورا نہ کیا تو وہ سارہ کو مار ڈالیں گے۔"

"بہت اچھے۔" سنگ ہی ہنس پڑا۔ "ذرا دیکھوں تو وہ خط۔"

لوتھر نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر سنگ ہی کی طرف بڑھا دیا۔ سنگ ہی نے خط پڑھا چند لمحے بُرا سا منہ بنائے رہا پھر بولا۔ "یہ کھلی ہوئی بکواس ہے۔ تمہاری لڑکی کو فریدی نے اٹھوایا تھا۔ جاؤ جا کر دیکھو فریدی اور حمید عیش کر رہے ہیں اگر وہ تمہیں ان کے گھر پر نہ ملے تو میری گردن اتار دینا۔ سمجھے! مگر تم خود ہی اس سے پیشہ کرانا چاہتے ہو۔ اچھا بھی ہے اگر دس پانچ پولیس آفیسر تمہارے داماد بن گئے تو تم اُن امریکنوں سے بچے رہو گے۔"

"اگر ایسا ہے تو میں اُن سب کو میٹھی نیند سلا دوں گا۔" لوتھر مٹھیاں بھینچ کر بڑبڑایا۔

"کیا کبھی میری مہیا کی ہوئی اطلاعات غلط بھی نکلی ہیں؟" سنگ ہی نے طنزیہ ہنسی کیساتھ کہا۔ "چلو بیٹھو زیادہ تاؤ نہ کھاؤ۔ فریدی کے نطفے سے تمہارے لئے ایک بہت بڑا نواسہ مہیا ہو جائے گا۔"

"چپ رہو حرامزادے۔" لوتھر نے چیخ کر سنگ ہی کے سر پر دو ہتھڑ مارا۔

سنگ ہی چپ چاپ پیچھے ہٹ گیا۔ وہ سنگ ہی جس نے لوتھر کو بُری طرح پیٹا تھا لوتھر کے ہاتھ سے مار کھا کر بھی مسکرا رہا تھا۔ اس نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔ "تم بڑی اچھی ایکٹنگ کر لیتے ہو مسٹر لوتھر۔ تم نے سنگ ہی سے پیچھا چھڑانے کے لئے اپنی لڑکی کی سپلائی کر دی۔ خود ہی سازش کر کے اُسے اٹھوا دیا تا کہ سنگ ہی دھوکہ کھا کر مار لیا جائے۔"

"چپ رہو کتے۔" لوتھر غرا کر بولا۔ "اس نے میز کی دراز سے ایک ریوالور نکالا اس کے چیمبر دیکھے۔ وہ سب بھرے ہوئے تھے۔ پھر اس نے سنگ ہی سے کہا۔ "میں ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

"خوب! مگر شائد ایک ریوالور کافی نہ ہو۔ وہاں کئی ہیں اور سب شراب کے نشے میں دھت اور سارہ ننگی۔"

"خاموش.....!" لوتھر غرایا۔ وہ اس وقت ایک خونی درندہ معلوم ہو رہا تھا۔

"اسے بھی لیتے جاؤ۔ شائد ضرورت پڑے۔" سنگ ہی نے اپنی جیب سے ایک دوسرا ریوالور نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم ابھی گھوم پھر کر واپس آجاؤ گے اور مجھے اطلاع دو گے کہ فریدی کی کوٹھی خالی پڑی ہے۔"

لوتھر نے جھپٹ کر اُس کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا اور قریب قریب دوڑتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

سنگ ہی ایک ہی سانس میں گلاس کی بقیہ شراب پی گیا۔ پھر اُس نے آستین سے اپنے ہونٹ خشک کئے اور بڑی تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر اسی کمرے میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا گیس سلنڈر تھا وہ اُسی آہنی الماری کے سامنے رک گیا جس میں حروف کے امتزاج سے کھلنے والا قفل پڑا ہوا تھا۔ یہ وہی الماری تھی جسے کھولنے سے قبل لوتھر کمرے کا دروازہ بند کرنا نہیں بھولتا تھا۔

سنگ ہی نے گیس سلنڈر کے سرے پر لگے ہوئے نوزل کا بٹن دبایا اور اس میں سے نیلے رنگ کی ایک باریک سی آتشی لکیر نکلنے لگی۔ دوسرے لمحے میں وہ آتشی لکیر قفل کے کنڈے پر تیزی سے ادھر اُدھر تیر رہی تھی۔

دیکھتے دیکھتے قفل الماری سے علیحدہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔

سنگ ہی نے الماری کھول کر اس میں سے چمڑے کا ایک تھیلا نکالا اور اُسے بغل میں دبا کر کمرے سے نکل گیا۔



لوتھر غصے میں بھرا ہوا کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اُس نے اپنا چہرہ بھی نہیں صاف کیا تھا۔ ہونٹوں پر خون جم کر سیاہی مائل ہو چکا تھا۔ اس کے ذہن میں فریدی اور حمید کی شکلیں تھیں۔ اُس کے ذاتی تجربے کی بناء پر سنگ ہی نے آج تک اُسے کوئی غلط اطلاع نہیں دی تھی۔ اُسے میکی یاد آیا، جو سنگ ہی جیسے شاطر آدمی کو جل دے کر نکل گیا تھا۔ تو کیا وہ سچ مچ کیپٹن حمید ہی تھا۔ اگر یہ بات تھی تو سارہ نے اُسے دیدہ دانستہ دعوت دی تھی..... آخر کیوں؟

پھر اچانک اس کے جسم کا خون منجمد ہو گیا۔ اگر اسٹیئرنگ کا سچا نہ ہوتا تو سامنے سے آنے والے ٹرک سے ٹکرا کر اس کی کار کے پرخچے اڑ گئے ہوتے۔ غصے کی جگہ خوف نے لے لی اور

اس جذباتی تبدیلی کی بناء پر وہ اچھی طرح ہوش میں آ گیا اور اب اُسے احساس ہوا کہ وہ سچ مچ موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ فریدی کی کوٹھی میں داخل ہو کر اس پر حملہ کرنا آسان کام نہیں تھا.... اور پھر اُس کا انجام؟ اب اُسے سنگ ہی کے بیان پر بھی شبہ ہونے لگا تھا۔ فریدی سے زیادہ نیک نام آفیسر شہر بھر میں اور کوئی نہیں تھا۔ کٹر قسم کا اصول پرست آدمی۔

"اوہ....!" لوتھر آہستہ سے بڑبڑایا۔

اُسے یاد آیا کہ سنگ ہی اس دوران میں کئی بار اس بات کی کوشش کر چکا ہے کہ اُسے کسی طرح تھوڑی دیر کے لئے کوٹھی سے ہٹا دے۔ کہیں اس نے الماری پر ہاتھ صاف کرنے کے لئے یہ سب کچھ نہ کیا ہو۔

اچانک اس کی نظر کار کے عقب نما آئینے پر پڑی اور وہ چونک پڑا۔ غصے میں اُسے یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ اس کا چہرہ اس قابل نہیں کہ وہ صفائی کے بغیر باہر نکل سکے۔ اس کی اُلجھن بڑھ گئی۔ اگر وہ گھر واپس جاتا تو سنگ ہی طنزوں کی بھرمار کر دیتا۔ فریدی کے یہاں جانے کے سلسلے میں تو وہ پہلے ہی ہچکچاہٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کی کنپٹیوں کی رگیں تڑخ رہی ہوں.... اُلجھن.... اُلجھن۔

آخر اس نے اپنی کار ایک ہیئر کٹنگ سیلون کے سامنے روک دی جس میں حمام بھی تھا، جیسے ہی سیلون میں داخل ہوا لوگوں کی تنقیدی نظریں اس کی طرف اٹھنے لگیں۔

"حمام....!" لوتھر نے بھرائی ہوئی آواز میں ایک آدمی سے کہا۔ "جلدی۔"

اس آدمی نے حمام تک اس کی رہنمائی کی۔ لوتھر نے دروازہ بند کر لیا۔ اُسے حمام میں داخل ہوئے مشکل سے آدھا منٹ گذرا ہوگا کہ ایک سفید فام آدمی گھبرایا ہوا سیلون میں گھس آیا۔

"کیا یہاں کوئی انگریز آیا ہے۔" اس نے سیلون کے ایک آدمی سے پوچھا۔

"ہاں.... حمام میں ہے۔" اس نے حمام کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اوہ.... وہ پاگل بھی ہے اور نشے میں بھی ہے۔" سفید فام حمام کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اس نے دروازے کا ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور وہ بھی اندر چلا گیا۔

سیلون کے لوگ حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ تین چار منٹ بعد وہ حمام سے نکل آیا۔ اس نے لوتھر کو سنبھال رکھا تھا جس کی آنکھیں بند تھیں لیکن چہرہ صاف ہو چکا تھا۔

"اوہ.... کوئی میری مدد کرے.... یہ بیہوش ہو گیا ہے۔" اس نے روہانسی آواز میں کہا اور دو تین آدمی لوتھر کو سنبھالنے کے لئے دوڑے۔ وہ اُسے کار تک لے آئے۔ اور اسے پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا۔ سفید فام آدمی نے اگلی سیٹ پر بیٹھ کر اپنی جیب سے دس دس کے دو نوٹ نکالے اور انہیں موڑ توڑ کر سیلون کے آدمیوں کی طرف اچھال دیا۔

کار لوتھر ہی کی تھی۔ لیکن اُسے ایک نامعلوم آدمی ڈرائیو کر رہا تھا اور لوتھر پچھلی سیٹ پر بیہوش پڑا تھا۔



حمید نے مسکرا کر سارہ کی طرف دیکھا، جو نقاہت کی وجہ سے پہلے سے بھی زیادہ حسین نظر آنے لگی تھی۔

"کیوں اب کیا ہے۔" سارہ نے ہنس کر کہا۔ "تم بہت شریر ہو۔"

"مجھے تمہاری ڈاڑھی یاد آ رہی ہے۔ شکر ہے کہ میرے بکرے نے تمہیں اس حال میں نہیں دیکھا تھا۔"

"کیوں مذاق اڑاتے ہو۔" سارہ نے جھینپ کر کہا۔ "وہ لوگ شائد ڈیڈی سے کوئی چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کیا چیز ہے اور اب میں سوچتی ہوں کہ شاید ڈیڈی.... اسی کے بعد سے انہوں نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔"

"تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ چیز اُسی کمرے میں ہے۔"

"انہوں نے جنوبی امریکہ سے واپسی کے بعد خاص طور سے اس کمرے میں ایک آہنی الماری رکھوائی تھی جس میں اب بھی حروف کے امتزاج سے کھلنے والا ایک تالا پڑا رہتا ہے۔ وہ رات کو اُسی کمرے میں سوتے بھی ہیں۔ میں نے اکثر انہیں الماری کے ہینڈل کو کھینچتے بھی دیکھا ہے۔ وہ دن میں کئی بار ایسا کرتے ہیں۔ شاید اسکا اطمینان کرنے کیلئے کہ کہیں وہ کھلا تو نہیں رہ گیا۔"

"کیا تم یہ سب کچھ فریدی صاحب کو بتا چکی ہو۔"

"ہاں.... میں نے سب کچھ بتا دیا ہے۔" سارہ نے کہا۔ "لیکن میں اپنے گھر کب جاؤں گی۔ فریدی صاحب کہتے ہیں کہ ابھی نہیں۔ میں ڈیڈی کے لئے بہت پریشان ہوں۔ مجھے سنگ ہی پر اعتماد نہیں۔ وہی سور کا بچہ انہیں جنوبی امریکہ بھی لے گیا تھا۔"

"سنگ ہی لے گیا تھا....؟" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں وہی لے گیا تھا.... جانے سے قبل ڈیڈی نے مجھ سے کہا تھا کہ انہیں اس سفر میں کافی فائدے کی صورت نظر آرہی ہے۔"

"کیا تم بھی ساتھ گئی تھیں۔"

"نہیں....!"

"تعجب ہے.... میں نے اکثر ناولوں میں پڑھا ہے کہ اس قسم کے ایڈونچروں میں ایک آدھ خوبصورت لڑکی ضرور ساتھ ہوتی ہے تاکہ اُسے جنگلی لوگ پکڑ کر بھون کھانے کا سامان کریں اور عین موقعے پر ہیرو پہنچ کر گھپلا کردے۔ پھر وہ لڑکی اس ہیرو کے کارنامے پر پہلے تو عش عش کرے پھر باقاعدہ عشق کرنے لگے۔"

سارہ جھلا کر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ فریدی آ گیا۔

"سنو حمید! ایک دلچسپ اطلاع۔ لوتھر کی کوٹھی اس وقت بالکل خالی ہے۔ لوتھر عجیب حالت میں کوٹھی سے نکلتا ہوا دیکھا گیا۔ اس کا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا اس کے جانے کے بعد سنگ ہی نکلا اور وہ بھی کسی طرف چلا گیا۔"

"ڈیڈی کے چہرے پر خون۔" سارہ چیخ اٹھی۔

"ہاں .... گھبراؤ نہیں۔ ہم وہیں چل رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میرے لئے یہ خبر انتہائی حیرت انگیز ہے کہ لوتھر نے کوٹھی کے باہر قدم نکالا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ تینوں لوتھر کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ یہاں ہر طرف سناٹا تھا۔ نوکر بھی نہیں دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اس کمرے میں آئے جہاں آہنی الماری تھی۔

"ارے اس کا قفل۔" سارہ بے ساختہ بولی۔ فریدی نے جھک کر کٹے ہوئے قفل کو فرش سے اٹھالیا اور اُسے الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد کہا۔ "اسے گیس سے کاٹا گیا ہے۔"

پھر اس کی نظر گیس سلنڈر پر پڑی۔

"یہ سب سامان تو سنگ ہی کا ہے۔" سارہ بولی۔

"تو کیا سنگ ہی نے اُسے کھولا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "مگر لوتھر تو کوٹھی سے پہلے ہی نکل گیا تھا۔ سنگ ہی بعد کو گیا۔"

پھر اُس نے الماری کے پٹ کھول دیئے۔ اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔

"فریدی صاحب۔" سارہ چیخی۔ "ڈیڈی کو بچایئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اُس نے ترحم آمیز نظروں سے سارہ کی طرف دیکھا اور پھر خالی الماری کو گھورنے لگا۔

"میں مکان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "سب سے پہلے مجھے سنگ ہی کے کمرے بتاؤ۔"

سب کچھ، کچھ بھی نہیں

رات تاریک تھی.... شام ہی سے کچھ ایسی تیز آندھی چلنی شروع ہوئی تھی کہ بجلی کے تار ٹوٹ جانے کی بناء پر شہر کے بعض حصے بالکل ہی تاریک ہو گئے تھے۔ آندھی رکنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اُتر سے کالی کالی بدلیاں اٹھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا آسمان چھپ گیا۔ پھر ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ لوگ پناہ مانگنے لگے۔ سڑکیں ویران ہو گئیں۔

نیلسن اسٹریٹ تو پوری کی پوری اندھیرے میں گم ہو گئی تھی اور یہاں بارش کے شور کے علاوہ کوئی دوسری آواز نہیں سنی جاسکتی تھی۔ کیونکہ یہاں کی قدیم انگریزی طرز کی اونچی اونچی عمارتوں کی چھتیں زیادہ تر ٹین ہی کی تھیں۔ اب سے ساٹھ ستر سال پہلے یہ عمارتیں انگریز فوجی آفیسروں کے لئے بنائی گئی تھیں اور شہر کا یہ حصہ اب بھی پرانی چھاؤنی کے نام سے مشہور تھا۔

سنگ ہی اس طوفانی رات میں نیلسن اسٹریٹ کی ایک عمارت کے سامنے کھڑا ایک ایسی کھڑکی کو گھور رہا تھا جس کے شیشوں سے زرد رنگ کی دھندلی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اپنی جیب سے پتھر کا ایک ٹکڑا نکالا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کھڑکی کا ایک شیشہ چور چور ہو گیا۔ سنگ ہی نہایت اطمینان سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس کا پھینکا ہوا پتھر کا ٹکڑا شیشے کو توڑتا ہوا اندر چلا گیا تھا۔ کسی نے کھڑکی کھولی اور ایک آدمی کے دھندلے نقوش زرد روشنی کے پیش منظر میں ابھر آئے۔ سنگ ہی کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور پھر ایک چیخ سنائی دی جسے بارش کا شور بھی نہ دبا سکا تھا۔



"یہ آواز کیسی تھی۔" فریدی یک بیک چونک کر بولا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ آخر دو تین گھنٹوں سے یہ کیسی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"شش! میرا خیال ہے کہ وہ فائر کی آواز تھی۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

یہ دونوں نیلسن اسٹریٹ کی ایک ویران اور شکستہ عمارت کے ایسے حصے میں بیٹھے ہوئے تھے جس سے وہ عمارت صاف دکھائی دیتی تھی جس کی کھڑکی پر سنگ ہی نے پتھراؤ کے بعد گولی چلائی تھی۔ شائد وہ اس کی نگرانی سے ٹھیک اسی لمحہ غافل ہوئے تھے جب سنگ ہی نے اپنا کام کیا تھا۔

فریدی کے ساتھ حمید بھی کھڑا ہو گیا۔ سامنے والی عمارت کی کھڑکی اب بھی کھلی ہوئی تھی اور اُس کھڑکی سے اندر کی دیواروں پر کئی آدمیوں کے گہرے سائے تیزی سے حرکت کرتے نظر آرہے تھے اور کھڑکی پھر بند کر لی تھی۔

"واہمہ ہے آپ کا۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "اتنے شور میں آپ نے فائر کی آواز سن لی۔ کمال ہے کیا توپ کی آواز تھی۔"

فریدی کچھ نہ بولا اس کی نظر کھڑکی پر جمی ہوئی تھی۔ حالانکہ بارش کا زور کافی کم ہو گیا تھا لیکن ٹین کی چھتوں کی وجہ سے شور بدستور جاری تھا۔

اچانک فریدی نے چونک کر کہا۔ "یہ کھڑکی کے ایک شیشے کو کیا ہو گیا۔"

"بخار آگیا ہو گا۔" حمید بولا۔ پھر اس نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آخر ہم کب تک یہاں جھک مارتے رہیں گے۔"

"جب تک سنگ ہی ہاتھ نہ آجائے۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ آج رات کو یہاں ضرور آئے گا۔"

پھر کھڑکی کی روشنی بھی غائب ہو گئی۔

"آخر شیشہ کیوں۔" فریدی تھوڑی دیر بعد پھر بڑبڑایا۔ پھر اچانک چونک کر بولا۔ "اوہ.... حمید شائد ہم دھوکہ کھا گئے۔ سنگ ہی نکل گیا۔"

"کیا خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"نہیں شائد ان میں سے ایک اور ختم ہو گیا وہ شائد کسی آدمی ہی چیخ تھی اب ہمیں اٹھنا

چاہئے۔ سامنے والی عمارت میں داخل ہونا ہی پڑے گا۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ وہ ہمیں پہلے ہی ڈاکٹروں کے روپ میں دیکھ چکے ہیں۔"

"فکر نہ کرو.... میں اتنے دنوں تک جھک نہیں مارتا رہا۔ ہم اس طرح عمارت میں داخل ہوں گے کہ اُن کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو گا۔"

"اوہ.... تو یہی طریقہ سنگ ہی بھی اختیار کر سکتا ہے۔"

"اور میں نے ہی وہ طریقہ اختیار کرنے میں اُسے مدد دی ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"سنگ ہی آج کل میرا تعاقب کر رہا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اور اُس نے مجھے راستہ بناتے ہوئے آج ہی دیکھا تھا۔ تم جانتے ہو کہ ان عمارتوں کے پیچھے دور تک سرکنڈوں کا جنگل ہے اور وہیں کچھ شکستہ بیرکیں بھی ہیں۔ اس لئے دن کو بھی اس قسم کے کام بہ آسانی ہو سکتے ہیں۔"

"چلئے جناب۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔



سنگ ہی اتنا احمق نہیں تھا کہ سڑک پر کھڑے ہو کر کھڑکی میں فائر کرتا۔ اس نے یہ خطرہ جان بوجھ کر مول لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح عمارت کے مکینوں کو سمیٹ کر ایک جگہ کر دے۔ اس کے بعد فریدی کے بنائے ہوئے راستے کے ذریعہ چپ چاپ عمارت میں داخل ہو جائے۔

اس نے یہی کیا۔ عمارت کے رہنے والے اب بھی اُسی کمرے میں کھڑے سرگوشیاں کر رہے تھے جس میں ان کے ایک ساتھی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔

سنگ ہی عمارت کی عقبی دیوار میں لگی ہوئی نقب کے ذریعہ عمارت میں داخل ہو گیا۔



فریدی اور حمید سڑک پر آگئے تھے۔ کئی جگہ انہیں گھٹنوں گھٹنوں پانی سے گذرنا پڑا۔ بارش بند ہو چکی تھی اور سناٹے میں مینڈکوں کا شور گونج رہا تھا۔ ہوا بالکل بند تھی۔ وہ عمارت کی پشت پر آئے۔ یہاں فریدی نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور اُسے روشن کرتے ہوئے سرکنڈوں کے جنگل کی طرف ہاتھ اٹھا کر تین بار جنبش دی جس کے جواب میں تھوڑی ہی دور پر

ایک دوسری ٹارچ کی روشنی نظر آنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا ٹھیک ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"سنگ ہی اندر داخل ہو چکا ہے۔" فریدی نے کہا اور نقب کے دہانے پر آکر کھڑا ہو گیا۔ حمید نے جھپٹ کر اُس میں گھسنا چاہا لیکن فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ٹھہرو... بدحواسی ٹھیک نہیں۔ معاملہ سنگ ہی کا ہے۔" اس نے کہا اور ٹارچ روشن کر لی۔

"دیکھو....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ وہ نقب کے دہانے کے اُدھر کی زمین کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

حمید آگے جھک کر دیکھنے لگا۔ سفید رنگ کی چھوٹی چھوٹی لاتعداد گولیاں زمین پر بکھری ہوئی تھیں۔

"چلتے آؤ۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن ان گولیوں پر پیر نہ پڑنے پائے۔"

"کیوں؟ یہ ہیں کیا بلا؟"

"پٹاخے.... یہ اس لئے ڈالے گئے ہیں کہ اگر کوئی سنگ ہی کے بعد داخل ہو تو اُسے اس کا علم ہو جائے۔"

حمید سنگ ہی کی ذہانت پر حیرت ظاہر کرتا ہوا فریدی کے ساتھ چلنے لگا۔ سنگ ہی کے پیروں کے نشانات دیکھتے ہوئے وہ آگے بڑھتے رہے۔ حمید نے سوچا کہ یہ بارش کا پہلا فائدہ ہے ابھی تک تو وہ دل ہی دل میں موسم پر تاؤ کھاتا رہا تھا۔

ایک جگہ فریدی نے رک کر آہٹ لی اور پھر اس کے بعد اُس نے ٹارچ نہیں استعمال کی۔ کمرہ تاریک تھا۔ لیکن اس کے آگے والے کمرے میں روشنی تھی۔ دونوں کمروں کے درمیان میں ایک دروازہ تھا جس میں ایک دبیز سا پردہ لٹک رہا تھا لیکن وہ اتنا دبیز بھی نہیں تھا کہ دوسری طرف کی روشنی اُسے نہ دکھائی دیتی۔ دروازے میں کوئی کھڑا تھا۔ ایک تاریک انسانی سایہ..... حمید نے اندھیرے میں بھی اُسے پہچان لیا۔ وہ سنگ ہی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ شائد وہ دوسرے کمرے کے لوگوں کی گفتگو سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دونوں سنگ ہی سے تھوڑے فاصلے پر اندھیرے میں دبک گئے۔ گفتگو کرنے والوں کی آوازیں اُن تک صاف پہنچ رہی تھیں۔

"اب تم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" کسی نے امریکن لہجے میں کہا۔

"اُف.... میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں۔" حمید نے لوتھر کی آواز صاف سنی۔

"یقین....!" امریکن غرا کر بولا۔ "ہم ابھی ابھی اپنا چھٹا ساتھی گنوا چکے ہیں۔"

"تو میرا کیا قصور ہے اُسے سنگ ہی نے مارا ہوگا۔ میں نے آج تک کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا.... اور اگر تم کہتے ہو کہ تمہیں الماری میں چمڑے کا تھیلا نہیں ملا تو یقین جانو اُسے بھی سنگ ہی اڑا لے گیا ہے۔"

"تم میں اور اُس ولد الحرام چینی میں فرق ہی کیا ہے؟"

"آہ.... فرق۔ اس نے مجھے برباد کر دیا۔ وہی کتا مجھے جنوبی امریکہ لے گیا تھا۔ ایک دلخوش کن داستان سنا کر۔ اُس نے سب کچھ کیا اور پھر اُس نے پوری طرح مجھے اپنی گرفت میں رکھا۔ ورنہ میں کبھی کا اس منحوس چیز کو واپس کر دیتا اور پھر تم لوگوں نے میرے تین آدمیوں کو بھی ختم کر دیا۔"

"بکواس ہے۔" امریکن بولا۔

فریدی دبے پاؤں آگے بڑھا اور اس نے پردے کے قریب کھڑے ہوئے سنگ ہی کی کمر پر اتنے زور کی لات رسید کی وہ دھڑام سے دوسری طرف جا گرا اور فریدی بھی بڑی پھرتی سے اپنی جگہ پر واپس آگیا۔ دوسرے کمرے میں شور مچ گیا شائد وہ سب بیک وقت سنگ ہی پر ٹوٹ پڑے تھے۔

"واہ.... وا.... کیا مقدر ہے۔" ایک ہانپتی ہوئی آواز آئی۔ "وہ تو اس چینی کی گردن ہی میں محفوظ ہے۔"

"گردن کاٹ کر نکال لو۔" غرائی ہوئی سی آواز آئی۔ "مگر نہیں پہلے اسے بھی کرسی میں جکڑ دو۔"

کئی آدمیوں کی بڑبڑاہٹیں کمرے میں گونجنے لگیں شائد وہ سنگ ہی کو کرسی میں جکڑنے لگے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد فریدی پردہ ہٹا کر دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

"ہیر ہیر۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "لیکن تم لوگ اپنے ہاتھ اوپر ہی اٹھائے رکھو۔ یہ بھی ایک آزاد ہی مملکت کی پولیس ہے۔"

سنگ ہی اور لوتھر کے علاوہ کمرے میں تین آدمی اور تھے ان میں سے ایک دو کو حمید دیکھ چکا تھا۔ تیسرا آدمی البتہ اس کے لئے نیا تھا۔ وہ ایک بوڑھا آدمی تھا چہرے پر سفید ڈاڑ اور سر پر عورتوں کے سے لمبے لمبے بال تھے۔ ناک نوکیلی اور لمبی تھی۔ آنکھیں چھوٹی اور تھیں لیکن یہ بھی سفید فام ہی تھا۔ سنگ ہی اور لوتھر کرسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ سنگ گریبان کھلا ہوا تھا۔ حمید نے دیکھا کہ اُس کے گلے میں چاندی کا ایک موٹا سا طوق پڑا ہوا ہے

"آخر تم آ ہی گئے.... میری گرفت میں۔" فریدی نے سنگ ہی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کرنل تم دیکھتے نہیں کہ کم بختوں نے میرے مالک کو باندھ رکھا ہے۔" سنگ ہی بولا۔

"چپ رہو حرامزادے۔" لوتھر گرجا۔ "میں تجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔"

"تم نے ہمیشہ میری بے قدری کی ہے۔" سنگ ہی نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن یہ طوق کیسا ہے سنگ۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"مہاتما بدھ کے نام کا ہے۔" سنگ ہی نے کہا۔

"یہ جھوٹ ہے۔" بوڑھا سفید فام چیخا۔ "اس نے یہ طوق مردہ شہزادی کے گلے سے تھا۔ یہ ہمارے لئے بہت مقدس ہے۔ میں انڈس کی زیارت گاہ کا ایک پجاری ہوں۔ یہ طوق دیوتا کے نام کا ہے۔ ہمارے لئے مقدس ترین۔"

"بس اتنی ہی سی بات ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"تمہارے لئے یہ چیز کوئی وقعت نہیں رکھتی ہوگی۔ ہمارے لئے یہ ایک مقدس امانت ہ

"خوب...." فریدی ہنس پڑا۔ پھر اس نے سنگ ہی سے پوچھا۔ "کیوں سنگ.... کیا تم سورج دیوتا کے پجاری ہو۔"

اس پر سنگ ہی نے جھلا کر سورج دیوتا کے سارے خاندان والوں کی ماؤں کی شان قصیدہ پڑھ دیا۔

"لیکن سنگ....!" فریدی نے پھر پوچھا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اس بے حقیقت چا کے طوق کے لئے اتنی دور کیوں گئے اور تم نے اسی کے لئے نہ صرف ان لوگوں کے چھ مارے بلکہ اپنے بھی تین آدمی ختم کر دیئے.... آخر کیوں۔"

"یہ سراسر جھوٹ ہے۔"

"نہیں پیارے کیچوے یہ درست ہے میں نے تمہارے سامان سے چمڑے کی پٹی اور وہ زہر آمد کر لیا ہے اس کا تجزیہ کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہی زہر ہے جس کی علامتیں نیلی لکیروں میں گئی تھیں۔ تم نے اپنے تینوں ساتھیوں کو محض اس لئے ختم کر دیا کہ انہوں نے تمہیں مردہ ی کے گلے سے طوق اتارتے دیکھا تھا.... اور یہ بھی سن لو سنگ! وہ پٹھان سنتری میں ہی تھا۔ لکیر کے دوسرے حادثے کے بعد ہی سے میں نے اس کیس میں دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ نیلی لکیروں کے راز سے واقف تھا اور یہ جانتا تھا کہ تم نے شہزادی کی لاش کے لئے اتنا لمبا سفر ں کیا تھا۔ جرمن مصنف کا وہ سفر نامہ جو تمہارے اس سفر کا محرک ہوا تھا میری نظروں سے ی گذر چکا ہے.... سمجھے.... فرزند....!"

سنگ ہی کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ لیکن اُس نے دوسرے ہی لمحے میں قہقہہ لگایا۔ بالکل ایسا معلوم ہوا ہے وہ فریدی کا مذاق اڑا رہا ہو۔

فریدی اس کے قہقہے کی پرواہ کئے بغیر بولا۔ "حمید! سنگ ہی کی گردن سے طوق اتار لو۔ ردار کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے ورنہ گولی مار دوں گا۔"

دوسرے ہی لمحے میں بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور کئی مسلح سب انسپکٹر اس کمرے ں گھس آئے۔ حمید نے آگے بڑھ کر طوق سنگ ہی کی گردن سے اتار لیا۔ فریدی اُسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ اچانک وہ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گرا۔ پھر اُسے اٹھاتے وقت اس کے منہ سے ہلکی سی تحیر آمیز آواز نکلی۔ طوق کی موٹائی بڑھ گئی تھی۔ حمید نے غور سے دیکھا تو اس پر یہ حقیقت کھلی کہ طوق کے گرد چاندی کا ایک بڑا سا پتر لپٹا ہوا تھا جس کی بندش اب ڈھیلی ہوگئی تھی۔ فریدی نے اُسے پھیلا دیا۔ یہ ایک بالشت لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا۔

"خوب....!" فریدی ہنس کر بولا۔ "تو وہ افواہ جو اُس جرمن مصنف نے اپنے سفر کے دوران میں سنی تھی صحیح نکلی۔"

"کیسی افواہ۔" حمید نے پوچھا۔ "کیا وہ کتاب آپ کو مل گئی تھی۔"

"ہاں! افواہ یہ تھی کہ شہزادی کے پاس شاہی خاندان کے مدفون خزانے کا نقشہ تھا اور شائد اس پتر میں وہی نقشہ ہے اور قدیم تصویری انداز کی ایک تحریر بھی ہے۔ جسے آج کل کے زمانے یں شائد ہی کوئی سمجھ سکے۔ کیوں سنگ! کیا تم اسے سمجھ سکتے ہو۔"

سنگ ہی کچھ نہ بولا۔ اس کا چہرہ بالکل تاریک ہو گیا تھا نہ صرف اُس کی بلکہ اُن تینوں
فاموں کی حالت بھی غیر نظر آنے لگی تھی۔

فریدی نے سنگ ہی سے کہا۔ "لوتھر کو تم نے اس لئے زندہ رکھا کہ وہ دولت مند
اُسے دوسرے سفر کے اختتام تک زندہ رکھنا چاہتے تھے اور شائد مقصد پورا ہو جانے کے بعد
اُسے بھی ختم کر دیتے۔"

"کیسا مقصد....!" حمید نے پوچھا۔

"خزانے کی تلاش میں کامیابی۔"

"کیا میں اس وقت کوئی جاسوسی ناول خواب میں دیکھ رہا ہوں۔" حمید نے اپنے گال میں
لے کر کہا۔

"زیادہ تر حقیقت ہی افسانہ بنتی ہے۔"

اس کے بعد ان سب کے ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔



پانچ کاریں آگے پیچھے شہر کی طرف جا رہی تھیں۔ ان میں قیدی تھے۔ سب سے آگے وا
کار میں سنگ ہی تھا۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی اور ہتھکڑی کا دوسرا حلقہ ایک سب
انسپکٹر نے اپنے بائیں ہاتھ میں ڈال رکھا تھا جیسے ہی دریا کا پل قریب آیا سنگ ہی نے بائیں ہاتھ
سے اپنے کوٹ کا کالر ٹٹول کر ایک باریک سی سوئی نکالی۔

سب انسپکٹر نہایت اطمینان سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ سنگ ہی کا بایاں ہاتھ اس کی ران کی
طرف رینگ گیا۔

"اررر....!" سب انسپکٹر کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا اور پھر وہ شائد دوسرے ہی لمحے میں
ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ سنگ ہی نے بڑی صفائی سے اپنا داہنا ہاتھ ہتھکڑی سے نکال کر مر
سب انسپکٹر کے ہولسٹر سے ریوالور نکالا اور پھر اُس کی نال ڈرائیور کی گردن پر رکھتا ہوا سانپ کی
طرف پھپھکارا۔

"روک دو....ورنہ گولی مار دوں گا۔"

کار پل پر پہنچ چکی تھی، جیسے ہی ڈرائیور نے رفتار کم کی سنگ ہی نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔

پھر ایک شور قیامت اٹھا۔ ساری کاریں رک گئیں۔ فریدی بھاگتا ہوا اگلی کار کی طرف آیا۔
پھر بوکھلا کر پل سے نیچے دیکھنے لگا۔ کئی ٹارچوں کی روشنیاں دریا کی سطح پر متحرک نظر آ رہی تھیں
لیکن سنگ ہی کا کہیں پتہ نہ تھا۔



دوسرے دن سفید فام قیدی امریکن سفارت خانے کے سپرد کر دیئے گئے کیونکہ اُن کے
پاس امریکن پاسپورٹ تھے۔ سفارت خانے سے معلوم ہوا کہ وہ امریکہ کے معزز شہریوں میں سے
تھے۔ بوڑھا جس نے خود کو انڈس کی زیارت گاہ کا پجاری بتایا تھا امریکہ کا ایک ماہر آثار قدیمہ نکلا۔
لیکن اُن تینوں نے اپنے سفارت خانے کے آفیسروں سے کسی طوق کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ مقامی
افسروں ہی نے اس قسم کا کوئی سوال اٹھایا۔ طوق سرکاری تحویل میں چلا گیا تھا۔

بہر حال معاملہ بالکل دبا دیا گیا۔ تین چار دن بعد لوتھر کی ضمانت منظور ہو گئی۔ سارے
الزامات سنگ ہی کے خلاف تھے لیکن سنگ ہی کا کہیں سراغ نہ ملا۔ دریا میں میلوں تک اس کی
لاش کے لئے جال ڈالے گئے لیکن لاش بھی نہ ملی۔ یہ تو سوچا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ اتنی بلندی سے
کودنے کے بعد وہ زندہ بچا ہو گا۔

فریدی کو اس کا افسوس تھا کہ سنگ ہی کو عدالت میں پیش نہ کر سکا۔ نیلی لکیر کا راز اُس نے
حل کر لیا تھا اور یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ یہ سب ہنگامہ کس بناء پر ہوا تھا۔ لیکن اس سے اس کی
تشفی نہیں ہوئی تھی۔ وہ سنگ ہی کو ایک حقیر کیڑے کی طرح مسلنا چاہتا تھا۔

طوق سے اُسے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن اُسے کیا معلوم تھا کہ ایک دن طوق اُسی کے گلے لگے
گا اور اُسے اُسکے ساتھ ایک دور افتادہ سرزمین میں طرح طرح کے خطرات کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔

حمید کو اس کی مطلق پرواہ نہیں تھی کہ کیا نہ ہوا اور کیا ہونا چاہئے تھا۔ اُسے اس کیس میں
صرف ایک فائدہ ہوا۔ وہ یہ کہ اکثر شامیں سارہ کے ساتھ گذرتی رہیں۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 43

تاریک سائے

(مکمل ناول)

پیش رس

"تاریک سائے" اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ لوگ اب بھی اس دنیا میں زندہ ہیں جن کے اندر نسلی برتری کا احساس موجود ہے جو اٹھارویں صدی کے ماحول کی طرح آج بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے علاوہ دیگر اقوام ذلیل اور کمتر ہیں۔ ایسے افراد کتنے بھیانک، انسانیت کے لئے کتنے تباہ کن اور تہذیب و تمدن کے لئے کتنے مضرت رساں ہوتے ہیں۔ اس کا اندازہ آپ کو اس کہانی کے ایک کردار سے ہو سکے گا۔

اس کہانی میں ایک چھپا ہوا گہرا طنز بھی ہے۔ ان لوگوں پر جو دوسروں کی ایجادات پر، دوسروں کے کارنامے پر اپنی شہرت کی عمارتیں کھڑی کرتے ہیں وہ چاہے سائنٹسٹ ہوں، فلسفی، مصنف یا کاریگر! آخری صفحات میں فریدی کی زبان سے ایسے نقالوں کا پردہ فاش ہوتے دیکھئے! حالانکہ فریدی صرف مجرم کے بارے ہی میں بتاتا ہے لیکن یہ بات ہر اس فرد پر عائد ہوتی ہے جو دوسرے کی ایجاد کے امتیاز کو چھین کر اپنا بنانا چاہتا ہے۔

ابن صفی نے اس کہانی میں دو تین باتیں جان بوجھ کر چھوڑ دی ہیں۔ ان کے اشارے بہت لطیف ہیں۔ آپ خود سوچئے کہ فریدی نے ایسا کیوں کیا؟ اور تھوڑا سا سوچنے پر آپ کو اس کا جواب مل جائے گا۔ ابن صفی اپنے قارئین کی ذہانت کے قائل ہیں اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کی کہانیاں صرف "پڑھنے والی ڈھرے کی چیز" نہ رہ جائیں۔ بلکہ ان میں ذہانت بھی ہو، معلومات بھی ہو، غور و فکر بھی ہو اور گہرائی بھی ہو۔ اس گہرائی اور بلند فکری کی مثال اس کہانی میں چھوٹے چھوٹے وہ سینکڑوں جملے ہیں جو پروفیسر داغ کی زبان سے کہلوائے گئے ہیں یا فریدی نے انہیں ادا کیا ہے۔

اس سب کے علاوہ "تاریک سائے" کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا ہیبت ناک ماحول ہے۔ سنسنی خیز، پُر اسرار، رونگٹے کھڑے کر دینے والا ماحول! کہیں کہیں تو دل کی دھڑکنیں اتنی تیز ہو جاتی ہیں کہ آپ ہی آپ سارا جسم کانپ اٹھتا [illegible] آخری صفحات کا تھرل، دہشت ناک ماحول، ہیبت ناک واقعات بھیانک، خوفنا[illegible] ینے والے مناظر آپ ہی اپنا جواب ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے سب کچھ سامنے ہی ہو رہا ہے۔

پبلشر

کار میں لاش

سورج غروب ہوتے ہی سارے شہر پر دھند چھا گئی اور سردی کی شدت سے سڑک پر چلنے والوں کے دانت بجنے لگے۔ حمید کو اس کی توقع نہیں تھی کہ سردی اچانک اتنی بڑھ جائے گی۔ وہ دوپہر کو آفس سے نکل بھاگا تھا اور اس کے جسم پر فاختئی رنگ کے آئیرن کا ہلکا سا سوٹ تھا....

اور اب اس وقت وہ سردی کا احساس کم کرنے کے لئے بالکل اسی انداز میں انگریزی کا ایک سونیٹ گنگنا رہا تھا، جیسے سردی کھائے ہوئے کتے کے پلے بے ہنگم آواز میں چیاؤں چیاؤں کرتے ہیں۔

مشکل تو یہ تھی کہ وہ فی الحال گھر بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ حقیقتاً وہ ایک خوبصورت عورت کا تعاقب کر رہا تھا اس کی کار آگے تھی اور حمید ایک ٹیکسی میں بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ آخر اس عورت میں کونسی ایسی خاص بات ہے جو اسے تعاقب جیسی لغو حرکت پر اکسا دیتی ہے۔ وہ کئی دن سے اس کا تعاقب کر رہا تھا اور ابھی تک کوئی ایسا موقع ہاتھ نہیں آیا تھا جس سے فائدہ اٹھا کر وہ اس سے تعارف حاصل کر سکتا۔ بس وہ اسے روزانہ کہیں نہ کہیں دکھائی دے جاتی تھی اور وہ اس کا تعاقب شروع کر دیتا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسی حرکت میں "مبتلا" تھا۔

اگلی کار شہر کی متعدد سڑکوں سے گذر کر اس ویران سڑک پر ہولی جو نیاگرہ ہوٹل کی طرف جاتی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر وہ نیاگرہ ہوٹل ہی جا رہی ہے تو اس کا تعلق یقیناً کسی دولت مند گھرانے سے ہوگا۔

تھوڑی دیر بعد کار نیاگرہ ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ حمید نے اپنی ٹیکسی باہر ہی رکوالی۔ وہ اکثر یہاں آ چکا تھا۔ لیکن اس وقت کچھ اس بری طرح وہ عورت اس کے ذہن پر سوار

تھی کہ اسے یہاں کے قواعد وضوابط بھی یاد نہ رہے۔

عورت ڈائننگ ہال میں داخل ہو چکی تھی۔ اس کے بعد ہی حمید نے بھی اندر گھسنا چاہا۔ لیکن باہر کھڑے ہوئے بل کیپٹن نے اُسے رکنے کا اشارہ کیا اور ساتھ ہی اس نے ایک نوٹس بورڈ کی طرف انگلی اٹھائی جس پر تحریر تھا "شام کی تفریح کے لئے ایوننگ سوٹ میں آنا ضروری ہے۔"

"میں ڈیوٹی پر ہوں.... سمجھے۔" حمید جھلا گیا۔

"حضور والا! میں بھی ڈیوٹی ہی پر ہوں۔" بل کیپٹن نے بڑی لجاجت سے کہا۔

"میرا کارڈ منیجر تک پہنچا دو۔" حمید اسے گھور کر بولا۔

"یہ ہو سکتا ہے جناب۔" کیپٹن نے مسکرا کر کہا۔ پھر ایک بل بوائے کو اشارے سے بلا کر بولا۔

"صاحب کا کارڈ.... منیجر صاحب تک پہنچا دو۔"

حمید نے کارڈ نکال کر اُسے دے دیا۔

تھوڑی دیر بعد منیجر خود دروازے پر موجود تھا۔

"اوہ کیپٹن صاحب! مجھے افسوس ہے۔" منیجر نے کہا۔ "بل کیپٹن کی کوئی غلطی نہیں۔ آپ یہاں کے لئے نئے بھی نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے کہا۔ "میں ایک آدمی کی نگرانی کر رہا ہوں اور اتفاق سے میرے محکمے کا قانون ایوننگ سوٹ کی قطعی پرواہ نہیں کرتا۔"

"کیا کوئی خاص بات ہے۔" منیجر مضطربانہ انداز میں بولا۔ "آج یہاں کرنل صاحب بھی موجود ہیں۔"

"کون....!" حمید چونک کر بولا۔ "کیا فریدی صاحب۔"

"جی ہاں.... اور وہ ہمیشہ ہی خاص مواقع پر آتے ہیں۔"

حمید بوکھلا گیا۔ اس نے منیجر سے صریحاً جھوٹ بولا تھا۔ اگر فریدی کو اس حرکت کی اطلاع ہو جاتی تو وہ اس کی چمڑی ادھیڑ دیتا۔ اب مصیبت یہ تھی کہ وہ منیجر سے اس قسم کی گفتگو کرنے کے بعد واپس بھی نہیں جا سکتا تھا۔

"آپ اندر تشریف لا سکتے ہیں۔ لیکن آپ کو کرنل صاحب ہی کی میز پر بیٹھنا پڑے گا۔ وہ اپنی میز پر تنہا ہیں۔ بقیہ ساری میزیں بھری ہوئی ہیں۔"

حمید کی بوکھلاہٹ اور بڑھ گئی۔

"بہت اچھا....!" وہ جلدی سے بولا۔

اندر پہنچ کر ایک ویٹر نے فریدی کی میز تک اُس کی رہنمائی کی۔

فریدی کے سامنے کافی کی ٹرے رکھی ہوئی تھی اور وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے سگار پی رہا تھا۔ اس نے حمید کو تحیر آمیز نظروں سے دیکھا۔

حمید جلدی سے بیٹھتا ہوا بولا۔ "آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا.... میں نے سنا تھا....!"

"تم اس سوٹ میں یہاں کیسے؟" فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اوہ.... میرے لئے کہیں کوئی پابندی نہیں۔ میں بہت گریٹ آدمی ہوں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ صرف اُسے گھورتا رہا۔

حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میں وہسکی پیوں گا۔"

"آج میں نے ایسے جوتے پہن رکھے ہیں جنہیں اتارنے میں زیادہ جھنجھٹ نہ کرنی پڑے گی۔"

"بغل میں دبا کر بھاگئے گا....؟" حمید نے ڈھٹائی سے پوچھا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس نے پیالے میں کافی انڈیلی اور اس میں دودھ ڈالے بغیر شکر ملانے لگا.... حمید اس کی خاموشی سے اکتا کر چاروں طرف نظر دوڑانے لگا۔ لیکن وہ عورت اُسے کہیں نظر نہ آئی۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"اُسی عورت کے لئے جس کے پیچھے تم آئے ہو۔"

"کیا....؟" حمید بوکھلا گیا۔ "میرے خدا کیا سچ مچ آپ جادوگر ہیں۔"

"نہیں.... لیکن میں تم سے زیادہ تجربہ کار ہوں۔ اس بات کا اندازہ میں نے تمہارے سوٹ سے لگایا ہے۔"

"سوٹ سے! بھلا وہ کس طرح۔"

"اگر تم گھر ہی سے یہاں آنے کا ارادہ کر کے چلے ہوتے تو ایوننگ سوٹ پہن کر آتے۔ تم نے شائد اسے راہ میں دیکھ لیا اور اپنی گندی عادت سے مجبور ہو کر اس کے پیچھے لگ گئے۔"

حمید کچھ نہ بولا.... فریدی نے سگار کا کش لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم یہ بھی نہیں

جانتے کہ وہ ہے کون۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"تمہارا سوٹ ہی یہ کہنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اگر تم اس سے واقف ہوتے تب بھی اس وقت تمہارے جسم پر ایوننگ سوٹ ہوتا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"ابھی سمجھ لو گے۔"

"خیر وہ تو میں پھر سمجھ لوں گا۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "لیکن یور ہارڈ شپ نے کب سے عورتوں کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا۔"

"اس کا جواب یہ ہے کہ مجھے بھی بعض عورتیں دلچسپی لینے پر مجبور کر دیتی ہیں۔"

"اچھا....!" حمید نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔ "تو وہ ایسی ہی عورت ہے۔"

"اس سے بھی کچھ زیادہ۔"

"تب تو پھر آپ مجھے اس سلسلے میں بُرا نہیں کہہ سکتے۔" حمید چہک کر بولا۔

"جب کرنل ہارڈ اسٹون جیسا آدمی اس کے لئے ہوٹل گردی کر سکتا ہے.... تو یہ خاکسار؟.... ظاہر ہے۔"

فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

اچانک آرکسٹرا نے موسیقی شروع کر دی اور حمید کو یاد آیا کہ آج تو نیاگرا ہوٹل میں ایک اسپیشل پروگرام تھا۔ اس نے صبح ہی اخبار میں اس کے متعلق دیکھا تھا۔ اٹلی کی رقاصہ گریٹا سیرانو اپنے آرٹ کا مظاہرہ کرنے والی تھی۔

حمید کی نظر اسٹیج کی طرف اٹھ گئی جس کا جھلملاتا ہوا پردہ درمیان سے شق ہو کر آہستہ آہستہ دائیں بائیں سرک رہا تھا۔

اور پھر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے اسی عورت کو اسٹیج پر کھڑے دیکھا جس کا تعاقب کرتا ہوا وہ یہاں تک آیا تھا۔ اس وقت وہ جسم کے گداز کی نمائش کرنے والے مغربی لباس میں تھی۔ حمید اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر بڑبڑایا۔ "لاحول ولا قوۃ.... پھوٹ جائیں گی کنواروں کی آنکھیں۔"

"کیوں....؟" فریدی بولا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ تم اس کی شخصیت سے ناواقف ہو۔"

"مجھے حیرت ہے کہ یہی گریٹا ہے میں تو اسے مشرقی عورت سمجھا تھا۔ لاحول ولا قوۃ.... میں چلا۔"

"کیوں؟ بیٹھو....!" فریدی بولا۔

"قسم لے لیجئے جو میں اس کی ٹانگیں دیکھنے کی غرض سے آیا ہوں۔" حمید نے اپنا منہ پیٹتے ہوئے کہا۔ "اس قسم کا نیم عریاں رقص دیکھ کر ہفتوں میرا دل گوشت کھانے کو نہیں چاہتا.... اور پھر یہ مغربی طرز کا رقص لاحول ولا.... بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی منہ زور مینڈھا ہوا سے لڑ رہا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ رقص دیکھنے کے بجائے ہال کی میزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ لوگوں نے اپنے مشاغل ترک کر دیئے تھے اور اب اتنے انہماک سے اسٹیج پر تھرکتے ہوئے نیم عریاں جسم کو دیکھ رہے تھے۔ جیسے وہ پیدا ہونے کے بعد سے اب تک اسی کے منتظر رہے ہوں۔

گریٹا ناچتے ناچتے اسٹیج سے ہال کے فرش پر اُتر آئی۔ اب اس نے ایک اطالوی گیت بھی شروع کر دیا تھا۔ وہ ناچتے ناچتے کسی میز کے قریب رک کر لوگوں کو چھیڑتی اور پھر ناچتی ہوئی دوسری طرف گھوم جاتی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ریشمی رومال تھا جسے وہ اکثر تماشائیوں کے چہروں پر لہراتی جاتی تھی۔

"یور ہارڈ شپ....!" حمید بولا۔ "اگر یہ ادھر آگئی تو کیا ہوگا۔"

"تمہیں بخار کیوں چڑھ رہا ہے۔"

"مجھے آپ کی فکر ہے۔ میرا بخار تو اب کافی پرانا ہو چکا ہے۔"

"میری فکر نہ کرو۔ میں روزانہ ڈھائی سو ڈنڈ لگاتا ہوں اور پانچ سو بیٹھکیں اور نہ میں ترکاری خور ہوں۔"

"ادھر ہی آرہی ہے۔" حمید بے چینی سے پہلو بدلتا ہوا بولا۔

"اپنی ناک پر رومال رکھ لو....!" فریدی نے کہا اور خود بھی جیب سے رومال نکال کر اس طرح ناک پر رکھ لیا کہ دہانہ بھی چھپ گیا۔

حمید کے لئے یہ مشورہ مضحکہ خیز ضرور تھا۔ لیکن فریدی کو اس حرکت کی بے ساختگی نے

اُسے بھی ناک پر رومال رکھنے پر مجبور کر دیا۔

گریٹا ان کے سروں پر بھی اپنا ریشمی رومال ہلاتی ہوئی گذر گئی۔

"کیا بدبودار تھی؟" حمید نے منہ پر سے رومال ہٹا کر کہا۔

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا مگر کچھ بولا نہیں۔

گریٹا دور نکل گئی تھی۔ فریدی نے اپنے منہ پر سے رومال ہٹایا اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اس کی آنکھیں اب بھی گریٹا کا تعاقب کر رہی تھیں۔

"آخر یہ ہے کیا معاملہ۔" حمید نے پوچھا۔

"کیسا معاملہ....!"

"کیا گریٹا کے حسن نے آپ کو متاثر کیا ہے۔"

"اگر میں حسن کی حقیقت سے واقف نہ ہوتا تو شائد تم یہ کہہ سکتے تھے۔"

"حسن کی حقیقت.... میں نہیں سمجھا۔"

"کیا تم کسی ایسی عورت کو پسند کرو گے جس کی گردن ایک فٹ لمبی ہو۔"

"کیا آپ مجھے کسی اونٹنی سے عشق کرنے کا مشورہ دیں گے۔"

"بہرحال تم نہیں پسند کرو گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ایسی عورت تمہیں مضحکہ خیز معلوم ہوگی۔ مگر ایک ایسا قبیلہ بھی ہے جس کے افراد کی نظر میں حسین ترین وہی ہے جس کی سب سے زیادہ لمبی گردن ہو۔ وہ لوگ اپنی لڑکیوں کی گردنیں بڑھانے کی تدبیر ان کے بچپن ہی کے زمانے سے شروع کر دیتے ہیں اور اس قبیلے میں ایک ایک فٹ لمبی گردنیں پائی جاتی ہیں۔ دنیا میں ایک ایسی قوم بھی ہے جس کی نظروں میں حسن کا معیار حد سے زیادہ چپٹی ناک ہے؟ کیا تم کسی نک چپٹی عورت کو پسند کرو گے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ حسن بکواس ہے جس چیز کے معیار کا کوئی تعین ہی نہ ہو اس کا تذکرہ ہی میں فضول سمجھتا ہوں۔"

"ہز ہارڈ شپ والئی ریگستان کی رائے درست معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس طرح تو زندگی ممکن نہیں۔"

"تو کیا میں مر گیا ہوں۔"

"قطعی! جس کا احساس حسن فنا ہو جائے اُسے میں مردہ ہی سمجھتا ہوں۔" حمید بولا۔

"تب تم یقین جانو! میں مرا نہیں ہوں۔ مجھے اپنی آئیرڈیل ٹیریئر کتیا کے پلے بڑے ح
معلوم ہوتے ہیں۔"

حمید اس گفتگو سے اکتا کر پھر گریٹا کی طرف متوجہ ہو گیا جو اب اسٹیج پر واپس چلی گئی تھی اسٹیج کے پردے کے دونوں ٹکڑے آہستہ آہستہ ایک دوسرے کی طرف کھسک رہے تھے۔

آخر کار آرکسٹرا کی موسیقی بند ہو گئی اور ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

"آپ نے بیکار باتوں میں الجھائے رکھا۔" حمید نے دفعتاً فریدی سے کہا۔ "ناک پر رو
رکھنے کا کیا مطلب تھا۔"

"حمید صاحب! یہ ایک لمبی داستان ہے۔ ابھی نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔"

"بہتر ہے جناب۔" حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تم جانتے ہو کہ مجھے ہوٹلوں کی تضیع اوقات سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"مجھے کچھ بھی جاننے کی ضرورت نہیں۔"

"کچھ بھی ہو.... میں تمہیں گریٹا سے دور ہی رہنے کا مشورہ دوں گا۔"

"کیا وہ سچ مچ بہت بدبودار ہے۔"

"حمید صاحب! میں اس وقت سنجیدہ ہوں۔" فریدی بولا۔

"آخر کیوں! آپ اس کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔"

"شائد میں کل تک اس مسئلے پر روشنی ڈالنے کے قابل ہو سکوں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا

"کون سا مسئلہ! کیسا مسئلہ۔"

"کل بتاؤں گا.... آج کی رات میرے لئے فیصلہ کن ہو گی۔"

تھوڑی دیر بعد پھر موسیقی شروع ہو گئی۔ پردہ سرکا اور اس بار گریٹا کے جسم پر پہلے سے
کم کپڑے نظر آرہے تھے۔ رقص شروع ہو گیا۔ اس بار تو اس نے کوئی گیت ہی چھیڑا اور نہ اسٹیج
نیچے اتری۔ رقص حزینہ تھا اور انداز بیلے سے ملتا جلتا تھا۔ مگر اسے مکمل طور پر بیلے بھی نہیں
جا سکتا تھا کیونکہ وہ اسٹیج پر تنہا تھی اور اس کا لباس بھی بیلے کے لئے موزوں نہیں تھا۔ وہ کسی خا

قسم کا اطالوی رقص بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ گریٹا کی اپنی ہی کوئی جدت رہی ہو۔

حزینہ موسیقی کی وجہ سے ہال کی فضا کچھ بوجھل سی ہو گئی تھی۔ لوگ بے حس و حرکت بیٹھے تھے۔ کسی کے بھی ہونٹ ہلتے ہوئے نظر نہیں آرہے تھے۔

اچانک ہال میں بیٹھا ہوا ایک آدمی کچھ ایسی بدحواسی کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا کہ میز الٹ گئی۔ لوگ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ بے تحاشہ دروازے کی طرف بھاگ رہا تھا۔ لوگوں نے بڑی حیرت سے اس کی یہ حرکت دیکھی لیکن اپنی جگہ سے ہلے بغیر پھر رقاصہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ البتہ ہوٹل کا عملہ ضرور بدحواس ہو گیا تھا۔

فریدی بڑی تیزی سے اپنی کرسی سے اٹھا اور حمید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا دروازے کی طرف چل پڑا۔

ہال سے اٹھ کر بھاگنے والا گرتا پڑتا گیراج کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ گیراج کے قریب پہنچ کر اس نے غالباً اپنے ڈرائیور کو آواز دی۔

پھر انہوں نے اسے ایک کار میں گھستے دیکھا۔ فریدی نے بھی گیراج سے اپنی کیڈی نکال لی اور پھر آگے جانے والی کار کا تعاقب شروع ہو گیا۔

سڑک سنسان پڑی تھی۔ نیاگرا ہوٹل دراصل شہر کے باہر ایک پر فضا مقام پر واقع تھا۔ اس لئے اس سڑک پر ٹریفک کی زیادتی نہیں ہوتی تھی۔ مگر یہ تعاقب حمید کی سمجھ میں نہ آیا کیونکہ دونوں کاروں کا فاصلہ دس گز سے کسی طرح بھی زیادہ نہ رہا ہو گا۔

اچانک انہوں نے ایک بھیانک چیخ سنی اور ساتھ ہی اگلی کار رک گئی۔ فریدی نے اگر پورے بریک نہ لگائے ہوتے تو کیڈی یقیناً اگلی کار سے ٹکرا جاتی۔

فریدی نیچے اتر کر اگلی کار کی طرف جھپٹا۔ اس کار کا ڈرائیور بھی بدحواس ہو کر اپنی سیٹ سے کود پڑا تھا۔ پھر حمید نے ڈرائیور کی چیخ سنی۔

"ارے.... یہ صاحب کو کیا ہو گیا۔"

خوفناک وبا

حمید بھی کیڈی سے اُترا۔ اتنی دیر میں فریدی اپنی جیب سے ٹارچ نکال چکا تھا۔

پھر حمید نے کار کی پچھلی سیٹ پر ایک لاش دیکھی۔ اس آدمی کی لاش جو ہال سے اٹھ کر ب
تھا۔ یہ متوسط عمر کا ایک وجیہہ آدمی تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی کہہ رہی تھی کہ مرنے والے
زندگی میں خاص قسم کے کارنامے انجام دیئے ہوں گے۔

ڈرائیور.... قریب ہی کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا اور وہ جب بھی بولنے کی کوشش کرتا اس
زبان لڑکھڑا جاتی اور حلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکلنے لگتیں۔

فریدی ٹارچ کی روشنی میں خصوصیت سے مرنے والے کے ناخنوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ انگلیوں کا گوشت چھوڑ کر تقریباً چوتھائی انچ اوپر اٹھ گئے تھے۔ ہاتھوں اور پیروں کے سارے ناخنوں کی ٹھیک یہی حالت تھی۔

"اوہ.... یہ ناخنوں والی وبا۔" حمید نے کہا اور اس طرح گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا جیسے اسے بھی اس وبا کا شکار ہو جانے کا احتمال ہو۔

"ناخون والی بیماری۔" ڈرائیور خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"ڈرو نہیں.... یہ چھوت کی بیماری نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "چلو لاش سیدھی ہسپتال جائے گی۔"

"گھر.... دو.... والے۔" ڈرائیور ہکلایا۔

"فکر نہ کرو.... اس کا الزام تم پر نہ ہوگا۔ ہمارا تعلق پولیس سے ہے۔"

"مگر صاحب.... میرے بال بچے۔" ڈرائیور گھگھیایا۔

"ڈرو نہیں۔ یہ چھوت کی بیماری ہرگز نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ہم بھی تمہارے ساتھ ہی چلیں گے۔"

ڈرائیور طوعاً و کرہاً اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ فریدی اور حمید بھی کیڈی میں آگئے۔ دونوں کاریں چل پڑیں۔

شہر میں آج یہ پانچواں کیس تھا۔ اس سے کچھ عرصہ پیشتر ایسی ہی چار موتیں اور بھی ہو چکی تھیں۔ اس وبا کا شکار ہونے والے پہلے اپنے ناخنوں کی جڑوں میں ہلکی سی سوزش محسوس کرتے تھے پھر یہ سوزش ایک بہت ہی تیز قسم کے درد میں تبدیل ہو جاتی تھی اور پھر جیسے ہی ناخن انگلیوں کا گوشت چھوڑنا شروع کرتے تھے مریض کی موت ہو جاتی تھی۔

اس نئی اور عجیب وبا کے سلسلے میں یہاں کی میڈیکل سوسائٹی نے تحقیقاتی کام شروع کر دیا تھا۔ لیکن اس کے ارکان ابھی تک کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچے تھے۔

نہ صرف شہر بلکہ پورے ملک میں اس وبا کی وجہ سے سنسنی پھیل گئی تھی۔ مگر یہ پانچ موتیں صرف اسی شہر میں ہوئی تھیں اس کے علاوہ اور کسی جگہ سے اس قسم کے کسی کیس کی اطلاع نہیں آئی تھی۔

حمید اس وقت اس طرح خاموش ہو گیا تھا جیسے اس نے موت کے فرشتے کی شکل دیکھ لی ہو۔

"کیا آپ اسی لئے....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ لیکن جملہ پورا کرنے سے قبل ہی اُسے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنا پڑی۔

"ہاں.... میرا آج رات کا تجربہ کامیاب رہا۔"

"آپ کا تجربہ....!" حمید حیرت سے چیخا۔

"تم غلط سمجھے۔" فریدی نے کہا۔ "میں اس کی موت کا ذمہ دار نہیں۔"

"پھر تجربہ کیسا....؟"

"تمہیں پچھلی چاروں موتیں تو یاد ہی ہوں گی۔"

"ہاں.... لیکن....؟"

"سنتے جاؤ۔" فریدی بولا۔ "سب سے پہلا آدمی ایک ٹی پارٹی میں مرا تھا.... اور گریٹا سرانو بھی وہاں موجود تھی۔"

"میرے خدا.... تو.... آپ....!"

"درمیان میں مت بولو۔ ہاں میں اسے کوئی وبا نہیں سمجھتا ہوں جو قدرتی حالات کے تحت آئی ہو۔ دوسرا آدمی ایک مخصوص میٹنگ میں اس وبا کا شکار ہوا تھا.... اور یہ گریٹا وہاں موجود تھی۔ تیسرے آدمی کی موت ایک پکنک پارٹی میں ہوئی تھی۔ گریٹا وہاں بھی تھی۔ چوتھا آدمی ہوٹل ڈی فرانس میں مرا تھا اور گریٹا ہی نے اسے اپنی کار میں ہسپتال تک پہنچایا تھا اور یہ پانچواں آدمی.... تم نے خود دیکھا ہے۔"

"تو گریٹا ہی اس کی ذمہ دار ہے؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ گریٹا مرنے والوں کے قریب کسی نہ کسی

صورت میں ضرور موجود رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محض اتفاق ہی ہو۔"

"ابھی تک تو اس وبا کا سبب ہی نہیں معلوم ہو سکا۔" حمید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ سبب جلد ہی معلوم ہو جائے۔ اس سے پہلے والی لاشیں تجربہ گاہ تک بہ دیر میں پہنچی تھیں اور اب میں اسے سیدھے وہیں لے جا رہا ہوں۔ بعض زہر ایسے بھی ہیں پوسٹ مارٹم میں دیر ہو جانے پر اپنا نشان نہیں ملنے دیتے۔"

"زہر....!" حمید حیرت سے بولا۔

"ہاں ہو سکتا ہے کہ یہ کسی قسم کے زہر ہی کا اثر ہو۔"

"آپ نے وہاں ناک پر رومال کیوں رکھا تھا۔"

"محض یہ دیکھنے کے لئے کہ گریٹا پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔"

"تو آپ نے کیا دیکھا۔"

"میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکا۔ وہ مجھے رومال رکھے دیکھ کر بڑی تیزی سے دوسری طرف مڑ گئی تھی۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر حمید نے پوچھا۔ "کیا آپ اس مرنے والے سے واقف ہیں صورت سے کوئی معزز ہی آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"معزز ترین کہو۔ ایک بہت بڑی ہستی ہمارے درمیان سے اٹھ گئی۔ یہ ملک کا ایک بہت بڑا سائنسدان ڈاکٹر شرف تھا۔ ایٹمی تحقیقات کمیٹی کا صدر۔"

"ارے.... یہ وہی ڈاکٹر شرف ہے۔" حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں.... یہ وہی ہے.... اور ان چاروں کو بھی یاد کرو۔ ان میں سے ایک ماہر انجینئر تھا۔ جس نے حال ہی میں ایک ایسا پاور ہاؤز قائم کرنے کی اسکیم بنانے کا کام شروع کیا تھا جس سے ایک پورے صوبے کے لئے بجلی مہیا ہوتی۔ مرنے والوں میں ایک ماہر جنگ فوجی آفیسر تھا۔ تیسرا ملٹری سیکرٹ سروس کا ایک اعلیٰ ترین دماغ.... اور چوتھا.... جراثیم کا ماہر تھا۔"

"میں نے اس پر غور نہیں کیا تھا۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"محض اسی چیز نے میری رہنمائی کسی سازش کے امکانات کی طرف کی۔ اگر ان میں ایک ایک آدھ عام آدمی بھی ہوتا تو شائد میں اتنی پرواہ نہ کرتا۔"

"تو آپ کئی دنوں سے اس چکر میں ہیں۔"

"میں نے اس دوران میں صرف گریٹا کے متعلق معلومات حاصل کی ہیں۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اگلی کار سول ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی۔

سول ہسپتال کا انچارج خود بھی اس وبا سے متعلق تحقیقات کمیٹی کا ایک رکن تھا۔ اس نے ذرا ہی لاش کو تجربہ گاہ میں پہنچوا کر کمیٹی کے دوسرے ارکان کو فون کرنا شروع کر دیا۔

فریدی وہاں نہیں ٹھہرا۔ وہ پھر نیاگرا ہوٹل میں واپس آ گئے۔ یہاں کے ماحول میں اب کافی تبدیلی ہو گئی تھی۔ رقص کا پروگرام ختم ہو چکا تھا۔

حمید اور فریدی منیجر کے کمرے کی طرف چلے گئے۔ منیجر نے پُر تشویش انداز میں ان کا استقبال کیا۔

"مجھے کچھ پوچھنا نہ چاہئے۔" اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا آپ لوگ ڈاکٹر شرف کی نگرانی کر رہے تھے۔ لیکن ان کا اس طرح اٹھ کر بھاگنا میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

فریدی چند لمحے اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ "ڈاکٹر شرف مر گئے۔"

"کیا....!" منیجر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "پہلے ان کے ناخنوں میں ہلکی سی سوزش ہوئی پھر وہ تیز قسم کے درد کی شکل اختیار کر گئی....!"

"ناخنوں کی وبا....!" منیجر کانپتا ہوا بولا۔ "یہاں.... میرے ہوٹل میں۔"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ان کی میز پر کیا کیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... مجھے افسوس ہے۔ صفائی کے بعد سب کچھ پھکوا دیا گیا۔"

"لیکن اس میز کا ویٹر چیزوں کے متعلق تو بتا ہی سکے گا۔"

"ضرور.... ضرور....!" منیجر نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دباتے ہوئے کہا۔

"میں اسے بلوا رہا ہوں۔"

ویٹر کے انتظار کے دوران میں فریدی نے گریٹا کی گفتگو چھیڑ دی۔

"وہ بہت اچھی رقاصہ ہے۔" اس نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کے پروگرام یہاں عرصے تک ہوتے رہیں گے۔"

"جی نہیں.... صرف تین پروگراموں کا کنٹریکٹ ہے۔ آج پہلا پروگرام تھا۔"

"مگر میرا خیال ہے کہ وہ اب اتنی اچھی رقاصہ بھی نہیں ہے کہ نیاگرا جیسی شاندار جگہ کے لئے موزوں ہو.... کیا کسی نے اس کی سفارش کی تھی۔"

"جی ہاں.... بس یہی سمجھ لیجئے۔" منیجر بولا۔

"ڈاکٹر شرف بہت بڑا آدمی تھا۔" فریدی نے موضوع گفتگو بدل دیا۔

"جی ہاں! مجھے بھی بے انتہا افسوس ہے۔ ہوٹل بھی شائد اب بدنام ہو جائے ہوٹل ڈی فرانس کی مثال میرے سامنے ہے۔"

"غالباً ڈاکٹر شرف آپ کے مستقل گاہک تھے۔"

"جی ہاں؟ آج کے پروگرام میں ہم نے انہیں خاص طور سے مدعو کیا تھا۔"

"کیوں؟ کیا انہیں گریٹا سے کچھ دلچسپی تھی۔"

"پتہ نہیں۔" منیجر بولا۔ "بات یہ ہے کہ یہ ہمارا پرانا دستور ہے۔ ہم اس قسم کے خاص پروگراموں میں اپنے مستقل کرم فرماؤں کو خاص طور سے مدعو کرتے ہیں۔"

فریدی سگار سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"گریٹا بہت حسین ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں.... اطالوی عورتیں عموماً بڑی پرکشش ہوتی ہیں۔"

"جس نے یہاں کے پروگراموں کے لئے اس کی سفارش کی ہوگی۔ بڑا خوش قسمت ہوگا۔"

"کیوں؟ میں نہیں سمجھا۔" منیجر بولا۔

"ارے جناب.... یہ بھی کوئی نہ سمجھنے کی بات ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ گریٹا سے بہت قریب ہوگا۔ مجھے تو اس کی قسمت پر رشک آتا ہے۔"

"اگر آپ سفارش کرنے والے سے واقف ہوتے تو ایسا نہ کہتے۔" منیجر نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ.... تو کیا وہ کوئی عورت ہے۔"

"جی نہیں ایک انتہائی خشک آدمی ہے۔ کیا آپ پروفیسر داخ سے واقف ہیں؟"

"اوہ.... وہ جرمن یہودی۔ ہاں میں اسے جانتا ہوں۔"

"گریٹا کی سفارش اسی نے کی ہے۔"

"مجھے سخت حیرت ہے۔" فریدی نے کہا۔ پھر تھوڑی دیر رک کر بولا۔

"کیا آپ کے اس سے ذاتی مراسم ہیں۔"

"جی ہاں! مجھے دراصل عالموں سے عشق ہے۔ خصوصاً فلسفہ کے عالموں سے۔"

"بہت خوب! ہونا بھی چاہئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آپ خود بھی تو کافی پڑھے لکھے آدمی ہیں۔"

"ارے کہاں صاحب! ابھی تو علم کے سمندر کا ایک قطرہ بھی میرے ہونٹوں تک نہیں پہنچا۔"

"آپ خاکساری سے کام لے رہے ہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "مگر آپ کو پروفیسر داخ کی سفارش پر حیرت تو ضرور ہوئی ہوگی۔"

"کیوں نہیں.... لیکن میں نے ان سے پوچھ گچھ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ گریٹا یوں بھی یہاں کافی مقبول ہو رہی ہے۔ ہو سکتا تھا کہ خود میں ہی اس سے کچھ دنوں بعد کنٹریکٹ کر لیتا.... اوہ.... وہ تو سب ٹھیک ہے مگر ڈاکٹر شرف کی موت۔ کرنل صاحب میں کیا کروں؟.... مجھے کچھ مشورہ دیجئے۔ ہوٹل یقیناً بدنام ہو جائے گا۔ ہوٹل ڈی فرانس کا کیا حشر ہوا۔ آج کل وہاں اُلو بولتے ہیں۔"

"مجھے بھی افسوس ہے کہ یہ حادثہ نیاگرا میں ہوا۔" فریدی بولا۔

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ نیاگرا کا نام ہی نہ لیا جائے۔" منیجر نے کہا۔

"بھلا یہ کس طرح ممکن ہے۔"

"اگر آپ چاہیں تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ سوچئے تو سہی نیاگرا کا ریپوٹیشن خراب ہونے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں کہ بہت بڑا خسارہ ہوگا مگر یہ بات کسی طرح چھپی نہ رہ سکے گی کہ ڈاکٹر شرف بہت ہی غیر معمولی حالت میں اٹھ کر یہاں سے بھاگے تھے۔ آپ سمجھتے ہیں نا میرا مطلب۔ اگر معاملہ صرف ان کے ڈرائیور تک محدود ہوتا تو اس کی زبان بند کر دی جاتی۔"

"تو پھر.... تو پھر میں کیا کروں۔" منیجر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر گہری سانسیں لینے لگا۔

اتنے میں طلب کیا ہوا ویٹر کمرے میں داخل ہوا۔

فریدی نے اس پر یونہی سرسری سی نظر ڈالی۔

"ڈاکٹر شرف کی میز پر تم تھے۔" اس نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ان کی میز پر کیا کیا تھا۔"

"صرف وہسکی اور سوڈا۔"

"کچھ اور.....!"

"جی نہیں..... صرف یہی۔"

"کھلی ہوئی بوتل سے لائے تھے۔"

"جی نہیں! وہ کبھی کھلی ہوئی بوتل سے نہیں لیتے..... ہمیشہ نئی بوتل خود ہی کھولتے ہیں۔"

"سوڈا تم نے کھولا تھا۔"

"جی نہیں......اس میز پر سائفن تھا۔"

"ذرا ایک منٹ۔" منیجر نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "اس سلسلے میں یہ بات بتا دوں سائیفن صرف انہیں لوگوں کی میزوں پر رکھے جاتے ہیں جو پوری بوتل خریدتے ہیں۔"

"اوہ......اچھا......!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ پھر اس نے ویٹر سے کہا۔ "کیا تم وہ سائیفن تلاش کر سکو گے۔"

"حضور! وہ تو ٹوٹ گیا تھا۔ میز الٹ گئی تھی نا۔" ویٹر نے کہا۔ "میں نے ڈاکٹر صاحب کو اتنے نشے میں کبھی نہیں دیکھا۔"

"سائیفن ٹوٹ گیا۔" فریدی نے جواب طلب نظروں سے منیجر کی طرف دیکھا۔

"اوہ جی ہاں..... ہمارے سائیفن زیادہ دبیز شیشوں کے نہیں ہیں۔"

"بوتل اور گلاس بھی ٹوٹ گئے ہوں گے۔"

"جی ہاں.....!" ویٹر نے کہا۔

"اچھا تم جا سکتے ہو۔"

ویٹر چلا گیا۔ اچانک منیجر کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا..... اور نظریں فریدی کی طرف نہیں تھیں۔ فریدی اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

اچانک منیجر اس کی طرف مڑا اور اس سے نظر ملتے ہی جھجک سا پڑا۔ فریدی کی عقابی آنکھیں

س کے ذہن میں چبھ رہی تھیں۔

"آپ سائیفن کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں۔" اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ اس وبا کے جراثیم سوڈے ہی میں رہے ہوں۔"

"سوڈے میں جراثیم.....!" منیجر نے حیرت سے کہا۔

"ہاں..... آں..... آپ کو حیرت کیوں ہے۔"

"سوڈا تو بڑی تیز چیز ہے۔"

"اوہ..... آپ شائد جراثیم کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ بہتیرے جراثیم ایسے ہیں جو آگ کے علاوہ اور کسی چیز میں فنا نہیں ہوتے۔" فریدی نے کہا اور پھر حمید کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "آؤ چلیں۔"

اچانک ایک آدمی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور حمید نے محسوس کیا جیسے فریدی نے اٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا ہو۔

پروفیسر داخ

حمید نے آنے والے کو گھور کر دیکھا۔ یہ ایک مجہول سا غیر ملکی تھا۔ گال پچکے ہوئے۔ ناک پتلی اور طوطے کی چونچ کی طرح ہونٹوں پر جھکی ہوئی تھی۔ گالوں کی ہڈیاں بدنمائی کی حد تک ابھری ہوئی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی اور چمکدار آنکھوں کے گرد گہرے حلقے تھے۔ اس کا لباس ایک بہت پرانے سوٹ پر مشتمل تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر مہینوں سے پریس نہ کیا گیا ہو۔ گلے میں ٹائی نہیں تھی۔

منیجر اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ فریدی اور حمید بدستور بیٹھے رہے۔

"میری کتابیں.....!" آنے والے نے انگریزی میں کہا۔ اس کا لہجہ بہت کھردرا تھا۔

"معاف کیجئے گا مسٹر داخ..... میں بھجوانا.....!"

"بھول گئے تھے۔" اس نے جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ "غیر ضروری الفاظ بول کر وقت نہ ضائع کیا کرو۔ کتابیں۔"

"اوہ.... ہی ہی ہی۔" منیجر نے ہنستے ہوئے اپنی پشت پر رکھی ہوئی الماری کھول کر تین کتابیں نکالیں اور انہیں آنے والے کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے کتابیں لیں اور تیزی سے دروازے کی طرف گھوم گیا۔

منیجر کرسی پر بیٹھ کر جھینپی ہوئی ہنسی ہنسنے لگا۔ "دیکھا آپ نے کرنل صاحب! فلسفی لوگ گفتگو بھی اختصار کے ساتھ کرتے ہیں۔"

"غالباً یہ پروفیسر داخ تھا۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں! وہی تھے۔"

"خوب....!" فریدی مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔ "اچھا منیجر اس تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔"

وہ دونوں منیجر کے کمرے سے نکل کر ڈائننگ ہال سے گذرتے ہوئے باہر آ گئے۔

"حضور! میں تو سردی سے اکڑ کر مر ہی جاؤں گا۔" حمید بدبدایا۔

"میرا ایسٹر کیڈی میں ہے پہن لو۔" فریدی نے کہا۔ پھر کچھ دیر رک کر بولا۔ "تم نے داخ کو دیکھا۔"

"دیکھا تو.... لیکن وہ مجھے صاف نظر نہیں آیا۔"

"کیا اس قسم کے آدمی عورتوں میں دلچسپی لے سکتے ہیں۔"

"آپ کے علاوہ اور ہر قسم کا آدمی عورتوں میں دلچسپی لے سکتا ہے۔ لیکن اب یہاں سے بھاگئے ورنہ اگر ہمارے ناخن بھی کھڑے ہو گئے تو شہر کے بہتیرے گنجے بے موت مر جائیں گے۔"

وہ کیڈی میں بیٹھنے ہی والے تھے کہ کسی نے فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا.... فریدی چونک کر مڑا۔ پروفیسر داخ اس کے سامنے کھڑا عجیب انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"آپ شائد میرے متعلق کچھ گفتگو کر رہے تھے۔" اس نے کہا۔

حمید متحیرانہ انداز میں اسے گھورنے لگا۔

"ہاں.... پروفیسر.... میں تمہاری قسمت پر رشک کر رہا تھا۔" فریدی جواباً مسکرایا۔

"کیوں....؟"

"گریٹا جیسی حسین عورت تمہاری دوست ہے۔"

"کون گریٹا.... میں کسی گریٹا کو نہیں جانتا۔"

"گریٹا سیرانو.... جس کا آج یہاں پروگرام تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... وہ.... لیکن وہ میری دوست تو نہیں۔"

"تب پھر ہمیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ منیجر نے کسی اور کا نام لیا ہو۔"

"سنو....!" داخ جھنجھلا کر بولا۔ "مجھے تم سب سے نفرت ہے۔ تم جو اپنی کھوپڑیوں میں چوہوں کے سے دماغ رکھتے ہو! مجھے نہیں سمجھ سکتے۔"

"تمہاری یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"تم لوگ مجھ پر آوازے کستے ہو۔ لیکن میں تمہیں اپنے پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں سمجھتا.... سمجھے۔"

"بکواس بند کرو۔ کچھوے کے بچے۔" حمید نے اس کے گریبان کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ فریدی نے اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹا دیا۔ پھر داخ سے لجاجت آمیز لہجے میں بولا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو پروفیسر! اچھا شب بخیر۔"

اس نے کیڈی کا دروازہ کھول کر حمید کو پچھلی سیٹ پر دھکا دے دیا اور خود آگے بیٹھ گیا۔

"کیا شہر کی طرف جاؤ گے۔" دفعتاً داخ نے بدلے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں....!"

"تو مجھے راجرس اسٹریٹ تک لے چلو۔"

"ضرور.... ضرور.... ادھر میرے پاس آ جاؤ۔" فریدی نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

داخ بیٹھ گیا۔ کیڈی چل پڑی۔ داخ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "جانتے ہو میں کیوں تمہارے ساتھ جا رہا ہوں۔"

"تم شائد ہم لوگوں کو پسند کرنے لگے ہو۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"تمہیں اور میں پسند کروں گا۔" داخ تنفر آمیز لہجے میں بولا۔ "مجھے دراصل تمہارے ساتھی کی بات کا جواب دینا ہے جس نے مجھے کچھوے کا بچہ کہا تھا۔"

"ضرور جواب دو.... وہ بڑا بدتمیز ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"جواب یہ ہے کہ وہ کچھوے کا بچہ ہے۔"

"کیا کہا ہے۔" حمید اردو میں دہاڑا۔

"ٹھیک کہتا ہے۔" داخ نے بگڑی ہوئی اردو میں کہا۔ "تُم ارتھ ورم کا بچہ ہے۔"

"حمید بکواس بند رکھو۔" فریدی نے اسے ڈانٹا۔

داخ پھر فریدی سے انگریزی میں گفتگو کرنے لگا۔ "حالانکہ اس بدتمیز نے میری توہین کرنے کے خیال سے مجھے کچھوے کا بچہ کہا تھا لیکن وہ بالکل احمق ہے۔ تم کچھوے کے بچے کی پیٹھ پر پوری قوت سے کھڑے ہو جاؤ اس کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ لیکن کچوے کا بچہ چٹکیوں میں مسلا جا سکتا ہے۔ بس اب گاڑی روک دو۔"

"کیوں....؟"

"میں اتروں گا۔ مجھے اتنا ہی کہنا تھا۔"

"یہاں اس ویرانے میں اتر کر کیا کرو گے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم جیسے گدھوں کا احسان لوں گا۔" داخ بگڑ گیا۔

فریدی نے ہنس کر کیڈی روک دی۔ داخ اُتر کر سڑک کے کنارے کنارے چلنے لگا۔ اس کا رخ بھی شہر ہی کی طرف تھا۔

"استاد....!" حمید بولا۔ "آپ پیچھے آ جائیے۔ گاڑی میں چلاؤں گا۔"

"کیوں.... نہیں وقت نہ برباد کرو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"کبھی تو میری کوئی بات مان لیا کیجئے۔"

نہ جانے کیوں فریدی اس پر راضی ہو گیا۔ وہ پچھلی سیٹ پر آ گیا اور حمید نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

اب کیڈی پیدل چلتے ہوئے پروفیسر داخ کے ساتھ آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" داخ بھنا کر چیخا۔ "آگے بڑھاؤ۔"

"نہیں بڑھ سکتا۔" حمید نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا۔ "تم خود آگے بڑھ جاؤ۔"

داخ بڑبڑاتا ہوا چلتا رہا۔ کیڈی بھی اسی کے برابر رینگتی رہی۔ فریدی خلاف توقع کچھ نہیں بولا۔ اس کی اس خاموشی پر حمید کو بھی حیرت ہو رہی تھی۔

اچانک داخ نے دوڑنا شروع کر دیا۔ حمید نے بھی رفتار اتنی بڑھا دی کہ کیڈی اس کے ساتھ

ہی ساتھ رہے۔ داخ انہیں گندی گندی گالیاں دیتا ہوا بھاگ رہا تھا۔

"حمید کیوں وقت برباد کر رہے ہو۔" فریدی بڑبڑایا۔

"میں اس فلسفی کے پٹھے کو زمان و مکان کا فرق سمجھا رہا ہوں۔"

ایک جگہ داخ دہاڑتا ہوا رک گیا۔ کیڈی آگے نکل گئی۔ حمید نے اسے روک کر بیک کرنا شروع کر دیا اور کیڈی پھر اسی جگہ واپس آ گئی جہاں داخ کھڑا گالیاں بک رہا تھا۔

اچانک وہ پیچھے کی طرف بھاگا اور پھر حمید کیڈی کو بیک کرنے ہی جا رہا تھا کہ اس پر پتھر برسنے لگے۔

"کیا کر رہے ہو تم....!" فریدی نے حمید کو ڈانٹا۔ "گاڑی برباد کراؤ گے کیا!"

دوسرے ہی لمحے میں کیڈی کافی تیز رفتاری سے چل پڑی۔

"اگر گاڑی خراب ہوئی ہو گی تو میں تم سے سمجھ لوں گا۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"آخر یہ ہے کس قسم کا آدمی۔" حمید بولا۔

"کیا اُس کی قسم اب بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"نہیں.... میں نہیں سمجھ سکا۔"

"حد سے بڑھی ہوئی عقل آدمی کو بچہ بنا دیتی ہے۔"

"تو کیا واقعی وہ فلسفی ہے۔"

"بہت پڑھا آدمی ہے حمید صاحب۔ اسکی ذہانت سے ٹکرانے والے شائد دو چار ہی نکلیں۔"

"داخ.... عجیب نام ہے۔" حمید بولا۔ "کیا وہ فوئیر باخ کی اولاد ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ اس خبطی نے گریٹا کی سفارش کی تھی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔

"میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں۔" حمید بولا۔ "جو ذرا سا بھی مرد ہے وہ عورتوں میں ضرور دلچسپی لے گا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی بڑبڑا کر خاموش ہو گیا۔

"آپ سائیفن کی تلاش میں کیوں تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ جو کچھ بھی تھا سوڈے ہی میں تھا۔ بوتل تو اُس نے خود کھولی تھی۔"

"اس سلسلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وقت نہ برباد کیجئے۔ مجھے یہ کسی قسم کی وبا معلوم ہوتی ہے۔ آپ کا شکی ذہن تو اب آپ کے لئے بھی وبال بن گیا ہے۔"

"ہوں! مشورے کا شکریہ۔"

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ کیڈی چلتی رہی۔ حمید جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی نے اسے ہوٹل ڈی فرانس چلنے کو کہا۔

"کمال ہے۔" حمید بھنا کر بولا۔ "سردی کے مارے دم نکلا جارہا ہے۔"

"میں نے تو تم سے کہا تھا کہ میرا السٹر پہن لو۔"

"کیا السٹر سے بھوک بھی مٹ جائے گی۔"

"وہیں کھا لینا۔"

"کیا ہوٹل ڈی فرانس میں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... کیوں؟"

"حالانکہ میں ان پر سرخ پالش نہیں لگاتا پھر بھی مجھے اپنے ناخنوں سے بڑی محبت ہے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہاں کھانے سے تم اس وبا کا شکار ہو جاؤ گے۔"

"دیکھئے۔ میں اس سلسلے میں کوئی دلیل نہیں سنوں گا۔ آپ کے منطقی دلائل موت کے فرشتے کو مطمئن نہیں کر سکیں گے۔"

"بڑے ڈرپوک ہو رہے ہو آج کل۔"

"کچھ بھی کہئے۔ لیکن میں طاعون کے چوہوں کی طرح مرنا پسند نہیں کروں گا۔"

"اچھا خیر پھر سہی۔" فریدی نے کہا۔ "چلو گھر ہی چلو۔"

"لیکن ہوٹل ڈی فرانس کی کیا تک ہے۔"

"میں ایک تجربہ اور کرنا چاہتا ہوں مگر ہوٹل ڈی فرانس اس کے لئے فضول ہی ثابت ہوا کیونکہ وہاں پہلے ہی اس قسم کا ایک واقعہ ہو چکا ہے۔"

"ایک تجربہ اور کیجئے گا.... یعنی ایک آدمی کی زندگی....!"

"نہیں شائد اس کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔"

کیڈی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ حمید نے اُسے گیراج کے سامنے روک دیا۔

لیکن ایک حیرتوں سے لبریز لمحہ ان کا منتظر تھا۔ جیسے ہی وہ نیچے اترے انہیں اپنے سامنے پروفیسر داخ کھڑا ہوا نظر آیا.... حمید اپنی بیساختہ قسم کی "ارے" کو کسی طرح نہ روک سکا۔

فریدی نے کار کے پچھلے حصے پر نظر ڈالی۔ اسٹپنی کھلی ہوئی تھی۔ غالباً پروفیسر اسی میں بیٹھ کر یہاں تک آیا تھا۔

پروفیسر داخ نے انہیں متحیر دیکھ کر ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا اور پھر سنجیدہ ہو کر انہیں باری باری سے گھورنے لگا۔

"تم نے مجھے پریشان کیا تھا۔ اب تمہیں قبر میں بھی چین نہ لینے دوں گا.... سمجھے۔" اس نے کہا۔ "چلو اب کہاں چلتے ہو۔"

"آؤ پروفیسر....!" فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "مجھے خوشی ہو گی۔"

"جاتے ہو یا تمہیں اٹھا کر کمپاؤنڈ کے باہر پھینک دوں۔" حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"خاموش رہو۔" فریدی سچ مچ حمید پر بگڑ اٹھا۔

وہ پروفیسر داخ کا ہاتھ پکڑ کر اسے ڈرائنگ روم میں لایا۔ حمید کو فریدی کا تلخ لہجہ بہت گراں گذرا تھا اس لئے وہاں ٹھہرنے کی بجائے سیدھا باورچی خانے میں جا گھسا۔

یہاں فریدی پروفیسر داخ سے کہہ رہا تھا۔ "پروفیسر میرا ساتھی کریک ہے اس کی باتوں کا خیال نہ کرو۔"

"تم گھٹیا آدمیوں نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔" پروفیسر بولا۔ "تمہارے سڑے سڑے بچے میرے پیچھے تالیاں بجاتے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔"

"اور اب تم بھی مجھے بدنام کرو گے۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں نے گریٹا کے لئے سفارش کی تھی۔"

"مجھے نیاگرا کے منیجر سے معلوم ہوا تھا۔ لیکن تمہیں یہ کیسے خیال ہوا کہ میں تمہیں بدنام کروں گا۔"

"آج کل میرے خلاف گہری سازشیں ہو رہی ہیں۔ چند اوباش قسم کے لوگوں نے مجھے میری نوکرانی کے ساتھ بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ یہ بکواس ہے۔ میں اپنی زندگی

کے اس اسٹیج سے کبھی کا گذر چکا ہوں اور جوانی کے زمانے میں بھی میں بہت زیادہ محتاط رہا ہوں۔

"مگر گریٹا تو بہت خوبصورت ہے پروفیسر۔"

"ہوگی! مجھے آج تک اس سے گفتگو کرنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔"

"پھر تم نے اس کی سفارش کیوں کی۔"

"مجھے یاد نہیں کہ کس نے مجھ سے درخواست کی تھی۔ بہر حال وہ خود گریٹا نہیں تھی۔ کسی دوسرے نے مجھ سے کہا تھا کہ میں نیاگرا کے لئے سفارش کروں۔"

"تعجب ہے کہ تم اس آدمی کو بھول گئے لیکن گریٹا کی سفارش یاد رہی۔" فریدی نے کہا۔

"یہ ایک بالکل نفسیاتی امر ہے۔ تمہیں ہزاروں چیزوں میں سے صرف وہی چیزیں یاد رہ جاتی ہیں جن کا کسی نہ کسی طرح تمہاری ذات سے تعلق ہو۔ تمہیں ایک بات یاد آتی ہے لیکن یہ نہیں یاد آتا کہ وہ بات کس نے کہی تھی۔ بات اس لئے یاد آتی ہے کہ اس کا تعلق تھوڑا بہت تمہاری ذات سے بھی ہے۔ یعنی وہ بات اس بات کے کہنے والے سے بھی زیادہ اہم ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ غیر اہم چیزوں کو یادداشت پرے جھٹک دیتی ہے۔"

"خوب.... تو گریٹا بہر حال تمہارے لئے اہمیت رکھتی ہے۔" فریدی بولا۔

"یقیناً.... وہ بہت حسین ہے۔"

"ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ تم زندگی کے اس اسٹیج سے گذر چکے ہو۔"

"تم زیادہ پڑھے لکھے نہیں معلوم ہوتے۔" پروفیسر بولا۔

"ہاں میں نرا گاؤدی ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا اسے یوں سمجھو کہ تمہارے ہاتھ مفلوج ہو جائیں تو کیا ان ہاتھوں کو استعمال کرنے کی خواہش بھی فنا ہو جائے گی۔"

"نہیں....!"

"تو پھر اسی طرح سمجھ لو۔"

"پروفیسر! میں بالکل سمجھ گیا۔ اگر تم اس آدمی کو یاد کرنے کی کوشش کرو تو تمہارا ممنون ہوں گا۔"

"کیوں؟"

"میں اس کے ذریعہ گریٹا تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ وہ یقیناً اس کا کوئی بڑا خاص آدمی ہوگا۔ آہ پروفیسر کیا بتاؤں۔ میں نے جب سے گریٹا کو دیکھا ہے میری راتوں کی نیند حرام ہو گئی ہے۔"

"تو دن میں سو لیا کرو۔" پروفیسر نے قہقہہ لگایا۔

"میرا مذاق نہ اڑاؤ.... پروفیسر.... شائد میں پاگل ہو چلا ہوں۔"

"ہاہا.... جوان ہو نا۔" پروفیسر اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر بولا۔ "تو کافی دولت مند معلوم ہوتے ہو۔ ڈورے ڈالو نا اس پر۔"

"وہ کسی کو لفٹ نہیں دیتی۔"

پروفیسر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا میں کوئی راہ نکالوں گا۔" پھر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

ڈاکٹر زیٹو کے کرتب

ڈاکٹر شرف والے حادثے کو تین دن گذر چکے تھے۔ اس کی لاش کے پوسٹ مارٹم سے بھی وہی نتائج نکلے جو اس سے قبل والی لاشوں کے نکل چکے تھے۔ کوئی نئی بات معلوم نہ ہو سکی۔ اندرونی اعضاء میں موت سے پہلے کے ہیجان کے اثرات ضرور پائے گئے تھے لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس ہیجان کا سبب کیا تھا۔ ڈاکٹر شرف نے مرنے سے پہلے شراب پی تھی۔ اس کی اچھی خاصی مقدار مرنے والے کے معدے میں پائی گئی تھی لیکن اس کا تجزیہ کرنے پر بھی ایسی کوئی چیز نہ ملی جو اس وبا کے اسباب پر روشنی ڈالتی.... فریدی اس دوران میں بہت زیادہ مشغول رہا تھا۔ زیٹو نے اپنے پروگرام کے بقیہ دنوں میں بھی اپنے کمالات کا مظاہرہ کیا لیکن پھر کوئی حادثہ نہیں ہوا۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ پہلے حادثے کی بناء پر وہاں کی زیادہ تر میزیں خالی ہی نظر آنے لگی تھیں۔

فریدی نے ابھی تک حمید کے علاوہ اور کسی پر یہ بات ظاہر نہیں کی تھی کہ وہ اس وبا کو کسی دوسری شکل میں دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ صرف نیاگرا کے منیجر کو اس کی پوچھ گچھ کی بناء پر کچھ شبہ ضرور ہو گیا تھا لیکن بعد میں فریدی نے اس کی بھی تشفی کر دی۔

حالانکہ ڈاکٹر شرف کی موت کے بعد سے شہر میں اس قسم کی کوئی دوسری موت نہیں ہوئی

تھی پھر بھی لوگوں میں کافی ہراس پایا جاتا تھا۔

اور حمید کی یہ رائے بھی کہ اب سچ مچ فریدی کا دماغ چل گیا ہے۔ وہ ہر چیز کو خواہ مخو
رسائی کی عینک سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ حمید نے اس درمیان میں گریٹا سے تعارف
کرنے کے لئے کافی جدوجہد کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ گریٹا نجی طور پر کسی سے بھی نہ
تھی۔ شہر کے بیشتر دولت مند حسن پرست اس تک پہنچنے کے لئے کوشاں تھے۔ لیکن انہیں
تک رسائی کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تھی۔ البتہ صرف اخبارات کے رپورٹر ہی ایسے تھے
سے وہ تھوڑی بہت گفتگو کر لیتی تھی۔

آخر جب حمید نے کوئی دوسری صورت نہ دیکھی تو اس نے یہی مناسب سمجھا کہ تھوڑی
کے لئے کسی اخبار کا رپورٹر ہی بن جائے۔ مگر اس کی غرض و غایت ہرگز وہ نہیں تھی جس
لئے فریدی سر مار رہا تھا۔

وہ کرائم رپورٹر انور کا ملاقاتی کارڈ لے کر اسپرنگ کاٹج پہنچ گیا جہاں گریٹا مقیم تھی۔

گریٹا اس سے ملی تو..... لیکن اس نے پہلے ہی یہ بات جتا دی کہ وہ اسے دس منٹ سے
وقت نہ دے سکے گی۔

"آپ کے اٹلی کے متعلق کیا خیالات ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"اوہ..... کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ میں اٹلی ہی کی باشندہ ہوں۔"

"اچھا.....!" حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔ "آپ کا رنگ تو انگریزوں سے بھی زیادہ صاف ہے

گریٹا کچھ نہ بولی۔ ظاہر ہے کہ وہ رسمی قسم کے انٹرویو کے لئے بیٹھی تھی۔

"اٹلی تو آپ کو بہت اچھا لگتا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ پہلے آپ انٹرویو لینے کی ٹریننگ لیجئے۔ پھر آیئے گا۔" گریٹا نے بیز
سے کہا۔

"اوہ کیا میرا سوال احمقانہ ہے۔" حمید نے دردناک لہجے میں کہا۔ "بات دراصل یہ
میں اس پیشے میں بالکل نیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اپنے پچھلے ہی پیشے کی طرف لوٹنا پڑے گا

اچانک گریٹا ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ ایک طرف سمٹ گئی۔ اُسے حمید کے کوٹ کی
جیب سے ایک سفید سی چیز پھدک کر چھوٹی میز کی طرف آتی دکھائی دی۔

حمید کی پالتو چوہیا کے گھونگھرو میز پر بج اٹھے۔

"اوہ..... میں تو ڈر گئی تھی۔" گریٹا ہنس کر بولی۔ "آپ چوہے پالتے ہیں۔"

"یہ میری کتیا ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "میرے سابقہ پیشے کی یادگار۔"

"پیشہ..... میں نہیں سمجھی۔"

"دیکھئے میں بتاتا ہوں....." حمید نے کہا اور میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر آگے جھکتے ہوئے
سیٹی میں اپنی مخصوص دھن شروع کر دی۔ چوہیا پچھلے پیروں پر کھڑی ہو کر تھرکنے لگی۔

گریٹا بچوں کی طرح تالی بجا کر ہنس پڑی۔

"واقعی آپ جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے آج تک چوہوں کی ٹریننگ کے متعلق
نہیں سنا تھا۔"

"میرے پاس ایسے جانوروں کا اسٹاک ہے۔ یہ تو چوہیا ہے میں نے سانپ بھی سدھا
رکھے ہیں۔"

"سانپ.....!" گریٹا نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں ہاں! میرے پاس ڈھائی تین سو سانپ ہیں۔"

"نہیں جھوٹ۔"

"اچھا تو کل میں آپ کو دکھا دوں گا۔"

"ضرور ضرور.....!" گریٹا باتوں میں دلچسپی لینے لگی تھی۔ "مگر کیا وہ سانپ..... آپ نے تو
نہ پکڑے ہوں گے۔"

"پھر کون پکڑے گا۔" حمید بولا۔ "سانپ پکڑنا بھی ایک بہت بڑا فن ہے اور اس شہر میں
میرے علاوہ اور کوئی اس فن کا ماہر نہیں۔"

"تو تم سپیرے ہو۔ میں نے یہاں کے سپیروں کے متعلق کتابوں میں پڑھا تھا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ آپ نے ڈاکٹر زیتو کا نام کبھی نہیں سنا۔ مجھے نبراسکا یونیورسٹی سے
سانپوں کی تحقیق کے سلسلے میں ڈاکٹریٹ ملی تھی۔"

"اچھا..... کس طرح پکڑتے ہیں سانپ.....!" گریٹا نے پوچھا۔

"اس طرح بتانا تو مشکل ہے جب کہ یہاں کوئی سانپ موجود نہیں۔" حمید نے تشویش

آمیز لہجے میں کہا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "ٹھہریئے..... میں کوشش کرتا ہوں..... فرض کیجئے سانپ ہیں..... ذرا سیدھی ہو کر بیٹھ جائیے..... ہاں۔"

حمید درمیان سے میز ہٹا کر ریٹا کے صوفے کے قریب فرش پر ایک گھٹنا ٹیک کر بیٹھ گیا۔

"ہش ہش.....!" اس نے کہا۔ "میں نے اس طرح آپ کو آپ کی بانبی سے نکالا۔ آپ پھن کاڑھے بیٹھی ہیں۔ میں نے آپ کو دوبارہ ہشکار دیا۔"

حمید نے "ہشکارنے" کے سلسلے میں اس کی ٹھوڑی میں ہاتھ لگاتے ہوئے بکواس جاری رکھی۔ "اب آپ میرے ہاتھ پر منہ مارنے کی کوشش کیجئے۔ نہیں یوں نہیں اس طرح۔"

اس نے اس کا ہاتھ لے کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

"سانپ نے منہ مارا۔ میں نے وار خالی دے کر سائڈ پر ہاتھ رسید کر دیا۔"

اس بار اس نے ریٹا کے داہنے گال پر ہلکی سی تھپکی دی۔

"اور پھر جیسے ہی وہ ایک طرف جھکا..... میں نے اس کا سر دبوچ لیا۔"

اس بار ریٹا بڑی پھرتی سے ایک طرف کھسک گئی اور حمید کے ہاتھ پھیلے ہی رہ گئے۔ لیکن وہ فوراً سیدھا کھڑا ہو کر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "تو یہ طریقہ ہے سانپ پکڑنے کا۔"

"تم بڑے شیطان معلوم ہوتے ہو۔" ریٹا مسکرا کر بولی۔

"نہیں چھوٹا شیطان..... بڑا شیطان تو ان معاملات میں بالکل بدھو ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"اوہ..... یہ ہم سانپ پکڑنے والوں کا ایک مخصوص جملہ ہے۔ اگر اس وقت تم مجھے شیطان کی بجائے کریم رول کہتیں تب بھی میں یہی جملہ دہراتا۔"

"اوہ....." ریٹا نے کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بیس منٹ ہو گئے۔"

"اُف..... فوہ.....!" حمید بوکھلا کر بولا۔ "انٹرویو تو رہ ہی گیا۔"

"نہیں بس! اب کل..... اس وقت مجھے ذرا کام ہے۔"

"کل کس وقت۔"

"اسی وقت..... تم ایک دلچسپ دوست ثابت ہو سکتے ہو۔"

"اوہ..... شکریہ۔ کتنے سانپ لاؤں۔"

"سانپ.....!" وہ مسکرا کر بولی۔ "اب زیادہ بیوقوف نہ بناؤ۔"

"ارے تو کیا واقعی تم مذاق سمجھی ہو۔ اچھا کل دیکھ لینا۔" اس نے کہا۔ پھر میز پر سے چوہیا کو اٹھاتا ہوا بولا۔ "ڈاکٹر زیٹو ایک معزز شہری ہے۔"

"اچھا ڈاکٹر زیٹو..... اب جاؤ۔" گریٹا نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہم کل پھر ملیں گے۔"

واپسی پر حمید اپنے ہی ہاتھ سے اپنی پیٹھ ٹھونک رہا تھا۔ گھر پہنچا تو فریدی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ شائد کافی دیر سے بیٹھا اسی پر تاؤ کھا رہا تھا۔

"آج کل تم کیڈی نہ لے جایا کرو..... سمجھے..... میرا بڑا نقصان ہوتا ہے۔" اس نے کہا۔

"یہی بات آپ گنگنا کر بھی کہہ سکتے تھے۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

"تھپڑ مار دوں گا۔"

"مگر اسی طرح جیسے میں نے گریٹا کے گال پر تھپکی دی تھی۔" حمید سینہ تان کر بولا اور فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"ہاں جناب۔" اس نے پھر کہا۔ "میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ عورتوں سے فوراً ہی بے تکلف ہو جانا بھی ایک بہت بڑا آرٹ ہے۔ سمجھے ہیور ہارڈشپ.....!"

"کیا بک رہے ہو؟"

"گریٹا نے مجھے کل پھر بلایا ہے۔ ذرا دس پانچ ایسے سانپ الگ کر دیجئے گا جن کے منہ میں ایک بھی دانت نہ ہو۔"

"میرا دماغ نہ چاٹو..... چلے جاؤ یہاں سے۔"

"آپ تو مجھے گریٹا سے بھی زیادہ بدتر معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے کم از کم میرے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا تھا۔"

"کیا کوئی بڑا تیر مار کر آئے ہو۔" فریدی نے طنزیہ انداز میں پوچھا

"افسوس! تیر کھا کر آیا ہوں۔ دیکھئے کب ہضم ہوتا ہے۔"

"تم تو بکواس کئے جاؤ گے۔"

"اچھا سنئے! مگر شائد آپ یقین نہ کریں۔" حمید نے کہا اور اس مضحکہ خیز انٹرویو کا حال بیان

کرنے لگا۔ اسے توقع تھی کہ فریدی سن کر ہنسے گا۔ لیکن داستان ختم ہوتے ہی فریدی نے بڑے خشک لہجے میں کہا۔ "تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"حوصلہ افزائی کا شکریہ۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "لیکن واضح رہے کہ اس کے بارے میں میرا نظریہ نہیں ہے جو آپ کا ہے۔ سمجھے جناب.... میرے لئے وہ ایک خوبصورت عورت ہے اور بس۔"

"تم جانتے ہو کہ میں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتا ہوں۔"

"آخر آپ مجھے کیوں بور کر رہے ہیں۔ آپ اپنا کام کیجئے میں اپنا کروں گا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"کوئی نئی بات کہئے۔ میں یہ ہزار بار سن چکا ہوں۔"

"اچھا..!" فریدی اسے گھور کر بولا "اگر تم بھی لپیٹ میں آجاؤ تو پھر مجھ سے شکایت نہ کرنا۔"

"میں اپنی حفاظت خود کر سکتا ہوں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہاں.... میں ہی بول رہا ہوں.... کیا ہائی سرکل میں.... خوب.... ٹھیک ہے.... کم از کم گیارہ بجے رات تک اسے وہاں رکنا ہی چاہئے.... کیا کہہ رہے ہو.... بارہ تک.... تمہیں کیسے معلوم ہوا.... ٹھیک.... اچھا.... تو میں مطمئن رہوں گا.... اچھا۔"

فریدی نے ریسیور رکھ کر سگار سلگایا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ حمید پہلے ہی دل برداشتہ ہو رہا تھا اس نے بھی وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔

نو بج رہے تھے۔ سردیوں کی راتیں تھیں۔ ابھی سے ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے آدھی رات گذر گئی ہو۔ فریدی اٹھ کر ایک کمرے میں آیا۔ یہاں اس نے سیاہ سوٹ پہن کر ریوالور جیب میں ڈالا۔ وہاں سے گیراج میں آیا تو کیڈی پھر غائب تھی۔ غالباً حمید پھر کہیں نکل بھاگا تھا۔ فریدی نے سیاہ رنگ کی چھوٹی آسٹن نکالی۔ یہ کار شاذ و نادر ہی استعمال ہوتی تھی۔ بہت ہی اہم مواقع پر فریدی اسے نکالتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کار مختلف سڑکوں سے گذرتی ہوئی شہر کے ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئی جہاں کرائے پر دیئے جانے والے بے شمار گیراج تھے۔ فریدی نے کار سے اُتر کر ایک گیراج کھولا اور کار اس کے اندر لے جا کر کھڑی کر دی۔ یہ اُس نے کرائے پر لے رکھا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک موٹر سائیکل دھکیلتا ہوا گیراج سے نکلا۔ اب اس کے سر پر فلٹ ہیٹ کی بجائے ایک عجیب وضع کی ٹوپی نظر آ رہی تھی۔ اس کا رنگ سیاہ تھا اور وہ اس کے سر پر کھال کی طرح منڈھی ہوئی تھی۔ جسم پر کوٹ کی جگہ چمڑے کی جیکٹ نے لے لی تھی۔

موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے وہ ایک سنسان اور تاریک راستے پر ہولیا۔ موٹر سائیکل کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس نے کہیں بھی اسے کسی بھری پُری سڑک پر موڑنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی منزل دراصل گریٹا کی قیام گاہ اسپرنگ کاٹج تھی۔

اس علاقے میں بہت تھوڑے سے مکانات تھے اور وہ بھی ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع تھے۔ فریدی اسپرنگ کاٹج سے دو ڈھائی فرلانگ ادھر ہی موٹر سائیکل سے اتر گیا۔ شائد اس نے پہلے ہی سے موٹر سائیکل چھپانے کے لئے جگہ کا تعین کر رکھا تھا۔

موٹر سائیکل کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ پیدل ہی اسپرنگ کاٹج کی طرف چل پڑا۔ اُسے ایسی ہی ایک رات یاد آ رہی تھی جب وہ اور حمید چوروں کی طرح اسی اسپرنگ کاٹج میں داخل ہوئے تھے۔ وہ بھی ایک رقاصہ[1] ہی کا معاملہ تھا۔ اس رقاصہ نے بھی رہائش کے لئے اسپرنگ کاٹج ہی کو منتخب کیا تھا۔ وہ بھی ایک ایسی ہی سرد رات تھی۔ لیکن اس معاملے میں فریدی نے نہ تو اتنی تیاریاں کی تھیں اور نہ وہ اتنا محتاط تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ دونوں اس وقت بھی چوروں ہی کی طرح اسپرنگ کاٹج میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی وہ حیثیت برقرار نہیں رکھی تھی۔ ایک آنے والے کے لئے انہوں نے اطمینان سے دروازہ کھولا تھا۔

لیکن آج حمید نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں فریدی اس کے لئے یک بیک بہت زیادہ مضطرب ہو گیا۔ حمید گریٹا پر بُری طرح لٹو ہو رہا تھا اور یہ اس نقطہ نظر سے بڑی خطرناک پچویشن تھی۔

اس کے قدم تیزی سے اسپرنگ کاٹج کی طرف اٹھنے لگے۔

پائیں باغ کے اندر چھوٹی سی عمارت تاریکی میں نہائی ہوئی کھڑی تھی۔ جیسے ہی فریدی نے پائیں باغ کے پھاٹک کے سامنے گذرنا چاہا دو بڑے بڑے السیشین غراتے ہوئے پھاٹک کی طرف دوڑے۔ سلاخوں دار پھاٹک اندر سے بند تھا۔ فریدی ایک ہی جست میں چہار دیواری کی اوٹ میں ہو گیا۔ لیکن وہ سلاخوں کے درمیان سے اپنی تھوتھنیاں نکالے برابر بھونکے جا رہے تھے۔ فریدی

[1] داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "گیتوں کے دھماکے" جلد نمبر 10 پڑھیے۔

نے پتلون کی جیب سے ایک پیکٹ نکالا۔ اس میں کچے گوشت کے ٹکڑے تھے اسے رکھوالی
والے کتوں کے متعلق پہلے ہی سے علم تھا۔ اور وہ ان کے لئے پوری طرح تیار ہو کر آیا تھا۔
نے گوشت کے ٹکڑے اندر پھینک دیئے۔ پھر اسے کتوں کی غراہٹ سنائی دی۔ انہوں نے بو
بند کر دیا تھا۔ لیکن ہلکی سی غراہٹ اب بھی جاری تھی۔ کچھ دیر بعد وہ غراہٹ بھی ختم ہو گئی
فریدی نے اطمینان کا سانس لیا۔

فریدی جانتا تھا کہ عمارت بالکل ہی خالی نہیں ہے۔ گریٹا کے دونوں نوکر وہیں رہتے ہیں
لیکن اس کے باوجود بھی اس نے غیر قانونی طور پر تلاشی لینے کا خطرہ مول لیا تھا۔

وہ چکر کاٹ کر عمارت کی پشت پر پہنچا۔ اسے یاد تھا اس طرف ایک چھوٹا سا دروازہ موجود
ہے۔ لیکن یہ بات بہت پرانی ہو چکی تھی اس نے اس دوران میں اس بات کی تحقیق نہیں کی تھی
کہ وہ دروازہ اب بھی موجود ہے یا نہیں۔

بہر حال جب وہ عمارت کی پشت پر پہنچا تو اس کے ارادوں پر اوس پڑ گئی۔ اب وہ دروازہ نہیں
تھا۔ اس کی جگہ اینٹیں چن دی گئی تھیں۔

فریدی نے جیب سے ٹارچ نکالی۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر اسے استعمال نہیں کیا۔ وہ اب پھر
پھاٹک کی طرف واپس جا رہا تھا۔ پھر وہ اس جگہ رک گیا جہاں پائیں باغ کی چہار دیواری کا کچھ حصہ
بقیہ دیواروں سے اونچا تھا۔ یہاں دراصل نوکروں کیلئے دو چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔
جب اسے اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ نوکر انہیں دونوں کمروں میں موجود ہیں تو وہ آگے بڑھا۔
اب وہ دیوار کے اس حصے کے قریب تھا جہاں سے اصل عمارت شروع ہوئی تھی۔ اس نے
اپنے سر پر منڈھی ہوئی سیاہ ٹوپی کا اگلا سرا نیچے کھینچ لیا۔ اس کا پورا چہرہ اس ٹوپی نے ڈھک لیا تھا۔

وہ کون تھا

اس کی عقابی آنکھیں دو سوراخوں سے جھانک رہی تھیں۔ دوسرے لمحے میں وہ دیوار کے
اوپر تھا اور پھر دوسری طرف اترنے میں اسے کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ یہاں دیوار زیادہ اونچی
نہیں تھی۔

وہ برآمدے میں پہنچ کر رک گیا۔ پھاٹک کے قریب نوکروں کے کمرے میں روشنی نظر
آ رہی تھی لیکن وہ اتنی تیز نہیں تھی کہ برآمدے تک پہنچ سکتی۔ گھاس میں چھپے ہوئے جھینگر
جھائیں جھائیں کر رہے تھے۔ اکثر دور سے گیدڑوں کی صدائیں آتیں اور پھر سکوت چھا جاتا۔
فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ بات اہم ہی رہی ہو گی ورنہ وہ عمل کے وقت سوچنے کا قائل نہیں تھا۔
یک بیک وہ دروازے کی طرف مڑا۔ اسے توقع تھی کہ وہ مقفل ہو گا۔ مگر وہ ہینڈل گھماتے
ہی کھل گیا۔ اس نے بڑی احتیاط سے اندر داخل ہو کر دروازہ پھر بند کر دیا۔

اب اس کی ننھی سی ٹارچ دوبارہ نکل آئی تھی کیونکہ یہاں چاروں طرف اندھیرے کی
حکمرانی تھی۔ روشنی کی باریک سی لکیر ادھر اُدھر تیزی سے گردش کرنے لگی۔

وہ بڑی تیزی سے کمروں کی چیزیں الٹنے پلٹنے لگا۔

اچانک اسے ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ اس نے ٹارچ بجھا دی اور چپ چاپ ایک طرف
کھڑا ہو گیا۔ دو تین منٹ گذر گئے۔

آخر اس نے اسے سماعت کا واہمہ سمجھ کر دوبارہ کام شروع کر دیا۔ اس نے سارے صندوق
الٹ دیئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش اس وقت حمید بھی ہوتا۔

آخر میں وہ گریٹا کی خواب گاہ میں آیا۔ سب سے پہلے اس کی نظر سنگھار میز پر پڑی.... اور
اس نے تلاشی کی شروعات اسی سے کی۔ درازیں کھول کر دیکھیں۔

اور پھر اس کی نظر ایک چوڑے منہ کی شیشی پر جم گئی جس میں کئی رنگوں کے ننھے ننھے
کیپسول بھرے ہوئے تھے۔

کئی رنگوں کے کیپسول؟ فریدی کے ذہن نے دہرایا.... سرخ، پیلے، گہرے گلابی اور آبی
رنگ کے کیپسول۔ کیا ایک ہی رنگ کے کافی نہیں تھے۔

فریدی نے شیشی کا ڈھکن کھول کر تھوڑے سے کیپسول اپنی ہتھیلی پر الٹ لئے۔ ان میں سے
ایک آدھ کھول کر بھی دیکھے لیکن وہ خالی تھے۔ اس نے ان میں سے ہر رنگ کے دو چار نکال کر
جیب میں ڈال لئے۔

اس کے ذہن میں ایک بہت بڑا شبہ سر ابھار رہا تھا۔ ان کیپسولوں کی موجودگی کے باوجود بھی
وہاں اسے کوئی ایسی دوا نہ دکھائی دی جس کے استعمال کے سلسلے میں یہ کیپسول ضروری ہوتے۔

ایک جگہ اسے گریٹا کے بہت سے سرٹیفکیٹ ملے جو اسے مختلف ملکوں سے مخصوص تقریبات کے مواقع پر دیئے گئے تھے۔ فریدی نے انہیں بھی جیب میں ڈال لیا۔ اس نے سوچا کہ آخر اس افراتفری کا بھی تو کوئی جواز ہونا ہی چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ کل شام کے اخبارات ایک حیرت انگیز چوری کی خبر چھاپیں جس میں صرف سرٹیفکیٹ چرائے گئے ہوں۔

وہ دل ہی دل میں اپنی اس تدبیر پر ہنسا۔

وہ واپسی کے لئے مڑ ہی رہا تھا کہ اسے برابر والے کمرے میں پھر ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے نیند میں کراہ کر کروٹ بدلی ہو۔ اسے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ وہ تھوڑی ہی دیر قبل سارے کمروں کو دیکھ چکا تھا اور وہ سب خالی تھے۔ وہ دبے پاؤں خواب گاہ سے نکل کر اس کمرے کے بند دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس نے اسے کھولنے کی کوشش کی لیکن وہ اندر سے بند تھا۔

حیرت کا دوسرا لمحہ۔ کچھ دیر قبل وہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اگر کوئی اس میں داخل بھی ہوا ہے تو اس نے کمرے کی ابتری کی طرف کیوں دھیان نہیں دیا۔ اگر وہ گھر ہی کا کوئی فرد ہے تو اسے ایسی حالت میں اس طرح دروازہ بند کر کے بیٹھ رہنے کی بجائے پورے مکان کا چکر لگانا چاہئے تھا۔ اندر داخل ہونے والے نے روشنی بھی نہیں کی تھی۔

اس نے دروازے کے شیشوں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ کمرے میں گہرا اندھیرا تھا۔ دفعتاً اسے روشنی کی ایک باریک سی لکیر گردش کرتی ہوئی نظر آئی۔ غالباً یہ اسی قسم کی ٹارچ کی روشنی تھی جیسے کچھ ہی دیر پیشتر فریدی استعمال کر چکا تھا۔ ٹارچ کی روشنی بکھرے ہوئے سامان پر رینگتی پھر رہی تھی۔

پھر ٹارچ بجھا دی گئی اور کسی نے دروازے کے ہینڈل کو اندر سے پکڑ کر گھمایا۔ فریدی دروازے کے سامنے سے کھسک کر دیوار سے چپک گیا۔

باہر آنے والے کے پس منظر میں کھلا ہوا آسمان تھا۔ اس لئے فریدی اس کا دھندلا سایہ دیکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ ایک طویل القامت آدمی تھا۔

اب وہ فریدی کے قریب سے گذرتا ہوا خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔

اچانک بیرونی برآمدے میں کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے

دروازے کا ہینڈل گھمایا ہو۔ خواب گاہ میں گھسا ہوا آدمی باہر نکل آیا۔ پھر فریدی نے اس کو صحن سے گذر کر باورچی خانے کی چھت پر چڑھتے دیکھا۔

خود اس کا بھی وہاں ٹھہرنا خطرہ سے خالی نہیں تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دوسرا آدمی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ فریدی نے بھی بڑی تیزی سے اس کی تقلید کی۔ باورچی خانے کی دیوار کافی نیچی تھی۔ اس نے چھت پر چڑھ کر دوسری طرف جھانکا۔ دوسرا آدمی نیچے کود چکا تھا۔ اندر داخل ہونے کے لئے یہ راستہ بڑا آسان تھا۔ لیکن فریدی نے جلدی میں اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ پہلے کودنے والا بڑی تیز رفتاری سے ایک طرف جا رہا تھا۔ فریدی نے بھی نیچے چھلانگ لگا دی۔ حالانکہ اس نے کریپ سول جوتے پہن رکھے تھے مگر کودنے سے جو آواز ہوئی وہ آگے جاتے ہوئے آدمی کو چونکا دینے کے لئے کافی تھی۔ وہ ایک لمحہ کے لئے ٹھٹکا پھر بیک بیک دوڑنے لگا.... فریدی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

اچانک اسپرنگ کاٹج کی طرف سے کسی نے فائر کیا۔ گولی سنسناتی ہوئی فریدی کے قریب سے نکل گئی۔ دوسرا فائر ہوا۔ شور و غل کی آوازیں بھی سناٹے میں انتشار پھیلانے لگیں۔

دوسرا آدمی فریدی کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اب اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اس کے تعاقب کا خیال ترک کر کے چپ چاپ یہاں سے نکل جائے۔

دوسری صبح فریدی ناشتے کی میز پر حمید کا انتظار کر رہا تھا اور اس کے ذہن میں پچھلی رات کے واقعات تیزی سے گردش کر رہے تھے۔ آخر وہ دوسرا آدمی کون تھا؟ اور اسے کس چیز کی تلاش تھی؟

کئی منٹ گذر گئے لیکن حمید نہیں آیا۔ پھر نوکر نے اطلاع دی کہ وہ موجود ہی نہیں ہے۔

فریدی نے سارا دن اپنی تجربہ گاہ میں گذارا.... اور شام کو جب نیچے آیا تو اس نے سب سے پہلے شام کو شائع ہونے والے اخبارات طلب کئے اور پھر وہ خبر اُسے مل ہی گئی جس کی اسے تلاش تھی.... تقریباً سارے ہی اخبارات نے خبر جلی حرفوں میں دی تھی۔ "اطالوی رقاصہ گریٹا سیرانو کے یہاں عجیب و غریب چوری۔ گھر کا سارا سامان الٹ پلٹ دیا گیا.... لیکن چور صرف اس کے سرٹیفکیٹ لے گیا۔ پولیس نے رپورٹ درج کر لی ہے اور کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش تحقیقات کر رہے ہیں۔"

فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے ڈرائیور کو آواز دے کر کیڈی نکالنے کو کہا۔

"ابھی ابھی حمید صاحب لے گئے ہیں۔" ڈرائیور نے کہا اور فریدی تاؤ کھا کر رہ گیا.... اور

حمید اپنی خیالی مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا اسپرنگ کاٹج کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ چمڑے کے تھیلے میں درجنوں بے ضرر سانپ کلبلا رہے تھے۔

اسپرنگ کاٹج پہنچ کر وہ کیڈی سے اتر گیا۔ لیکن تھیلا اسی میں پڑا رہنے دیا۔ برآمدے میں کھڑے ہوئے ملازم نے کارڈ طلب کیا۔

"اوہ....!" حمید پیر پٹخ کر بولا۔ "جا کر کہہ دو.... ڈاکٹر زیتو تشریف لائے ہیں۔"

"صاحب وہ اردو نہیں سمجھتیں۔ لکھ کر دیجئے۔" نوکر نے لجاجت سے کہا۔

حمید نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر پنسل سے گھسیٹ کر اسے دے دیا۔ نوکر کو واپسی میں دیر نہیں لگی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے حمید کا انتظار ہی رہا ہو۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اس کی نظر انسپکٹر جگدیش پر پڑی۔ حمید نے جگدیش کو چونکتے دیکھا۔ وہ بھی بوکھلا گیا تھا۔ لیکن اس نے گریٹا کی نظر بچا کر جگدیش کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بائیں آنکھ دبا دی۔

"آفیسر.... یہی ہے وہ آدمی۔" دفعتاً گریٹا چیخ کر بولی۔

"اگر یہ وہی آدمی ہے تو مجبور ہوں۔" جگدیش ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیوں....؟" گریٹا اسے گھورنے لگی۔

"میں یہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ اس نے آپ کے سرٹیفکیٹ چرائے ہوں گے۔" جگدیش نے کہا۔ "ہاں اگر آپ کا پاؤڈر پف یا ہیئر پن غائب ہوا ہوتا تو بات دوسری تھی۔"

حمید ان دونوں کو پاگلوں کی طرح گھورتا رہا۔ اس نے گریٹا کے یہاں کی چوری کی خبر پڑھی تھی۔ لیکن یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گریٹا نے اُسی کے خلاف شبہ ظاہر کیا ہوگا۔

"کیا آپ اس سے واقف ہیں۔" گریٹا نے پوچھا۔

"اچھی طرح.... یہ ایک معزز شہری ہے۔"

"کیا بات....!" حمید نے ان دونوں کو باری باری سے گھور کر کہا۔

"اچھا مس گریٹا....!" جگدیش اٹھتا ہوا بولا۔ "میں پوری کوشش کروں گا۔"

جگدیش سر جھکائے ہوئے حمید کے قریب سے نکل گیا۔ حمید کھڑا گریٹا کو گھورتا رہا۔ اس نے اسے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔

"آخر بات کیا ہے۔" حمید نے پھر پوچھا۔

"یہاں چوری ہو گئی ہے۔"

"میں جانتا ہوں.... میں نے اخبار میں دیکھا تھا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "لیکن کیا تمہیں مجھ پر شبہ ہے۔"

"میں نے یونہی خیال ظاہر کیا تھا۔" گریٹا تھوک نگل کر بولی۔ پھر تھوڑے توقف کے ساتھ اس نے پوچھا۔ "آخر تم ہو کون؟"

"ڈاکٹر زیتو.... سانپوں کا ماہر۔"

"پولیس والے تمہیں کیسے جانتے ہیں۔"

"وہ مجھے جاننے پر مجبور ہیں.... میں یہاں کا ایک بہت بڑا آدمی ہوں۔"

"اور تم سانپ پکڑتے ہو۔"

"ہاں یہ میری ہابی ہے۔"

"ہوگی.... میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔"

"سرٹیفکیٹ کے لئے پریشانی۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "میں یہاں سے تمہیں درجنوں سرٹیفکیٹ دلا دوں گا۔"

"جاؤ.... پھر کبھی آنا۔" گریٹا بے صبری سے ہاتھ ملا کر بولی۔

"میں سانپ لایا ہوں۔"

"مجھے بالکل فرصت نہیں ہے۔"

"تو تم نے میرا اتنا وقت کیوں برباد کرایا۔" حمید بگڑ گیا۔ "میں بہت مشغول آدمی ہوں۔"

گریٹا کچھ نہ بولی۔ وہ بہت زیادہ اکتائی ہوئی نظر آنے لگی تھی۔

"اچھی بات ہے میں جا رہا ہوں۔" حمید نے پیر پٹخ کر کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ کیڈی پائیں باغ کی روش پر کھڑی تھی۔ اس نے سانپوں کا تھیلا نکالا اور پھر گریٹا کے ڈرائنگ روم میں

جا گھسا۔ گریٹا بھی شائد باہر ہی جانے کے لئے اٹھی تھی۔ حمید نے تھیلا میز پر الٹ دیا اور گر
مار کر صوفے پر چڑھ گئی۔ درجنوں سانپ میز پر رینگتے پھر رہے تھے۔

"کیا میں جھوٹ کہتا ہوں۔" حمید نے پرسکون لہجے میں کہا اور جھک کر ایک سانپ اٹھا
بولا۔ "یہ میرے کیچوے ہیں۔"

گریٹا صوفے پر کھڑی بُری طرح کانپ رہی تھی۔ دفعتاً ایک کالا سانپ پھن اٹھائے صو
کی طرف لپکا اور گریٹا دوبارہ چیخ مار کر حمید کی گردن میں جھول گئی۔ پھر وہ دونوں صوفے پر ڈ
ہو گئے۔ نوکر برآمدے پر کھڑے چیخ رہے تھے۔

"خدا کے لئے....!" گریٹا ہانپتی ہوئی بولی۔

"تم مجھے جھوٹا سمجھتی تھیں۔"

"نہیں.... نہیں.... انہیں لے جاؤ۔"

"گھبراؤ نہیں.... جب تک تم میرے قریب ہو یہ تمہارا کچھ نہیں کر سکتے۔"

حمید نے سوچا کہ اگر یہ نوکر شور مچاتے ہوئے سڑک پر نکل گئے تو بڑی زحمت ہو گی۔
اس نے گریٹا سے کہا۔ "ان گدھوں کو چپ کراؤ ورنہ میرے سانپوں کا نروس بریک ڈاؤن
ہو جائے گا۔"

گریٹا خوفزدہ سی ہنسی کے ساتھ ہاتھ ہلا کر نوکروں کو چلے جانے کا اشارہ کرنے لگی۔
نوکروں نے اس کے اس رویہ کو حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور چپ چاپ چلے گئے۔

"اوہ.... ای۔" گریٹا پھر چیخ مار کر حمید پر لد پڑی۔ ایک سانپ صوفے پر چڑھنے کی کوشش
کر رہا تھا۔ حمید نے اسے دوسری طرف جھٹک دیا۔

"ہٹاؤ.... انہیں.... ہٹاؤ.... ورنہ میں نوکروں کو بلاتی ہوں۔"

"نوکر اس کمرے میں گھسنے کی بھی ہمت نہ کر سکیں گے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"دو باتیں.... ایک تو تم یہ تسلیم کرو کہ میں جھوٹا نہیں ہوں۔"

"میں تسلیم کرتی ہوں۔"

"دوسری بات یہ کہ مجھ سے روز ملو گی۔"

"ملوں گی۔"

"بس ٹھیک! اچھا مجھے اٹھنے دو تاکہ میں انہیں دوبارہ تھیلے میں رکھ سکوں۔"

گریٹا اُسے چھوڑ کر ایک طرف کھسک گئی اور حمید سانپوں کو پکڑ پکڑ کر تھیلے میں ڈالنے لگا۔

"تمہیں خوف نہیں معلوم ہوتا۔" گریٹا نے کہا۔

"نہیں یہ میرے بہترین دوست ہیں۔"

آخری سانپ حمید کے ہاتھ ہی میں تھا کہ ایک لمبا تڑنگا اینگلو انڈین کمرے میں داخل ہوا اور
چند لمحے حیرت سے منہ کھولے دروازے کے قریب کھڑا رہا۔

حمید نے سانپ کو جھولے میں ڈالتے ہوئے گریٹا سے کہا۔ "کھیل ختم ہو گیا۔"

"اوہ.... مسٹر کیلب....!" گریٹا نے نووارد کو مخاطب کیا۔ "یہ سانپوں کے ماہر ڈاکٹر زیٹو ہیں۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ اس نے اس سے پہلے کیلب کو کب اور کہاں دیکھا تھا۔

کیلب حمید کو گھورتا ہوا آگے بڑھا اور حمید نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بڑی خوشی ہوئی مسٹر کیلب....!"

"مجھے بھی کم خوشی نہیں ہوئی کیپٹن حمید۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "لیکن تمہارے
ہاتھ گندے ہیں اس لئے مصافحہ نہیں کر سکتا۔"

"کوئی بات نہیں پھر کسی دن سہی۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"لیکن دوسروں سے تعارف حاصل کرنے کا یہ طریقہ بہت ہی بھونڈا ہے۔" اس نے
سانپوں کے تھیلے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"تم انہیں جانتے ہو۔" گریٹا نے جلدی سے کہا۔

"ہاں!" کیلب بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "یہ محکمہ سراغرسانی کے ایک بدنام آفیسر ہیں۔ وہ
عورتیں جو انہیں منہ لگانا پسند نہیں کرتیں ان سے اس طرح تعارف حاصل کرتے ہیں۔"

"یہ جملہ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔" حمید نے فرش سے تھیلا اٹھاتے ہوئے کہا۔

کیلب نے استہزائیہ انداز میں قہقہہ لگایا اور حمید نے گریٹا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم مجھے بہت
یاد آؤ گی۔"

وہ کمرے سے نکل آیا۔ لیکن اس کا ذہن کیلب میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ آخر وہ کون تھا....؟

کہاں مری تھی

فریدی مضطربانہ انداز میں اپنی تجربہ گاہ میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے چہرے سے جوش کا اظہار ہو رہا تھا۔ شائد اس نے ابھی ابھی کوئی تجربہ کر کے اس سے خاطر خواہ نتائج اخذ کئے تھے۔ اس نے نوکر کے لئے گھنٹی بجائی.... اور سگار سلگا کر ایک میز کے کونے پر بیٹھ گیا۔

"حمید کو بھیج دو۔" نوکر کو دروازے میں کھڑا دیکھ کر اس نے کہا۔

کچھ دیر بعد حمید عجیب ہیئت کذائی میں اس کے سامنے موجود تھا۔ بال بکھرے ہوئے جسم پر ریشم کا پھولدار لمبا لبادہ جاپانی کیمونو سے ملتا جلتا۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک کی ہلکی سی سرخی تھی۔

"تم دوسروں کو ہنسانے کی کوشش میں بھانڈ ہوئے جا رہے ہو۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ غلط سمجھے۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ "میں دراصل آئینے کے سامنے ایک گونگی لڑکی کا رول ادا کر رہا تھا۔"

"بیٹھ جاؤ بکواس نہ کرو۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ نوکر کیا کہتے ہوں گے۔"

"مجھے.... نوکروں....!"

"خاموش رہو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ "جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے کان کھول کر سنو۔"

"میرے کان بند نہیں ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"تم کل شام کو بھی اسپرنگ کاٹج گئے تھے اور وہاں تم نے جو اودھم مچائی اس کی رپورٹ باقاعدہ طور پر آفس میں آئی ہے۔"

"رپورٹ کس نے کی ہے؟"

"خود گریٹا نے۔"

"گڈ لارڈ....!" حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

"تمہاری وجہ سے میری بڑی بدنامی ہوتی ہے۔"

"تو پھر مجھے گولی مار دیجئے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"نہیں بہتر یہی ہوگا کہ تم اب یہاں سے چلے جاؤ۔ جتنی جلد ممکن ہو سکے کوٹھی خالی کر دو۔" فریدی نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

حمید بوکھلا کر اسے گھورنے لگا۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو.... ہاں فریدی بول رہا ہوں.... اوہ.... آپ ہیں.... آداب عرض.... کیا؟"

بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے اس کے جسم میں بجلی کا شاک لگا ہو۔ وہ آنکھیں پھاڑے اور منہ کھولے سنتا رہا۔ پھر یک بیک بولا۔ "دیکھئے یقیناً کسی نے اس واقعے سے فائدہ اٹھایا ہے.... یقین کیجئے یہ ناممکن ہے۔"

وہ پھر دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سننے لگا۔ حمید کو فریدی کی یہ بات گراں گزری تھی وہ جانے کے لئے مڑا لیکن فریدی نے بڑی بے صبری سے ہاتھ اٹھا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ جب حمید اس پر بھی نہ مانا تو وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر دہاڑا۔ "ٹھہر جاؤ۔"

حمید رک گیا۔

فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ اسے بھی لاؤں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ کر حمید کی گردن پکڑ لی۔ "جاتے کہاں ہو! اب تم کہیں نہیں جا سکتے۔"

"معاف کیجئے گا میں سنجیدہ ہوں۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں بھی سنجیدہ ہوں اور ہو سکتا ہے کہ میری سنجیدگی تمہیں پھانسی کے تختے تک پہنچا دے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی زبان روکنے کے لئے انتہائی جدوجہد کر رہا ہو۔

"ابھی ابھی ڈی۔ آئی۔ جی صاحب نے فون پر اطلاع دی ہے کہ گریٹا مر گئی۔"

"کیا....؟" حمید گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"ہاں! فرزند۔ اس کی لاش اسپرنگ کاٹج میں پڑی ہوئی ہے اور پولیس وہاں پہنچ چکی ہے۔ ڈی۔ آئی۔ جی صاحب بھی موجود ہیں۔"

"ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کا وہاں کیا کام۔" حمید نے کہا۔

"انہیں تمہاری کل والی حرکت کی رپورٹ مل چکی تھی۔ لہٰذا جب انہیں معلوم ہوا کہ گریٹا کی موت سانپ کے کاٹنے کی وجہ سے....!"

"سانپ....!" حمید کے حلق سے خوفزدہ سی آواز نکلی۔

”ہاں.... اس کے داہنے پیر میں سانپ کے کاٹنے کا نشان موجود ہے۔“ فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

یقیناً کسی نے مجھے بُری طرح پھنسادیا۔

”فریدی تو پاگل ہے۔“ فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”اُسے خواہ مخواہ شک کرنے کی عادت پڑگئی ہے۔ وہ غلط بھی سوچ سکتا ہے مگر حمید صاحب یہ کیا ہوا....؟“

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے پر زردی چھاگئی تھی۔

”گریٹا کے نوکروں نے بھی تمہارے خلاف شہادت دی ہے اور ایک آدمی اور ہے۔ کیا.... کل اس نے بھی تمہارے ہاتھ میں سانپوں کا تھیلا دیکھا تھا۔“

”یہ تو بہت بُرا ہوا۔“ حمید کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

”بُرے سے بھی کچھ زیادہ۔“ فریدی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ ”خیر تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ہمیں وہاں فوراً ہی پہنچنا ہے۔“

”میں بھی چلوں۔“

”ہاں! تم فکر نہ کرو۔ تم بعض اوقات فریدی کو بدھو سمجھنے لگتے ہو۔ اب میں تمہیں دکھاؤں گا کہ فریدی کیا ہے؟“

”بڑی خطرناک پوزیشن ہوگئی ہے میری۔“

”تمہاری اس حماقت سے مجرم ہوشیار ہوگئے اور انہوں نے نہ صرف گریٹا کو ٹھکانے لگا دیا بلکہ تمہیں بھی مصیبت میں ڈال گئے۔ اب ہمارے پاس ان کا کوئی سراغ نہیں۔ گریٹا ایک ا ذریعہ تھی.... خیر.... میں دیکھوں گا۔ جلدی کرو۔“

حمید پر بُری طرح بدحواسی طاری تھی۔ وہ بزدل نہیں تھا۔ لیکن جب وہ یہ دیکھتا کہ قانون کی گرفت میں آنے والا ہے تو بہت جلد پریشان ہوجاتا تھا۔ بادی النظر میں اُسے ہی گریٹا کی موت کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا تھا۔ کوئی عدالت اسے نہ تسلیم کرتی کہ سارے ہی سانپ بے ضرر ہوں گے۔ اور نہ اسی بات کا کوئی ٹھوس ثبوت مہیا کیا جاسکتا تھا کہ حمید سارے سانپ سمیٹ لایا ہوگا۔ ہوسکتا تھا کہ ایک آدھ کہیں چھپا رہ گیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈی کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔

”تم نے سانپ کس کیج سے نکالے تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”کیج نمبر چار سے۔“ حمید نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ اس میں کوئی بھی زہریلا نہیں۔“

”ٹھیک ہے! میں انہیں دیکھتا رہتا ہوں۔“ فریدی بولا۔

پھر راستے بھر دونوں خاموش رہے۔ وہ دونوں ہی فکر مند تھے۔

اسپرنگ کاٹج کے سامنے کئی پولیس کاریں کھڑی تھیں اور پھاٹک پر دو کانسٹیبل موجود تھے۔ فریدی اور حمید کو کار سے اترتے دیکھ کر وہ سیدھے کھڑے ہوگئے۔

”کیا ڈی۔ ایس۔ پی صاحب بھی ہیں۔“ فریدی نے ان سے پوچھا۔

اس کا جواب انہوں نے اثبات میں دیا۔ وہ دونوں اندر آئے۔ یہاں سات آٹھ پولیس والوں کے علاوہ فریدی کے محکمے کا ڈی۔ آئی۔ جی بھی موجود تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے بُرا سامنہ بنایا۔

”لاش اندر ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے فریدی سے اس انداز میں کہا جیسے وہ مردے کو اٹھانے کا کام کرتا ہو۔ ان دنوں اُن دونوں میں پھر چشمک ہوگئی تھی۔

فریدی نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ لیکن کچھ نہ بولا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی اور حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ وہ انہیں اس کمرے میں لایا جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر شب خوابی کا لباس تھا۔ مگر یہ سونے کا کمرہ نہیں تھا۔ وہی کمرہ تھا جہاں حمید نے پچھلی شام اپنے کرتب دکھائے تھے۔

”لاش سب سے پہلے کس نے دیکھی۔“ فریدی نے سوال کیا۔

ڈی۔ آئی۔ جی اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔ ”کیا تمہیں یقین ہے کہ لاش ہی دیکھی گئی ہوگی۔“

”جی ہاں! مجھے یقین ہے کہ کسی نے اسے چیختے بھی نہ سنا ہوگا اور نوکروں نے اس کی لاش صبح دیکھ پائی ہوگی۔“ فریدی نے کہا۔

”تو تمہیں تفصیل معلوم ہو چکی ہے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

”ہرگز نہیں.... مجھے اتنا ہی معلوم ہے جتنا آپ نے فون پر بتایا تھا۔ پھر میں ادھر چلا آیا۔ یہ البتہ میں نے لاش کی حالت دیکھ کر کہی ہے۔ یہ غالباً ڈرائنگ روم ہے۔“

فریدی خاموش ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"خیر اسے جانے دو۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔ "میں کل والے واقعے کی بات کرنا چاہتا ہوں"

"کل والا واقعہ۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "حمید نے وہ سب کچھ میری ایک
کے تحت کیا تھا۔"

"تمہاری اسکیم۔"

"جی ہاں... گریٹا ایک خطرناک عورت تھی۔"

"کیا کہہ رہے ہو...؟"

"ناخنوں والی وبا میں اسی کا ہاتھ تھا۔"

ڈی۔ آئی۔ جی اُسے چند لمحے حیرت سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "بہت زیادہ سوچنے والے اک
ذہنی توازن کھو بیٹھتے ہیں۔"

"آپ نے ہمیشہ میرے متعلق یہی رائے قائم کی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ اتنے
ڈی۔ ایس۔ پی نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

"ذرا توقف کیجئے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور وہ واپس چلا گیا۔

"ناخنوں کی وبا کی کیا بات تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی سے کہا۔

اس پر فریدی نے اب تک جتنی بھی چھان بین کی تھی اس کا لب لباب بتاتے ہوئے ک

"اب آپ خود خیال فرمائیے میں اسے محض اتفاق کس طرح تسلیم کرلوں جب کہ وہ ایک دو نہ
بلکہ پانچوں موقعوں پر موجود رہی ہے اور پانچوں مرنے والے قومی ترقیاتی پروگرام میں بہت
اہم رول ادا کر رہے تھے۔ ابھی تک کوئی عام آدمی اس وبا کا شکار نہیں ہوا۔"

فریدی خاموش ہو گیا اور ڈی۔ آئی۔ جی کچھ سوچتا رہا۔ فریدی پھر بولا۔ "گریٹا کی پشت
کوئی بڑی طاقت تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ ہم لوگ اس میں دلچسپی لے رہے ہیں تو اس نے ا
ٹھکانے لگا دیا۔ اب ہمارے پاس فی الحال اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں۔ گریٹا ہی اس پُر اسرا
آدمی تک پہنچنے کا ایک ذریعہ تھی۔"

"وہ تو ٹھیک ہو سکتا ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی بولا۔ "مگر کیا یہ ممکن نہیں کہ ایک سانپ یہاں
گیا ہو۔ نوکروں نے بتایا ہے کہ انہوں نے اسی کمرے میں سانپ دیکھے تھے۔"

"لاش انہوں نے یہیں پڑی پائی تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"ڈاکٹر کو یقین ہے کہ یہ سانپ ہی کے دانتوں کا نشان ہے۔"

"ہاں بھئی۔"

"موت ہوئے کتنی دیر گذری....!" فریدی نے پوچھا۔

"پچھلی رات دس اور ایک بجے کے درمیان میں۔"

"تو گویا وہ رات کسی وقت خواب گاہ سے اٹھ کر یہاں آئی اور اسے سانپ نے ڈس لیا۔ لیکن
چیخی بھی نہیں۔ خاموشی سے مر گئی۔"

"ممکن ہے! نوکروں نے چیخ نہ سنی ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔ "وہ پھاٹک کے قریب والی
کوٹھریوں میں سوتے ہیں۔ گریٹا عمارت میں تنہا تھی۔"

"دیکھئے! یہاں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں نفسیاتی نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کیجئے۔
پہلی بات تو یہ ہے کہ پرسوں رات کو اس عمارت میں چوری ہو چکی ہے۔ کیا یہ حیرت انگیز بات
نہیں ہے کہ اس کے باوجود بھی وہ اس عمارت میں تنہا رہی۔ اس کا نفسیاتی رد عمل تو یہ ہونا چاہئے
تھا کہ گریٹا نوکروں کو بھی اسی عمارت میں سلاتی۔ خیر اسے بھی جانے دیجئے۔ یہ ایک الگ بحث
ہے۔ لاش کی طرف دیکھئے۔ وہ ننگے پیر ہے اور جسم پر شب خوابی کا لباس ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے
کہ وہ خواب گاہ سے اٹھ کر یہاں آئی تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ننگے پیر کیوں آئی۔"

"یہ سوال فضول ہے.... بہت سے لوگوں کو گھر میں ننگے پیر چلنے کی عادت ہوتی ہے۔"
ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن ہمیں اس کا جائزہ بھی نفسیاتی نکتہ نظر ہی سے لینا چاہئے۔
اگر کسی گھر میں اتفاقاً سانپ دکھائی دے جاتا ہے تو اس گھر کے افراد ہفتوں رات کو ننگے پیر یا
اندھیرے میں چلنے کی ہمت نہیں کرتے۔ چہ جائیکہ اسی کمرے میں گریٹا نے درجنوں سانپ دیکھے
تھے۔ جس طرح ہم یہاں ایک آدھ سانپ کے رہ جانے کے امکانات پر غور کر رہے ہیں کیا خود
اس کے ذہن میں بھی یہی چور نہ رہا ہوگا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ بہر حال ایسے حالات میں اس کا
ننگے پیر چلنا سمجھ میں نہیں آتا۔"

فریدی خاموش ہو کر پھر چاروں طرف نظر دوڑانے لگا پھر اس نے کہا۔ "میں نوکروں سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں"

دونوں نوکر بلوالئے گئے۔ وہ خوف سے زرد ہو رہے تھے۔

"تم میں سے کس نے لاش پہلے دیکھی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں نے....!" ایک نے جواب دیا۔

"کیا وقت تھا....!"

"چھ بجے تھے شائد۔"

"کیا یہ بلب جل رہا تھا۔" فریدی نے چھت سے لٹکتے ہوئے بلب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"پتہ نہیں.... میں نے نہیں دیکھا۔"

"تم نے....!" فریدی نے دوسرے سے پوچھا۔ اس نے بھی نفی میں جواب دیا۔ پھر فریدی نے پولیس کے عملہ سے بھی یہی سوال کیا۔ لیکن اُن میں سے بھی کسی نے بلب کو روشن نہیں دیکھا تھا۔ ڈاکٹر جا چکا تھا۔ فریدی نے اسے بھی فون کر کے یہی سوال دہرایا۔ آخر ڈی۔ آئی۔ جی تنگ آ گیا۔

"آخر اس سوال سے تم کیا معلوم کرو گے۔" اس نے اکتا کر کہا۔

"کچھ نہیں۔ میں نے یہ بات معلوم کر لی کہ یہ بلب روشن نہیں تھا۔ حالانکہ گریٹا اس کمرے میں تو کبھی ننگے پیر اندھیرے میں نہ آتی۔ یہاں کام کرنے والا ذرا سا چوک گیا۔ اسے چاہئے تھا کہ لاش یہاں ڈالنے کے بعد بلب روشن کر دیتا۔ اس سے تھوڑا بہت دھوکا تو ہم کھا ہی سکتے تھے۔ ہاں.... یہ بتایئے.... خواب گاہ بھی دیکھی کسی نے؟"

"نہیں! خواب گاہ کیوں؟"

"میرا خیال ہے کہ سانپ نے اُسے وہیں ڈسا ہو گا۔" فریدی بولا۔

پھر وہ خواب گاہ میں آئے۔ فریدی نے اس کمرے میں قدم رکھتے ہی ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑ کر کہا۔ "یہاں بھی کام کرنے والے نے ٹھوکر کھائی ہے۔ غالباً وہ بہت جلدی میں تھا۔ دیکھئے بستر شکن آلود ہے۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے اس پر سونے والا بڑے ہی کرب کے عالم میں مچلتا رہا ہو۔ کیا تعجب ہے کہ ایک اس کا منہ دبائے رہا ہو اور دوسرے نے اس کے پیر کے

ٹھے سے سانپ کا منہ لگا دیا ہو۔ اس کی بھی ضرورت نہیں جناب نشانات مصنوعی دانتوں سے ڈال کے سانپ کے زہر کا انجکشن بھی تو دیا جا سکتا ہے۔ بھلا اتنا مہلک سانپ کون ساتھ لئے پھرے گا۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر میز کی درازیں کھولیں اور ان میں رکھی ہوئی ...وں کو بڑی تیزی سے الٹتا پلٹتا چلا گیا۔ لیکن اسے وہ شیشی نہ ملی جس میں اس نے ایک رات کئی ...لوں کے ننھے ننھے کیپسول دیکھے تھے۔

"اب کیا کر رہے ہو تم....!" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"مجھے ایک چیز کی تلاش ہے جس کے متعلق میں آپ کو پھر کبھی بتاؤں گا۔ مجھ پر اعتماد کیجئے لاش کو اٹھوا کر پوسٹ مارٹم کیلئے بھجوا دیجئے۔ میں ایک بہت بڑی سازش کی بو سونگھ چکا ہوں۔"

تین ہمشکل

پتہ نہیں ڈی۔ آئی۔ جی فریدی کے دلائل سے مطمئن ہوا تھا یا نہیں۔ مگر اس نے اس سلسلے میں پھر کوئی بات نہیں کی۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے حمید سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن ڈی۔ آئی۔ جی نے اسے روک دیا۔ فریدی پر اسے بہت اعتماد تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ خواہ کچھ ہو فریدی اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگائے گا۔

جس دن گریٹا کی لاش ملی تھی اسی رات کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جس کی اطلاع پولیس کو دوسرے دن صبح ہوئی۔ کوتوالی میں حاضر ہونے والے شہر کے قبرستان کے محافظ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ پچھلی رات چند نامعلوم آدمی قبرستان میں داخل ہوئے اور انہوں نے ایک قبر کھودنی شروع کی۔ یہ واقعہ محافظوں کے لئے حیرت انگیز تھا۔ وہ صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے وہاں پہنچے تو کئی رائفلوں کی نالیں ان کی طرف اٹھ گئیں۔ ان سے کہا گیا کہ وہ خاموش رہیں ورنہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہ سکے گا۔

قبر کھود کر ان آدمیوں نے ایک لاش نکالی جس ... بدبو آ رہی تھی۔ اُس کے بعد کا منظر محافظوں کے لئے اور زیادہ تحیر انگیز تھا۔ ان پُراسرار ...میوں میں سے ایک نے لاش سے بہت سا گوشت کاٹ کر ایک عجیب قسم کے برتن میں رکھا اور پھر وہ لوگ لاش کو وہیں پڑا چھوڑ کر چلے

گئے۔ محافظ جہاں تھے وہیں رہے۔ ان میں سے کسی نے بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کی۔

پولیس کے لئے یہ ایک حیرت انگیز اطلاع تھی۔ ادھر پولیس کا عملہ موقعہ واردا صورت حال کا جائزہ لے کر قبرستان سے نکلا اور ادھر سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی۔ پھیلنے کی وجہ یہ تھی کہ لاش پہچان لی گئی تھی۔ یہ ناخنوں والی وبا کے آخری شکار ڈاکٹر شر لاش تھی۔

پولیس والوں کے لئے یہ واقعہ عجیب تھا۔ لیکن فریدی کے لئے اس سے بھی کچھ زیادہ۔

جیسے ہی اسے اطلاع ملی وہ حمید کو ساتھ لے کر وہاں پہنچ گیا۔ لاش اب بھی قبر کے باہر ہوئی تھی اور بدبو کا یہ عالم تھا کہ ناک دینا محال! حمید تو لاش کے قریب بھی نہیں گیا۔ فریدی پر رومال رکھے کئی منٹ تک اس پر جھکا رہا۔ پھر اس نے اس کے قریب ہی سے کوئی چیز اٹھا الگ ہٹ آیا۔

"واقعی.... کولہوں کا گوشت کاٹا گیا ہے۔" اس نے حمید سے کہا اور چٹکی میں دبی ہوئی چ دیکھنے لگا۔ یہ کسی کے کف اسٹڈ کا ایک حصہ تھا۔

"مگر اس کا مطلب کیا ہے۔" حمید بولا۔ پھر اس نے جلدی سے کہا۔ "اب چلئے بھی یہ سے.... کتنی بدبو ہے۔"

"ہاں چلو....!" فریدی بے خیالی کے انداز میں بولا۔ وہ دونوں قبرستان سے نکل آئے۔

"میں خود نہیں سمجھ سکا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔" فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "مجرم کافی ہوشیار معلوم ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے محض ہمیں الجھانے کے لئے حرکت کی ہو۔ بہر حال یہ بات تو ان پر واضح ہی ہو چکی ہے کہ میں گریٹا پر کسی قسم کا شبہ کر رہا تھا۔"

"اور گریٹا کے مر جانے کے بعد ہمارے سارے راستے مسدود ہو چکے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"فی الحال تو یہی صورت ہے۔"

"ارے....!" دفعتاً حمید چونک کر بولا۔ "آخر آپ پروفیسر داخ کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں۔"

"میں سب کو باری باری دیکھوں گا۔ ابھی وہ اینگلو انڈین بھی تو ہے۔ کیلب مگر حمید.... ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ آخر اس رات اسپرنگ کاٹیج میں وہ دوسرا آدمی کون تھا۔"

"کس رات....!"

جب میں نے گریٹا کے سرٹیفکیٹ چرائے تھے۔ وہ بھی چوروں ہی کی طرح داخل ہوا تھا اور شائد اسے بھی کسی چیز کی تلاش تھی۔

"یہ چیز بھی کافی غور طلب ہے۔" حمید نے کہا۔ "اگر وہ مجرموں ہی سے کوئی تھا تو اس کا رویہ تحیر خیز کہا جا سکتا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں کیڈی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی بولا۔ "گریٹا کی موت کے بعد میں نے ان رنگین کیپسولوں کے لئے پورا مکان چھان مارا لیکن وہ نہ ملے۔"

"آخر آپ کو کیپسول کا خبط کیوں ہو گیا ہے۔"

"حمید صاحب! یہ مجھے اس کیس کی سب سے اہم کڑی معلوم ہوتی ہے۔ آج شام کو ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کی موجودگی میں تمہیں ان کیپسولوں کا تماشہ دکھاؤں گا۔"

"کیا آپ کا خیال ہے کہ زہر کو شراب تک پہنچانے کے لئے وہی کیپسول استعمال کئے جاتے رہے ہیں۔"

"یہ بھی اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ.... بس شام ہی کو دیکھنا۔ تمہاری سانپوں والی حماقت کی بناء پر مجھے ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کو بھی مطمئن کرنا ہے۔"

ایک جگہ فریدی نے کیڈی روک دی اور حمید سے اترنے کو کہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ ایک عمارت کے سامنے کھڑے ہوئے تھے جس کے دروازے پر پروفیسر داخ کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔

فریدی نے گھنٹی بجائی۔ کافی دیر بعد خود پروفیسر ہی دروازہ کھولنے کے لئے آیا۔ حمید نے محسوس کیا کہ اس کا حلیہ ہی بدل گیا ہے۔ پروفیسر کی آنکھوں پر ورم تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسا اکثر زیادہ رونے کی وجہ سے ہو جاتا ہے۔ آنکھوں میں گہری سرخی تھی اور ورم کی وجہ سے وہ سرخی کافی وحشت خیز معلوم ہوتی تھی۔

"کیا ہے....؟" اس نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"اوہ کیا تم نے ہمیں پہچانا نہیں۔" فریدی بولا۔

"نہیں....!" پروفیسر نے سر کو جھٹکا دے کر کہا۔

اس پر فریدی نے نیاگرا ہوٹل سے ایک یادگار واپسی کا حال سنا دیا۔

"اوہ..... تو تم وہ ہو..... ساری مصیبتوں کی جڑ۔ میں اب تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم نے میری زندگی برباد کر دی۔" داخ کا غصہ کچھ اور تیز ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ وہ چند لمحے فریدی کو گھورتا رہا اور پھر اس نے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

"کیا بات ہے پروفیسر..... تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو۔" فریدی نے پھر نرم لہجے میں کہا۔

"بہتر ہے چلے جاؤ۔ تم آدم کی جنت میں داخل ہونیوالے سانپ۔ تم نے میرا سکون چھین لیا۔"

"میں نے..... کیا کہہ رہے ہو۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"کیا تم نے ہی مجھے گریتا کے پیچھے نہیں لگایا تھا۔" پروفیسر نے کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"تو اس میں رونے کی کیا بات ہے..... پروفیسر.....!"

"میں روتا نہیں ہوں۔" وہ غصیلی آواز میں چیخا اور آنسو پونچھتا ہوا الٹے پاؤں اندر بھاگ گیا۔

حمید نے حیرت کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دے کر فریدی کی طرف دیکھا۔

"آؤ....." فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ اور وہ دونوں اندر چلے گئے۔ یہاں ماحول کچھ گھٹا گھٹا سا تھا۔ راہداری دن کے اجالے میں بھی تاریک تھی اور معمولی پاور کا بلب اسے روشن کرنے میں ناکامیاب رہا تھا۔ جلد ہی وہ پروفیسر تک پہنچ گئے جو صوفے پر اوندھا پڑا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ وہ دونوں چپ چاپ کھڑے رہے۔

اچانک وہ اچھل کر مڑا اور پھر جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے۔

"جاؤ کیوں میرے پیچھے پڑے ہو..... وہ مر گئی۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"آخر تم اتنے پریشان کیوں ہو۔"

"میں پاگل ہو گیا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں بھی مرنا چاہتا ہوں۔"

"سوکھی ہوئی گھاس کے انبار میں تم نے ایک چنگاری ڈال کر اسے خاک سیاہ کر دیا۔ تم نے میری توجہ گریتا کی طرف [illegible] دل لگائی تھی۔"

"اوہ.....!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمہیں اس دوران میں گریتا سے محبت ہو گئی..... اور تم.....!"

"چپ رہو! جاؤ یہاں سے۔ خدا کے لئے..... چلے جاؤ..... میں پاگل ہو گیا ہوں..... میری کسی بات پر اعتبار نہ کرنا۔ میرا ذہن میرے قابو میں نہیں۔ لیکن میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اس کی موت کسی اتفاقیہ حادثے کا نتیجہ نہیں۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو پروفیسر.....!"

"دیکھو میں بتاتا ہوں..... مگر تمہیں اس سے کیا سروکار۔ جاؤ اب کوئی دوسری خوبصورت عورت تلاش کر لو۔ تمہیں گوشت ہی تو چاہئے..... جاؤ۔"

"پروفیسر شائد تم مجھے پہچانتے نہیں۔" فریدی نے کہا اور جیب سے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ.....!" پروفیسر یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ "تو تم پولیس آفیسر ہو۔" وہ چند لمحے فریدی کے چہرے پر نظر جمائے رہا پھر بولا۔ "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تم نے ابھی ایک دعویٰ کیا تھا۔"

"مم..... میں.....!" پروفیسر ہکلا کر رہ گیا۔ اسکے چہرے کی رنگت کچھ اور پھیکی پڑ گئی تھی۔

"ہاں پروفیسر! تم بہت ذہین آدمی ہو اور ایک ذہین آدمی کوئی بات بغیر دلیل نہیں کہتا..... آخر تم کس بناء پر.....!"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرا دماغ قابو میں نہیں۔" پروفیسر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تو تم قانون کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔

پروفیسر نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور وہ بدستور سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"نہیں پروفیسر ضرور بتائیں گے۔" حمید نے لقمہ دیا۔

"سرٹیفکیٹوں کی چوری کا کیا مطلب ہے!" دفعتاً پروفیسر نے فریدی سے سوال کیا۔

"یہ ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکا۔"

"ایک رات قبل اس کے سرٹیفکیٹ چوری ہوئے اور دوسری رات اُسے سانپ نے ڈس لیا۔"

"تفصیل رہنے دو۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "آخر تم اسے اتفاقیہ حادثہ کیوں نہیں سمجھتے۔"

"بس یونہی! آخر سرٹیفکیٹ چرانے والے کے کس کام آئیں گے؟"

"پروفیسر! اس سے کام نہیں چلے گا۔ میں اس کی موت کے سلسلے میں تحقیقات کر رہا ہوں اور

مجھے بھی یقین ہے کہ یہ اتفاقیہ حادثہ نہیں۔ لیکن میرے پاس اس کے لئے بڑی ٹھوس دلیل ہے۔

"اوہو! تو پھر اب مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو۔"

"ممکن ہے تمہاری دلیل اس سے مختلف ہو اور میں مجرم تک اُسی کے سہارے پہنچ جاؤں۔"

"ٹھہرو.....!" پروفیسر اپنا سر پکڑ کر بولا۔ "تم نے مجھے بڑی الجھن میں ڈال دیا ہے۔ مجھے سوچنے دو۔"

وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا پھر اس نے کہا۔ "کیا تم میری بات پر یقین کرو گے۔"

"یہ بات کی نوعیت پر منحصر ہے۔" فریدی بولا۔

"فرض کرو! میں یہ کہوں کہ چوری والی رات کو میں بھی اسپرنگ کاٹج میں موجود تھا۔"

"تم.... یعنی گریٹا کی موجودگی میں۔"

"نہیں.... اس وقت جب غالباً چور سرٹیفکیٹ تلاش کرتا پھر رہا تھا۔"

فریدی اسے گھورنے لگا۔ پھر اس نے پوچھا۔ "کیا گریٹا کو تمہاری موجودگی کا علم تھا۔"

"نہیں.... میں اس سے آج تک ملا ہی نہیں۔"

"پھر تم وہاں کیا کرنے گئے تھے۔"

"میں بھی چوری ہی کی نیت سے گیا تھا۔"

"چوری کی نیت سے۔" فریدی نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں میرا دماغ الٹ گیا ہے۔ ٹھہرو.... میں تمہیں وہ چیز دکھاتا ہوں جو میں نے وہاں سے چرائی تھی۔"

پروفیسر انہیں وہیں چھوڑ کر کسی دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ فریدی اور حمید دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد پروفیسر واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا جسے فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے کہا۔ "میں نے یہ چرایا تھا۔ صرف یہی۔ کیا یہ پاگل پن نہیں۔ لیکن اس لفافے میں مجھے ایک خط بھی ملا تھا۔ اسے پڑھو! یہی میرے دعویٰ کی دلیل ہے۔"

فریدی نے لفافے کو اپنے ہاتھ پر الٹ دیا۔ دو چیزیں اس کے اندر سے نکلیں۔ ایک تو گریٹا کی تصویر تھی اور دوسری ایک ٹائپ کی ہوئی تحریر۔ فریدی نے اسے غور سے پڑھا اور پھر حمید کی

طرف بڑھا دیا۔ تحریر یہ تھی۔

"گریٹا! اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ ورنہ بڑی بے بسی کی موت نصیب ہو گی۔ اور دیکھنے سننے والے انگشت بدنداں رہ جائیں گے۔ یہ میری آخری وارننگ ہے۔

پی سی۔"

حمید نے سوالیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا۔

"تو تم اس تصویر کے لئے وہاں گئے تھے۔" فریدی نے پروفیسر سے پوچھا۔

"اوہ ختم کرو۔" پروفیسر جھنجھلا کر بولا۔ "بار بار مجھے ذلیل نہ کرو۔ ہر آدمی میں کمزوریاں ہوتی ہیں۔"

"مگر پروفیسر تم اسپرنگ کاٹج میں داخل کس طرح ہوئے تھے۔"

"اوہ خدا.... کیا تم بھی پاگل ہو گئے ہو۔" پروفیسر جھلا کر اپنے بال نوچتا ہوا بولا۔

"خیر اسے بھی چھوڑو۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ آدمی کون تھا جس نے تم سے گریٹا کی سفارش کے لئے کہا تھا۔"

"مجھے اس کا نام یاد آ گیا ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ "لیکن اس سلسلے میں تم اس سے کیا فائدہ اٹھا سکو گے۔"

"پروفیسر میں سوالات کے سیدھے سادے جواب چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ آدمی کیلب ہی تھا" پروفیسر اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے بات کر رہا ہو۔

"کیلب....!" حمید چونک پڑا۔

"خدا کی لئے! اب مجھے تنہا چھوڑ دو۔" پروفیسر نے کہا۔

"بس ایک بات اور۔" فریدی جیب سے نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔ "کیلب کا پتہ مجھے نوٹ کرا دو۔"

"تیرہ پرنسز اسٹریٹ۔"

"اچھا.... شکریہ۔" فریدی میز سے لفافہ اٹھاتا ہوا بولا۔ "میں اسے لئے جا رہا ہوں۔"

"ہرگز نہیں....!" پروفیسر اچھل کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ "تم تصویر نہیں لے جا سکتے۔"

"یہ نہ بھولو کہ تم اسے چرا کر لائے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو لگاؤ نا میرے ہتھکڑیاں۔ سڑک پر لے جا کر ذلیل کرو۔ میں منع نہیں کرتا۔"

فریدی نے لفافے سے تصویر نکال کر اُسے دے دی۔ پھر وہ اور حمید ہنسنے لگے۔ پروفیسر منہ سے گالیوں کا فوارہ چھوٹ پڑا۔

وہ دونوں ہنستے ہوئے باہر چلے گئے۔

کیڈی میں بیٹھتے ہی ایک بار پھر حمید پر ہنسی کا دورہ پڑا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے!"

"سالے پر بڑھاپے میں عشق سوار ہوا ہے۔"

"بڑھاپے میں اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور عشق ایک کمزوری ہی کا نام ہے۔" فریدی نے ک
کیڈی پرنسز اسٹریٹ کی طرف جا رہی تھی۔ حمید بار بار پروفیسر داخ کی بدحواسی یاد کر
ہنس رہا تھا۔

"چلو یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ اس رات میرے علاوہ اور کون تھا۔" فریدی نے کہا۔

"مگر ہے کتنی مضحکہ خیز بات۔" حمید نے کہا۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ا
آئی تھیں۔ پرنسز اسٹریٹ میں تیرہ نمبر کی عمارت کے سامنے کیڈی رک گئی۔ فریدی نے اپنا کا
اندر بھجوایا۔ انہیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ نوکر انہیں ایک کمرے میں لایا جہاں ت
آدمی پہلے ہی سے موجود تھے۔ کیلب سامنے ہی بیٹھا تھا۔ حمید نے اسے پہچان لیا۔ بقیہ دو آد
دیوار کی طرف منہ کئے کھڑے تھے لیکن جیسے ہی وہ ان کی طرف مڑے حمید کے منہ سے ایک
آمیز آواز نکلی۔ یہ دونوں بھی کیلب ہی تھے یعنی اس کمرے میں ایک ہی صورت شکل کے ت
آدمی موجود تھے۔

چوتھا آدمی

فریدی نے ان تینوں کو غور سے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

صوفے پر بیٹھا ہوا آدمی اٹھتا ہوا بولا۔ "فرمائیے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ہمیں مسٹر کیلب سے ملنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کس مسٹر کیلب سے؟" اس نے کندہ پیشانی سے پوچھا۔ بقیہ دونوں مستقل ہی مسکرا رہے تھے۔

فریدی نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید بے بسی سے سر ہلا کر کہنے لگا۔ "مجھے پہلا نام معلوم نہیں۔"

"یہ بڑی دشواری ہے۔" پہلے نے کہا۔ "ہم چار بھائی ہیں اور چاروں ہم شکل۔ ہم خود اکثر آپس میں دھوکا کھا جاتے ہیں۔ میرا نام ہارڈی کیلب ہے۔ یہ مورینڈل کیلب ہے اور یہ بیلنگر کیلب ہے۔ چوتھے کا نام آسکر کیلب ہے۔"

فریدی اور حمید نے پھر ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ پھر فریدی نے کہا۔

"مجھے اس کیلب سے ملنا ہے جس کے تعلقات گریٹا سیرانو سے تھے۔"

"گریٹا سیرانو.... وہ رقاصہ جسے سانپ نے ڈس لیا تھا۔"

فریدی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بڑی تیزی سے تینوں کے چہروں پر نظر ڈالی۔

"وہ میں تو نہیں ہو سکتا! وہ.... مگر بیلی اور مورین تم تو نہیں ہو۔"

دونوں ہم شکلوں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ اس پر تیسرے نے کہا۔ "تب تو وہ آسکر ہی ہو سکتا ہے مگر بات کیا ہے۔"

"ہمیں گریٹا کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"اوہ.... لیکن آسکر اس وقت موجود نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ جب بھی آئے اُسے میرے آفس میں بھیج دینا۔ میں اپنا کارڈ چھوڑے جا رہا ہوں۔"

"آپ اپنا پیغام کارڈ کی پشت پر تحریر کر دیجئے ورنہ وہ کبھی یقین نہ کرے گا۔ یہی سمجھے گا کہ ہم اسے بیوقوف بنا رہے ہیں۔"

فریدی نے کارڈ لے کر اس کی پشت پر لکھ دیا۔

پھر وہ وہاں سے چلے آئے۔ دونوں ہی خاموش تھے اور واپسی پر راستے بھر خاموش ہی رہے۔ دراصل ان دونوں ہی کو ایک دوسرے کے ریمارک کا انتظار تھا۔

آخر حمید ہی بولا۔ "یہ ایک ایسا حیرت انگیز واقعہ تھا کہ عقل حیران ہے۔"

"مجھے حیرت نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بعض اوقات اس قسم کی مشابہتیں دیکھی گئی ہیں اور پھر وہ تینوں سگے بھائی ہیں۔"

"مگر استاد کہیں میک اپ تو نہیں تھا۔"

"میں اس کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کمرے میں کچھ اس قسم کی روشنی تھی کہ میں کچھ سمجھ ہی نہیں سکا۔ یہ نیلے رنگ کی مرکری لائٹ بڑی فضول چیز ہے۔ بہر حال اتنا میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کمرے کا ماحول کافی ڈرامائی انداز کا تھا۔ جب ہم پہنچے تو وہ دونوں دیوار کی طرف منہ کئے ہوئے کھڑے تھے اور تیسرے کا رخ دروازے کی طرف تھا۔ ہمارے داخل ہوتے ہی دونوں اس طرح مڑے تھے جیسے ہمیں حیرت زدہ کرنا چاہتے ہوں۔"

"تو پھر ہمیں وہاں سے اس طرح چلے نہ آنا چاہئے تھا۔" حمید نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔" فریدی بولا۔ "یہ سب کچھ رائیگاں نہ جائے گا۔"

اُسی شام کو فریدی کے محکمے کا ڈی۔ آئی۔ جی اس کی استدعا پر اس کی کوٹھی میں آیا۔ فریدی نے پہلے ہی سارے انتظامات مکمل کر رکھے تھے۔ اسے دراصل ڈی۔ آئی۔ جی کو اس بات کا یقین دلانا تھا کہ ناخنوں والی وبا کے سلسلے میں اس کا شبہ بے بنیاد نہیں تھا۔ اگر حمید نے سانپوں والی حرکت کر کے خود کو مشتبہ نہ کر لیا ہوتا تو شائد وہ ابھی اپنے شبہات کا اظہار نہ کرتا۔ اب اسے حمید کی پوزیشن بھی صاف کرنی تھی۔ حالانکہ اس کی استدعا پر اس کے محکمے نے اس امر کا انتظام کر لیا تھا کہ گریٹا کی موت کے سلسلے میں حمید کا نام اخبارات میں نہ آنے پائے۔ لیکن پھر بھی اس کے آفیسر مطمئن نہیں تھے۔

ڈی۔ آئی۔ جی نے تجربہ گاہ میں پہنچ کر وہاں کے سائنسی آلات کو بڑی حیرت سے دیکھا اور پھر فریدی سے بولا۔ "واقعی ایک مکمل لیبارٹری ہے۔ پھر بھلا بتاؤ تمہارے آگے کون ٹک سکتا ہے۔"

"ارے کیا میں اور کیا میری بساط۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بس شوق ہی تو ہے۔"

پھر اس نے حمید کو اشارہ کیا۔ حمید نے آگے بڑھ کر الماری کھولی۔ اس میں سے شراب کی چند بوتلیں نکالیں۔ کچھ گلاس نکالے اور ایک سوڈے کا سائیفن.... ڈی۔ آئی۔ جی نے اس کی حرکت کو بڑی حیرت سے دیکھا اور جلدی سے بولا۔

"تم جانتے ہو کہ میں شراب نہیں پیتا۔"

"میں بھی نہیں پیتا۔ دراصل اس تجربے کے لئے شراب ضروری ہے۔"

حمید نے بوتلیں کھول کھول کر کئی گلاس بھرے۔ شرابیں مختلف رنگوں کی تھیں کیپسول

آئی۔ جی کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ "یہ گریٹا کے پاس تھے۔ یہ سب ایک ہی شیشی میں رکھے گئے تھے اور وہ شیشی اس کی موت کے بعد نہیں ملی۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ مجھ تک کیسے پہنچے۔"

فریدی ایک لمحے کے لئے رکا پھر اس نے اسپرنگ کاٹج میں تلاشی کی داستان دہرا دی لیکن یہ نہیں بتایا کہ گریٹا کے سرٹیفکیٹ اُسی نے اڑائے تھے۔

"لیکن یہ قطعی غیر قانونی اقدام تھا۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"کبھی کبھی قانون کی حفاظت کے لئے قانون سے انحراف بھی کرنا پڑتا ہے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی کچھ نہ بولا۔ فریدی نے ایک کیپسول اٹھا کر کہا۔ "یہ کیپسول سوڈا بائیکارب ملے ہوئے پانی میں نہیں گھلتے۔ لیکن شراب میں سوڈے کی کتنی ہی زیادہ آمیزش کیوں نہ ہو یہ فوراً تحلیل ہو جاتے ہیں بالکل اسی طرح۔" اس نے ایک گلاس میں سرخ رنگ کا کیپسول ڈال دیا۔ شراب پانی کے رنگ کی تھی اس لئے کیپسول کے گھلنے کا عمل صاف دکھائی دیا۔ وہ شراب کی سطح پر تیرتا ہوا فوراً ہی تحلیل ہو گیا۔

"اب ادھر دیکھئے۔" فریدی نے دوسرا کیپسول خالص سوڈے کے گلاس میں ڈالتے ہوئے کہا۔ کیپسول سوڈے کی سطح پر پڑا رہا۔ فریدی نے کہا۔ "یہ کبھی نہیں گھلے گا۔ میں نے اسے سوڈے میں رات بھر ڈالے رکھا ہے۔ لیکن تحلیل ہونا تو درکنار اس میں ذرہ برابر نرمی بھی نہیں آئی۔"

"خالص پانی میں کیا کیفیت ہوتی ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"اُس میں بھی گھل جاتا ہے لیکن اتنی تیزی سے نہیں جتنی تیزی سے شراب میں تحلیل ہوتا ہے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "حالانکہ کیپسول کو ہر قسم کے سیال میں گھل جانا چاہئے۔ لیکن آخر یہ خالص سوڈے میں کیوں نہیں گھلتا۔ یہ ابھی تک اسی طرح موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ کیپسول چاولوں کے اسٹارچ سے بنائے جاتے ہیں۔"

"جی ہاں.... لیکن یہ کیپسول چاولوں سے نہیں بنائے گئے۔"

"پھر....!"

"خدا جانے! میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ یہ کس چیز سے بنائے گئے ہیں۔"

"اچھا! مگر ناخنوں والی وبا سے اس تجربے کا کیا تعلق۔"

"وہی عرض کرنے جا رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اگر وہ وبا انسان کی لائی ہوئی ہے تو
دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس کے لئے کوئی زہر استعمال کیا جاتا ہو گا یا پھر کسی خاص قسم
جراثیم۔ بعض زہر بھی ایسے ہوتے ہیں جن کا نشان نہیں ملتا اور پوسٹ مارٹم بالکل بے کار
ہوتا ہے۔ رہا جراثیم کا معاملہ تو مردہ جسم میں ان کی تلاش بڑی مشکل ثابت ہوتی ہے۔ کبھی
اس کا نتیجہ بھی صفر ہی ہوتا ہے۔ بہر حال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خواہ وہ زہر ہو خواہ جراثیم
کیپسولوں میں رکھ کر انہیں بڑی آسانی سے شراب میں ڈالا جا سکتا ہے۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر چند لمحے بعد بولا۔ "گریٹا کا وہ رقص میں نے
تھا۔ ڈاکٹر شرف کی میز پر زرد رنگ کی شراب تھی اور گریٹا کے ہاتھ میں زرد ہی رنگ کا
رومال تھا۔ جسے وہ رقص کے دوران میں اپنی شوخی کا مظاہرہ کرنے کے لئے تماشائیوں کے سر
پر ہلاتی جا رہی تھی۔ اب اگر زرد رنگ کا ایک کیپسول زرد رنگ کے رومال سے نکل کر زرد ہی
کی شراب میں جا پڑے تو کسی کو کیا پتہ چلے گا۔ بس تھوڑی سی ہاتھ کی صفائی چاہئے اور یہ تو آپ
ہی چکے ہیں کہ وہ شراب میں گرتے ہی اس طرح گھل جاتا ہے جیسے پانی میں برف کا ننھا سا ریزہ

فریدی نے اپنے جیب سے زرد رنگ کا ایک رومال نکالا اور زرد رنگ کی شراب کا گلاس
ڈی۔ آئی۔ جی کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ "دیکھئے! میں زرد رنگ کا کیپسول اس گلاس میں ڈالتا
ہوں۔ جیسے ہی یہ اس میں گرے مجھے بتا دیجئے گا۔"

فریدی نے بالکل اسی انداز میں زرد رنگ کے رومال کو ڈی۔ آئی۔ جی کے گرد گردش دی
گریٹا رقص کے دوران میں دیا کرتی تھی۔ ڈی۔ آئی۔ جی بڑے غور سے گلاس کی طرف دیکھ رہا

"کہئے! کیپسول گرا یا نہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ابھی نہیں۔"

فریدی نے ہاتھ روک لیا اور مسکرا کر بولا۔ "جناب والا وہ پہلی ہی گردش میں پہنچ چکا ہے"

"مگر میں نے نہیں دیکھا۔"

"میں نے عرض کیا نا کہ بس تھوڑی سی ہاتھ کی صفائی درکار ہے۔"

تھوڑی دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔ پھر ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"حالانکہ ابھی تک معاملات میرے ذہن میں صاف نہیں ہوئے۔ مگر پھر بھی تمہاری بات
تسلیم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ کیونکہ اول تو یہ کہ یہ وبا اسی شہر میں کیوں محدود ہے۔ دوسری
یہ کہ ابھی تک خاص ہی خاص آدمی اس کا شکار ہوئے ہیں۔"

"لیکن آپ یقین کیجئے کہ مجرم جلد ہی اپنی اس حماقت کا ازالہ کریں گے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اب آپ دو چار عام آدمیوں کو بھی اس وبا کا شکار ہوتے دیکھیں گے۔" فریدی نے کچھ
سوچتے ہوئے کہا۔ "وہ لوگ ہوشیار ہو گئے ہیں۔ کاش میں گریٹا کے معاملے میں احتیاط سے کام
لیتا۔ ان کے ہوشیار ہو جانے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ انہوں نے گریٹا کو ختم کر دیا۔"

"کیا تمہارے پاس ان تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ ہے۔"

"فی الحال.... کوئی نہیں.... البتہ میں اس آدمی کی تلاش میں ہوں جس نے سانپوں والے
معاملے میں حمید کے خلاف شہادت دی تھی۔"

"اوہ.... ہاں.... وہ.... کوئی اینگلو انڈین تھا۔"

"جی ہاں کیلب....!" فریدی نے کہا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ فریدی ان تینوں ہم شکلوں کا تذکرہ ضرور کرے گا۔ مگر فریدی اس
معاملے میں خاموش ہی رہا۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی کہ کسی کیس کے دوران میں اپنے آفیسروں
کو بھی مکمل رپورٹ نہیں دیتا تھا۔

"اور ہاں! وہ ڈاکٹر شرف کی لاش کا معاملہ۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"اس کے علاوہ... اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ مجرم حالات کو پیچیدہ کرنے کی کوشش کر رہے
تھے۔ ورنہ سڑی ہوئی لاش سے گوشت کاٹنے کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اب وہ یہ چاہتے ہیں کہ
ہم خواہ مخواہ چکراتے رہیں۔"

"میں تم سے متفق ہوں۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ڈی۔ آئی۔ جی کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا۔

حمید بہت زیادہ اکتایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اس نے کہا۔ "آج رات میں باہر رہوں گا۔"

"ہرگز نہیں۔" فریدی بولا۔ "تم تنہا کہیں نہیں جا سکتے۔"

"بڑی مصیبت ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ مجھے تمہاری ایسی لاش سے بڑی گھن آئے گی جس کے سارے نا
ہوئے ہوں.... سمجھے۔"

"مجھے اس کیس سے الجھن ہونے لگی ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟"

"ابھی تک ہماری حیثیت محض تماشائیوں کی سی ہے۔ ایسے کیسوں میں میرا دل نہ
مجھے منطقی دلائل اور ذہنی سراغ رسانی میں ذرہ برابر بھی لطف نہیں آتا۔"

"ڈھول دھپہ اور چیلنج بازی چاہتے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "شاید آج کل
ناول زیادہ پڑھ رہے ہو۔ پولیس سے خواہ مخواہ الجھنے والے افراد حقیقی زندگی میں بہت کم ملے
چالاک قسم کے مجرم ہمیشہ ایسے مواقع بچا جاتے ہیں۔ جیتی جاگتی دنیا سے بہرام یا آرسین
کوئی تعلق نہیں۔"

"نہ ہوگا.... لیکن جیتی جاگتی زندگی میں عورتیں تو ملتی ہیں۔ یہاں ایک تھی
صاف ہوگئی۔"

فریدی جھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ نوکر نے ایک کارڈ لا کر پیش کیا۔

"اوہ....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ پھر اس نے کارڈ حمید کی طرف بڑھا دیا جس پر
"کیلب ٹریولنگ ایجنٹ فار اسٹار انشورنش کمپنی" تحریر تھا۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آئے اور یہاں انہیں ویسا ہی ایک چہرہ دکھائی دیا جیسے تین
وہ پرنسز اسٹریٹ کے ایک فلیٹ میں دیکھ چکے تھے۔ لیکن یہ آدمی کچھ مفلوک الحال سا معلوم
تھا۔ اس کے پتلون میں کریز نہیں تھی۔ کوٹ میلا اور پرانا تھا۔ بالوں پر گرد جمی ہوئی تھی
معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے کوئی تھکا دینے والا سفر کیا ہو۔

"مجھے آپ کا کارڈ ملا۔ پہلے میں آپ کے آفس گیا۔ وہاں سے آپ کا پتہ حاصل کر کے
تک پہنچا ہوں۔" کیلب خاموش ہو کر چند لمحے خوفزدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا
بولا۔ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے آج تک کوئی غیر قانونی بزنس نہیں کیا۔"

"ہوں....!" فریدی نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"آپ یقین کیجئے.... میری کمپنی والے میری نیک چلنی کی ضمانت دیں گے۔"

"مگر تمہیں یہ خیال پیدا کیسے ہوا کہ میں.... مگر خیر.... کیا تمہیں یہ نہیں معلوم ہوا کہ
تم سے کیوں ملنا چاہتا ہوں۔"

"جی نہیں.... بھلا کیسے معلوم ہو سکتا تھا۔ آپ نے تحریر بھی تو نہیں کیا تھا۔ مگر سمجھ میں
یں آتا کہ آپ نے اپنا کارڈ میرے فلیٹ میں کیسے پہنچایا۔ وہ مجھے لکھنے کی میز پر رکھا ہوا ملا تھا۔"

فریدی نے معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا اور پھر کیلب سے بولا۔

"کیا تمہارے بھائیوں نے کچھ نہیں بتایا۔"

"بھائیوں....!" کیلب آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"تمہارے فلیٹ میں تمہارے تینوں بھائیوں سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"کیا فرما رہے ہیں آپ۔ میرا فلیٹ تو پچھلے ایک ماہ سے بند پڑا رہا ہے۔ میں دورے پر تھا
اور آج ہی واپس آیا ہوں۔ میرے کوئی بھائی وائی نہیں ہے اور آپ تین بھائیوں کا تذکرہ
کر رہے ہیں۔"

"اور وہ تینوں تمہارے ہم شکل تھے۔"

"آپ میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔" کیلب بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اچھا تو پھر بتاؤ.... میرا کارڈ تمہاری میز تک کیسے پہنچا۔"

کیلب کچھ نہ بولا۔ وہ چندھیائی ہوئی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس
نے گلا صاف کر کے کہا۔ "دیکھئے میں اس فلیٹ میں دس برس سے تنہا مقیم ہوں۔ اس کی شہادت
میرے پڑوسی دے سکتے ہیں۔"

"تب پھر تمہارا نوکر ہی اس معاملے پر روشنی ڈال سکے گا۔" فریدی بولا۔

"ارے جناب! آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔ میرے پاس کبھی کوئی نوکر نہیں رہا۔ میں
زیادہ تر دورے ہی پر رہتا ہوں۔ اس لئے آج تک نوکر رکھنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ آپ
میرے پڑوسیوں سے پوچھ سکتے ہیں اور وہ یہ بھی بتائیں گے کہ میرا فلیٹ پچھلے ایک ماہ سے مقفل
رہا ہے۔"

"ہوں....!" فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں اور اس نے پوچھا۔ "تم گریٹا سیرانو سے کب سے واقف تھے۔"

"کون گریٹا سیرانو.... میں کسی گریٹا سیرانو سے واقف نہیں۔" کیلب نے کہا۔

دوسری گریٹا

کیلب کے بیان نے ایک نئی الجھن پیدا کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فریدی اور حمید کو ایک بار پھر پرنسز اسٹریٹ جانا پڑا۔ کیلب بھی ان کے ساتھ تھا۔

فریدی نے وہاں پوچھ گچھ شروع کی۔ کیلب کے پڑوسیوں نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ اس کا فلیٹ پچھلے ایک ماہ سے مقفل رہا ہے۔ لیکن ایک بوڑھی عورت نے بتایا کہ صرف آج ہی اُسے یہاں چند آدمی نظر آئے تھے ورنہ اس سے پہلے اُس نے بھی اس فلیٹ کو بند ہی دیکھا تھا۔

"کیا ان میں سے کوئی آدمی کیلب کی شکل کا بھی تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں جناب.... کوئی بھی نہیں۔ لیکن وہ بھی اینگلو انڈین ہی تھے اور ان کے ساتھ ایک دیسی نوکر بھی تھا۔ پہلے میں سمجھی شائد مسٹر کیلب نے اپنا فلیٹ پگڑی لے کر اٹھا دیا ہے۔ یقین جانئے مجھے اس خیال سے بڑا رنج ہوا۔ میں نے سوچا مسٹر کیلب کو کم از کم مجھ سے اس کا تذکرہ ضرور کرنا چاہئے تھا۔ میری لڑکی کو بھی ایک بڑے فلیٹ کی ضرورت تھی۔ آپ جانئے بال بچوں والوں کے لئے چھوٹے فلیٹ تکلیف دہ ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے تو گیارہ بچے ہیں۔ لیکن اس پر بھی خدا کا شکر ہے کہ وہ ایک بھینس کی طرح توانا اور تندرست ہے.... اور....!"

فریدی نے اُسے آگے نہ بڑھنے دیا۔ اُس سے پیچھا چھڑانے کے لئے وہ فوراً ہی دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر اُسے جلد ہی اس قسم کی گفت و شنید کا سلسلہ بند کر دینا پڑا کیونکہ اب اُسے یہ ساری باتیں فضول معلوم ہونے لگی تھیں۔

"میں آپ کی موجودگی میں اپنی ایک ایک چیز دیکھنا چاہتا ہوں۔" کیلب نے فریدی سے کہا۔ "پتہ نہیں وہ لوگ کون تھے اور یہاں کس نیت سے آئے تھے۔"

"ہاں.... آں.... ضرور دیکھ لو۔" فریدی نے بے دلی سے کہا۔

وہ دونوں کیلب کے ساتھ اس کے فلیٹ میں آئے اور کیلب نے اپنے سامان کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ پھر آدھ گھنٹے کے بعد اس نے فریدی کو بتایا کہ سارا سامان موجود ہے۔ اس دوران فریدی کی عقابی نظریں کونے کھدرے تک میں رینگتی رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے اس واقعے کی رپورٹ کرنی چاہئے۔" کیلب نے کہا۔

"ضرور.... ضرور.....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ فریدی اس معاملے میں دلچسپی نہیں لے رہا ہے۔

"لیکن یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے۔" کیلب نے فریدی سے پوچھا۔

"اوہ کچھ نہیں.... اب معاملہ صاف ہو گیا۔ چند نامعلوم آدمیوں نے تمہارے خلاف غلط فہمی پھیلائی تھی۔ اب تم بالکل مطمئن رہو۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔"

"آخر کس قسم کی شکایت تھی۔"

"قطعی غیر ضروری سوال ہے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "اب جب کہ اس کا تمہاری ذات سے تعلق ہی نہیں تو تم خواہ مخواہ اپنا اور میرا وقت کیوں برباد کر رہے ہو۔"

پھر وہ دونوں کیلب کے فلیٹ سے نکل آئے۔

"اب کیا خیال ہے۔" حمید نے کیڈی میں بیٹھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ ایک بدترین قسم کی شکست ہے۔" فریدی غرایا۔ "اور اس کے لئے انہیں بہت جلد پائی پائی کا حساب دینا پڑے گا۔"

"آپ نے اس سے داغ کے متعلق کیوں نہیں پوچھا۔" حمید بولا۔

"اوہ.... جب وہ گریٹا ہی کو نہیں جانتا تو داغ کو کیا جانتا ہو گا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن اس حرکت سے مجرموں کا کیا مقصد ہے۔"

"اب تم نے ڈھنگ کی بات پوچھی ہے۔" فریدی نے کیڈی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ مجرموں نے کیلب ہی کو آلہ کار کیوں بنایا۔ کیا اس لئے کہ وہ زیادہ تر شہر سے باہر رہتا ہے۔ چلو میں اسے بھی مانے لیتا ہوں۔ لیکن انہیں کیا معلوم کہ میں آج ہی کیلب سے ملنا چاہوں گا اور ہماری اس وقت کی تفتیش سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ انہوں نے کیلب کا

فلیٹ صرف آج ہی استعمال کیا ہے۔ مگر کیوں؟ اس کا صریحی مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہماری اسکیموں سے حیرت انگیز طور پر واقفیت رکھتے ہیں۔"

"غالباً آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پروفیسر داخ بھی مجرموں کا شریک کار ہے۔" حمید نے

"ہمیں کوئی پہلو نظرانداز نہ کرنا چاہئے۔"

"مگر مجھے یقین نہیں کہ داخ جیسے احمق کا اس میں ہاتھ ہو۔" حمید نے کہا۔ "اگر وہ مجر ساتھی ہوتا تو اُسے کیلب کا نام لینے کی ضرورت ہی کیا تھی اور وہ آپ کو یہ کیوں بتاتا کہ ایک وہ بھی چوروں کی طرح اسپرنگ کاٹج میں داخل ہوا تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ "اُس خط کا مو عجیب ہے۔"

"اوں....!" فریدی چونک پڑا۔ "کس خط کا۔"

"وہی جو پروفیسر نے دیا تھا۔"

"میں بھی اس کے متعلق غور کر رہا تھا۔" فریدی بولا۔ "خط لکھنے والا آخر اُسے کن ح سے باز رکھنا چاہتا تھا.... اور یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ وہ خط پروفیسر کے ہاتھ لگ گیا۔'

"تو آپ پروفیسر ہی پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"تمہیں آخر اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"محض اس لئے کہ وہ گریٹا سے پاگلوں کی طرح محبت کرتا تھا۔"

فریدی خاموش رہا۔ سردی آج پھر کچھ بڑھی ہوئی سی تھی۔ حمید پائپ میں تمباکو بھر نہ جانے کیوں اس وقت اسے گریٹا بہت یاد آ رہی تھی اور اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ اسے سازش میں ملوث کرے۔ فریدی کے دلائل اس کے ذہن نے ضرور قبول کر لئے تھے لیکن یہی کہتا تھا کہ فریدی سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔

"اب کہاں چل رہے ہیں۔" اس نے فریدی سے پوچھا۔

"پروفیسر داخ کے گھر....!"

"کیوں....؟"

لیکن فریدی نے اس "کیوں" کا کوئی جواب نہ دیا۔

پروفیسر داخ کے مکان سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر کیڈی روک دی گئی۔

"کیا وہاں تک پیدل چلئے گا۔" حمید نے پوچھا۔

"غیر ضروری سوال نہ کیا کرو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ نہ جانے کیوں اس کی چڑچڑاہٹ بڑھ گئی تھی۔

پروفیسر داخ کے مکان کا برآمدہ تاریک تھا۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی۔ داخلے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے اطلاعی گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ گھنٹی کی ہلکی آواز مکان کے کسی دور افتادہ حصے میں سنائی دی۔ تقریباً دو منٹ تک فریدی تھوڑی وقفے سے گھنٹی کا بٹن دباتا رہا لیکن کوئی بھی باہر نہ آیا۔

"کیا بات ہے۔" حمید تحیر آمیز لہجے میں بڑبڑایا۔

فریدی نے کھلے ہوئے دروازے سے راہداری میں ٹارچ کی روشنی ڈالی اور پھر وہ دونوں اندر داخل ہوگئے۔ عمارت میں چاروں طرف تاریکی کی حکمرانی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے مکان کا سارا سامان الٹ پلٹ کر رکھ دیا ہو۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے سارے کمرے روشن کر دیئے۔

"آخر پروفیسر کہاں گیا اور یہ سب کیا ہے۔" حمید نے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ فرش پر بکھرے ہوئے سامان کو بڑے انہماک سے دیکھ رہا تھا۔

پھر اس نے پروفیسر کی تلاش شروع کر دی اور تھوڑی دیر بعد اس نے اسے پا لیا۔ وہ میلے کپڑوں کے ایک ڈھیر کے نیچے اوندھا پڑا ہوا تھا۔

پروفیسر بیہوش تھا۔ اس کے چہرے پر تازہ خراشیں تھیں جن سے خون رس رہا تھا۔ سانس رک رک کر آ رہی تھی۔ حمید نے سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا۔

"اسے اٹھا کر کھلی ہوا میں لے چلو۔ بیرونی برآمدہ بہتر ثابت ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ "میں دو ایک کمبل تلاش کرتا ہوں۔"

حمید بے ہوش پروفیسر کو اٹھا کر برآمدے میں لایا۔

"اتنے ہوشیار لوگ.... کمال ہے۔" فریدی بڑبڑایا اور اس نے چہرے کے علاوہ پروفیسر کا سارا جسم کمبلوں سے ڈھک دیا۔

"آخر [illegible]طی کا اس معاملے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" حمید بولا۔

"غالباً انہیں کسی چیز کی تلاش تھی۔"

"کہیں وہ خط تو نہیں جو آپ آج ہی پروفیسر سے لے گئے تھے۔"

"نہیں! وہ خط قطعی فضول ہے۔ اس سے مجرموں کا کوئی سراغ نہیں مل سکتا۔ میری نظروں میں تو اس کی کوئی اہمیت نہیں۔"

فریدی نے اسے ہوش میں لانے کے لئے چند تدبیریں اختیار کی تھیں جو آخر کار کامیاب ہوئیں۔ پروفیسر پہلے تو بے سدھ پڑا پلکیں جھپکاتا رہا پھر یک بیک بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"اوہ.... پروفیسر....!" وہ فریدی کے اوپر گر کر کانپنے لگا۔

"کیا ہے.... کیا بات ہے۔" فریدی آہستہ سے اسے اٹھاتا ہوا بولا۔

"کیا تم نے انہیں پکڑ لیا۔" پروفیسر کے منہ سے کپکپاتی ہوئی آواز نکلی۔

"کس کی بات کر رہے ہو۔"

"وہ پانچ تھے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتے تھے۔ انہوں نے میرا گلا گھونٹ کر مارا ہے۔"

"کیا تم انہیں پہچانتے ہو۔"

"مجھے سبھوں کی آوازیں جانی پہچانی سی معلوم ہو رہی تھیں۔" داخ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن انہوں نے اپنے چہرے چھپا رکھے تھے۔"

"آواز سے بھی نہیں پہچان سکے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں گھبرا گیا تھا۔ میرا کبھی اس قسم کی چیزوں سے واسطہ نہیں پڑا۔ ایسے حالات میں جو بھی ہوتا گھبرا جاتا۔ لیکن اس کا احساس ضرور تھا کہ ان کی آواز سے کان آشنا ہیں۔"

"انہوں نے تم سے کس چیز کا مطالبہ کیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں۔ بس آتے ہی جانوروں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ جب تک جسم میں تاب رہی ان کا مقابلہ کرتا رہا پھر مجھے کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔"

"اچھا.... اندر چلو۔" فریدی ہاتھ پکڑ کر اُسے اٹھاتا ہوا بولا۔

اندر آکر پروفیسر نے گھر کی حالت دیکھی تو جانوروں کی طرح شور مچانے لگا۔ بدقت تمام انہوں نے اسے چپ کرایا۔ اس سلسلے میں ایک آدھ بار حمید کو اس کا منہ دبانا پڑا۔

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔" پروفیسر اپنے بال نوچتا ہوا بولا۔ "آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ میں ایک امن پسند شہری ہوں۔ میرا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں۔"

"گریٹا کا عشق آسان نہیں پروفیسر۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اُس کے دوسرے عاشق بھی سوگ منا رہے ہیں۔"

"گریٹا....!" دفعتاً پروفیسر اچھل پڑا۔ "اس کا اس معاملے سے کیا تعلق۔"

"افسوس کہ تم سمجھ نہیں سکو گے ورنہ تمہیں جگر مراد آبادی کا ایک شعر سناتا۔"

"اونہہ!" فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "آؤ چلیں۔"

"ہرگز نہیں۔" پروفیسر اچھل کر ان کی راہ میں حائل ہو گیا۔ "تم مجھے ان حالات میں تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔"

"براہِ راست پولیس سے مدد حاصل کرو۔" فریدی نے کہا۔

"جتنی دیر میں پولیس.... آئے گی....!"

"اوہ.... بچے مت بنو پروفیسر....!" فریدی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر وہ تمہاری جان ہی لینا چاہتے تو پہلے ہی کیوں چھوڑ جاتے۔"

"ممکن ہے انہوں نے مجھے مردہ ہی سمجھ لیا ہو۔"

"پھر بھی میں کچھ نہیں کر سکتا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ مجھے اپنی کار میں بٹھا کر پولیس اسٹیشن پہنچا دو۔"

"چلو بابا....!" فریدی جھلا کر بولا۔

پروفیسر نے مکان مقفل کر دیا.... اور کیڈی کوتوالی کی طرف روانہ ہو گئی۔ فریدی پر اکتاہٹ اور جھلاہٹ دونوں بیک وقت مسلط ہو گئی تھیں۔ اتفاقاً راستے میں ایک پولیس پٹرول کار مل گئی فریدی نے اسے رکوا کر پروفیسر کو کوتوالی تک پہنچانے کا انتظام کر لیا۔

"لیکن میں وہاں کہوں گا کیا....؟" پروفیسر نے فریدی سے پوچھا۔

"یہی کہ تمہارے گھر میں چند نقاب پوشوں نے گھس کر تم پر حملہ کیا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اور ان میں سے ایک یقیناً کیلب تھا۔"

"کیلب....!" پروفیسر دفعتاً اچھل کر اپنی رانیں پیٹتا ہوا بولا۔ "خدا کی قسم! اب یاد آ گیا۔

ایک آواز تو سوفیصدی کیلب ہی کی تھی۔ آفیسر میں لاکھوں کی شرط لگانے کو تیار ہوں۔

"بس اب جاؤ۔" فریدی اس کی پیٹھ تھپکتا ہوا بولا۔ "ننھے بچے! اب جاؤ۔"

پٹرول کار چلی گئی۔

وہ پھر کیڈی میں آبیٹھے۔ حمید سردی سے کانپ رہا تھا۔ اس نے اپنے ٹھٹھرے ہوئے ہاتھوں کو رگڑتے ہوئے کہا۔ "جناب میں برف کا بھوت نہیں ہوں۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"موت یا گرم کافی کا ایک پیالہ۔"

"آر لکچو چل رہے ہیں۔" فریدی بولا۔

"شکریہ! خدا آپ کا موڈ ہمیشہ ایسا ہی رکھے۔"

"فرزند! میں بہت اچھے موڈ میں نہیں ہوں۔" فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔

"میں جانتا ہوں.... آپ کو چوٹ پر چوٹ ہو رہی ہے۔"

"لیکن اتنا سمجھ لو کہ وہ لوگ بُری طرح بوکھلائے ہوئے ہیں۔"

"ہوں گے۔" حمید نے پائپ سلگا کر کہا۔ "میرے ذہن میں صرف ایک سوال ہے۔"

"وہ کیا....؟"

"آخر ڈاکٹر شرف کی لاش قبر سے کیوں نکالی گئی۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "اور پھر سڑی ہوئی لاش سے گوشت کاٹنا کیا معنی رکھتا ہے۔"

"حمید صاحب! صرف یہی ایک چیز میرے ذہن میں بھی صاف نہیں ہے۔ پہلے میں نے سوچا تھا ممکن ہے مجرموں نے ہمیں اور زیادہ الجھانے کے لئے یہ حرکت کی ہو۔ لیکن نہ جانے کیوں اس پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"ہاں.... یہ تو بتائیے آخر آپ بیچارے کیلب کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "ظاہر ہے کہ پروفیسر کی رپورٹ پر پولیس اس کی خاصی مرمت کرے گی۔ وہ اس کیلب تک تو پہنچ نہ سکے گی جو حقیقتاً فساد کی جڑ ہے۔"

"اور تم اس کیلب کو کیا سمجھتے ہو جس سے ہم ابھی مل کر آ رہے ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"ایک شریف آدمی جو نادانستہ طور پر مجرموں کا آلہ کار بن گیا ہے۔"

حمید نے اس کے جواب میں ہنسی کی ہلکی سی آواز کے علاوہ اور کچھ نہیں سنا۔ اس نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اس بحث کو اس وقت تک کے لئے ملتوی ہی کر دے جب تک گرما گرم کافی کا ایک پیالہ نہ مل جائے۔

آر لکچو پہنچ کر وہ ایک کیبن میں بیٹھ گئے۔ حمید نے اس خیال سے اس کا پردہ نہیں کھینچا کہ اس صورت میں وہ سامنے والے کیبنوں میں نظارہ بازی نہ کر سکے گا۔ جہاں اُسے کئی خوبصورت لڑکیاں نظر آ رہی تھیں۔

"یہ لڑکیاں سردیوں میں بھی حسین ہی رہتی ہیں۔" اس نے فریدی سے کہا۔

پھر دفعتاً چونک کر بولا۔ "اخاہ اب آر لکچو میں برقعے بھی دکھائی دینے لگے۔"

فریدی کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ ایک عجیب قسم کا جوڑا سامنے والے کیبن میں بیٹھ رہا تھا۔ ایک برقعہ پوش عورت اور ایک ایسا مرد جو سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا لیکن اس کے چہرے پر بہت ہی شرعی قسم کی ڈاڑھی اور مونچھیں تھیں عورت نے بیٹھتے ہی نقاب الٹ دیا اور دوسرے ہی لمحے میں حمید نے فریدی کے بازو پر جھپٹا مارا۔

"خدا کی قسم....!" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں۔"

"ہم دونوں اُلو ہو گئے ہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "یہ عورت سوفیصدی گریٹا معلوم ہوتی ہے۔"

ڈاڑھی والے نے اٹھ کر اپنے کیبن کا پردہ کھینچ دیا.... حمید کی سانس پھول رہی تھی۔

خطرناک لمحات

حمید چند لمحے سکتے کے سے عالم میں رہا۔ پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"آخر یہ سب کیا ہے۔"

"لونڈا پن....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"کیا مطلب....!"

"ہاں! میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ اب مجرموں نے اتنا تیز دوڑنا شروع کر دیا ہے کہ ذرا سی لغزش انہیں منہ کے بل زمین پر لے آئے گی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"بچے ہو! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ گریٹا ہے۔ حمید میں سچ کہتا ہوں کہ یہ لوگ بہت بُری طرح بدحواس ہو چکے ہیں۔ اپنی دانست میں یہ مجھے شکست پر شکست دے رہے ہیں اور یہ بہت اچھا ہے۔ میں یہی چاہتا ہوں کہ یہ اس دھوکے میں رہیں۔"

"دیکھئے اب بہت زیادہ دور اندیشی سے کام نہ لیجئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں افسوس کرنا پڑے۔"

"کیوں....؟" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"اب یہی دیکھئے آپ نے محض دور اندیشی کے چکر میں ان تینوں ہمشکلوں سے ہاتھ دھو لیا۔"

"اوہ.... تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ان دونوں کو اسی وقت یہیں پکڑ لوں۔"

"میں تو یہی رائے دوں گا۔ ان کے ذریعہ ہمیں دوسروں کا بھی سراغ مل جائے گا۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ ہم پر ہنسیں۔"

"آخر آپ کے ذہن میں کیا ہے؟"

"میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ہے سامنے والے کیبن میں ہے۔ بیٹے حمید خاں اگر میں نے انہیں پکڑ لیا تو ہمارے آفیسر ہمیں ہنسی میں اڑا دیں گے۔"

"آخر کیوں.... وجہ بھی تو بتایئے۔"

"یہ دونوں بہروپئے ہیں۔ اسے عورت نہ سمجھو۔ وہ ایک کمسن لڑکا ہے اور وہ ڈاڑھی والا اس کا باپ ہے۔ کچھ دنوں پہلے یہ دونوں ایک ریاست میں درباری مسخرے تھے۔ ریاستوں کے خاتمے کے بعد ان کی روزی بھی ماری گئی۔ اب یہ شہروں کے رؤساء کے یہاں سوانگ بھر کر تھوڑا بہت کما کھاتے ہیں۔"

"آپ کو یقین ہے۔"

"یقین کے بغیر کچھ نہیں کہتا۔"

"لیکن اس حرکت کا مقصد۔"

فریدی نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ آخر اس نے کہا۔

"مقصد بھی سمجھا جا سکتا ہے بشرطیکہ ان کا تعاقب کیا جائے۔"

"تو پھر کیا جائے! حرج ہی کیا ہے۔"

"میں اسے ضروری نہیں سمجھتا۔"

"میں تو کروں گا۔"

"لیکن ہر لحظہ اس بات کا خیال رکھنا کہ یہ حرکت تم نے اپنی مرضی سے کی ہے۔"

"آپ فکر مت کیجئے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "مجھے دور اندیشی سے زیادہ دلچسپی نہیں۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ فریدی کی اس برجستہ خیال آرائی پر حمید کو یقین نہیں آیا تھا۔ باپ اور بیٹے عورت اور مرد کے روپ میں۔ اس خیال پر اس کا دل چاہا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر قہقہے لگائے۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ دونوں کا تعاقب ضرور کرے گا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ بہروپئے ہی ہیں تو عورت کو برقعہ پہنانے کی کیا ضرورت تھی۔

تھوڑی دیر بعد اسی کیبن میں ایک لڑکی اور داخل ہوئی۔ یہ بھی کافی دلکش تھی لیکن یہ برقعے میں نہیں تھی۔ حمید نے مسکرا کر فریدی کی طرف دیکھا۔

"یہ غالباً ان بہروپیوں کی دادی ہے۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

لیکن فریدی بے تعلقانہ انداز میں کافی پیتا رہا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد کیبن کا پردہ سرکا اور وہ لوگ باہر آئے۔ فریدی اس دوران میں کچھ اکتایا ہوا سا نظر آنے لگا۔

"اچھا یور ہارڈ شپ۔" حمید بھی اٹھتا ہوا بولا۔ "اب دیکھئے پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔"

فریدی بھی مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔ وہ دونوں بھی باہر آئے۔ ان کے شکار کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی ایک لمبی سی کار میں بیٹھ رہے تھے۔

"تم ڈرائیو کرو گے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "میں ذرا پچھلی سیٹ پر آرام سے بیٹھوں گا۔"

حمید نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ فریدی پچھلی سیٹ پر اس انداز میں نیم دراز ہو گیا جیسے بہت زیادہ تھک جانے کے بعد تھوڑی سی نیند لینا چاہتا ہو۔

لمبی کار سڑک پر نکل گئی۔ اُسے بعد میں آنے والی لڑکی ڈرائیو کر رہی تھی۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں بہت جلدی میں کہیں پہنچنا ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد کار شہر سے نکل کر ایک ویران سڑک پر ہو لی۔ حمید نہ جانے کیوں اس وقت خود کو کسی فلم کا ہیرو تصور کر رہا تھا۔ اُس نے

کیڈی کی ہیڈ لائیٹس بھی بجھادی تھیں اور اسکی نظر اگلی کار کی عقبی سرخ روشنی پر جمی ہوئی تھی۔
یکایک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ روشنی میں نہا گیا ہو۔ وہ بے ساختہ مڑا اور پھر اس کی عقل سناٹے میں آگئی۔ کیڈی کے پیچھے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ہی لائن میں چھ عدد ہیڈ لائیٹس نظر آرہی تھیں۔ یعنی تین کاریں برابر سے چلی آرہی تھیں اور انہوں نے سڑک کی پوری چوڑائی گھیر رکھی تھی۔ حمید کے ہاتھوں کے طوطے اڑ کر کوؤں کی طرح کائیں کائیں کرنے لگے۔

اب یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ فریدی کی باتوں کا کیا مطلب تھا۔

"بڑے باپ...!" وہ کپکپائی ہوئی آواز میں چیخا۔ "کیا سوگئے...!"

لیکن جیسے ہی اس نے پچھلی سیٹ پر نظر ڈالی رہی سہی جان بھی نکل گئی۔ کیونکہ سیٹ خالی تھی۔ اگلی کار کافی دور نکل گئی تھی اور پچھلی کاریں گویا سر پر چڑھی آرہی تھیں۔ سڑک کے دونوں طرف دور تک کھائیوں اور گڑھوں کے سلسلے تھے ورنہ وہ کیڈی کو داہنے یا بائیں موڑ کر بھی اس پھندے سے نکل سکتا تھا۔ اس نے بدحواسی میں کیڈی کی ہیڈ لائیٹس روشن کردیں اور روشنی کی سیدھ میں نظر ڈالتے ہی اس کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے۔ کیونکہ اگلی کار رک کر سڑک پر آڑی کھڑی ہوگئی تھی۔ اس طرح آگے کا راستہ بھی مسدود کردیا گیا تھا۔

حمید کو یقین آگیا کہ اب جان چھڑانی مشکل ہے۔ سب سے بڑی شامت تو یہ کہ اُس کے پاس ریوالور بھی نہیں تھا۔

اس نے بڑی پھرتی سے بریک لگا کر انجن بند کیا اور ایک کھائی میں کود گیا۔ بیک وقت کئی فائر ہوئے۔ اگر حمید کو ایک سیکنڈ کی بھی دیر ہوتی تو اس کا سارا جسم چھلنی ہوگیا ہوتا۔ وہ ڈھلوان میں دوڑتا چلا گیا۔ وہ کئی آدمیوں کے دوڑنے کی آوازیں سن رہا تھا۔

"وہ رہا...!" کسی نے چیخ کر کہا اور ساتھ ہی دو فائر ہوئے.... حمید بے تحاشہ دوڑتا رہا۔

اگر اس کے پاس ریوالور ہوتا تو شائد وہ کبھی اس طرح سر پر پیر رکھ کر نہ بھاگتا۔ پھر وہ ایک جگہ سرکنڈوں کے جھنڈ میں الجھ کر گر پڑا.... اور ٹھیک اسی وقت کئی گولیاں "شائیں شائیں" کرتی ہوئی اس کے اوپر سے گذر گئیں۔ حمید بدحواسی میں آگے رینگ گیا۔ سرکنڈوں سے کافی تیز قسم کی کھڑکھڑاہٹ بلند ہوئی۔ حمید کو یقین ہوگیا کہ یہ اس کا آخری کارنامہ ہے اسے اس وقت نہ فریدی پر غصہ تھا اور نہ اپنی حماقت پر افسوس۔

وہ سرکنڈوں میں رینگتا رہا اور پھر اس نے تھوڑے ہی فاصلے پر قدموں کی آہٹ سنی۔

"ڈرو نہیں۔" کسی نے انگریزی میں کہا۔ "وہ نہتے معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ ضرور فائر کرتے!"

پھر دوسرے ہی لمحے میں کئی ٹارچوں کی روشنی اندھیرے کا سینہ چھلنی کرنے لگی۔

حمید جہاں تھا وہیں دبکا رہا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ کہیں قریب ہی ہیں۔" کسی نے کہا۔ "یہ دیکھو... یہ ٹوٹے ہوئے سرکنڈے۔ چلو یہاں کھڑے ہوکر سرکنڈوں میں فائر کرو۔"

حمید نے بدحواسی میں آگے کی طرف چھلانگ لگائی اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی کھال پھٹ جائے گی۔ وہ برف کے سے ٹھنڈے پانی میں غوطے کھا رہا تھا۔ شائد وہ کوئی تالاب تھا۔

چھ سات فائر بیک وقت ہوئے۔ حمید کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگی تھیں۔

پھر اُسے کچھ یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا؟

لیکن جب اسے ہوش آیا تو اس تالاب کا پانی آرام دہ ہونے کی حد تک گرم ہو چکا تھا۔ اس کا ذہن جاگ پڑا تھا۔ مگر آنکھیں بند تھیں۔ اسے پورا جسم ایک دکھتا ہوا پھوڑا معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن یہ گرمی کتنی آرام دہ تھی۔ اور پھر یک بیک اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے اٹھنا چاہا لیکن کوئی وزنی چیز اس کے سینے سے آلگی۔ اس کے سر پر کھلے آسمان کی بجائے ایک سفید اور بے داغ چھت تھی اور وہ خود ایک مسہری پر کمبلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور وہ لڑکی کتنی خوبصورت تھی جو اُس کے سینے پر ہاتھ رکھے اسے اٹھنے سے روک رہی تھی۔ حمید نے اسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے اس نے کچھ دیر قبل کار ڈرائیو کرتے دیکھا تھا۔ حمید کو ہوش میں آتے دیکھ کر اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور دوسرے ہی لمحے میں ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اور اب تو حمید کو کوئی اٹھ بیٹھنے سے روک ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ کیونکہ آنے والا کیلب تھا مفلوک الحال کیلب جس نے خود کو اسٹار انشورنش کمپنی کا ایجنٹ ظاہر کیا تھا۔ حمید نے اسے اس کے پھٹے پرانے لباس سے پہچانا۔ یہ وہی کیلب تھا جس نے کہا تھا کہ اس کا فلیٹ پچھلے ایک ماہ سے مقفل رہا ہے۔

"تمہیں حیرت ہے۔" کیلب نے مسکرا کر کہا۔

حمید فوراً ہی سنبھل گیا۔ اُسے یقین تھا کہ اب وہ نہیں مر سکتا۔ جب وہ گولیوں کے طوفان

سے صحیح و سلامت نکل آیا تو اب اس عمارت کی دیواریں اس کا کیا بگاڑ سکتی تھیں اور پھر فریدی
اس طرح اچانک غائب ہو جانا بھی مصلحت سے خالی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"جانتے ہو! تم اب تک کیوں زندہ ہو۔" کیلب نے پوچھا۔

"محض اس لئے کہ ابھی تک میری شادی نہیں ہوئی۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے جواب
اور لڑکی ہنسنے لگی۔

"فریدی گریٹا کے سرٹیفکیٹ کیوں لے گیا تھا۔" کیلب نے پوچھا۔

"تاکہ اس کی موت کی تصدیق کی جا سکے۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ "بہتر تو یہی ہوتا
تم یہ سوال خود فریدی ہی سے کرتے۔ ویسے میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اُسی رات کو پروفیسر دا
بھی اسپرنگ کاٹج میں گھسا تھا۔"

"اس کا تذکرہ چھوڑو.... جو میں پوچھتا ہوں اس کا جواب دو۔"

"اس کا جواب فریدی ہی سے مل سکے گا۔"

"یقین کرو کہ تمہیں محض اسی لئے زندہ رکھا گیا ہے کہ اگر تم اس کا تشفی بخش جواب دے
تو تمہیں چھوڑ دیا جائے۔"

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔"

"بالکل سچ....!"

"اچھا تو میرے ہاتھ میں ایک ریوالور دے کر مجھے اس عمارت سے نکال دو۔ میں دو
کے فاصلے سے تمہیں اس کا جواب دے کر اپنی راہ لوں گا۔"

"بکواس میں وقت نہ ضائع کرو۔"

"سنو دوست کیلب یا جو کچھ بھی تمہارا نام ہو۔ میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ اس کا جواب
کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاؤں۔"

"تمہاری مرضی....!" کیلب لاپرواہی سے اپنے شانوں کو جنبش دے کر بولا۔

"لیکن تمہاری موت بڑی عبرتناک ہوگی.... سمجھے۔"

"ابھی نہیں سمجھا.... سمجھنے کے لئے تھوڑا وقت چاہتا ہوں۔"

"اچھا یہی بتادو کہ فریدی کہاں گیا۔"

"وہ میرے ساتھ تھے ہی نہیں۔"

"یہ بھی غلط ہے۔"

"غلط نہیں ہے.... وہ شہر میں ایک جگہ اتر گئے تھے اور انہوں نے مجھے بھی اس تعاقب سے
کھنا چاہا تھا.... لیکن.... میرا طریق کار ان سے الگ ہے۔"

کیلب تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "وہ بہت چالاک ہے۔ مگر کب تک.... تم نے
بھی دیکھ لیا۔ سچ کہنا کبھی ایسوں سے بھی سابقہ پڑا تھا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ لیکن یہ سکوت جلد
ٹوٹ گیا۔ دو اینگلو انڈین کمرے میں داخل ہوئے۔

"کیا آ گئے؟" کیلب نے ان سے پوچھا۔

ان دونوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اٹھو....!" کیلب نے حمید سے کہا۔

حمید بے چوں و چرا اٹھ گیا۔ وہ ایسی حالت میں کسی قسم کا جھگڑا نہیں مول لینا چاہتا تھا۔ کیلب
د کے آگے تھا اور دونوں اینگلو انڈین حمید کے پیچھے چل رہے تھے۔

وہ ایک بڑے کمرے میں آئے۔ حمید نے حیرت سے اس کمرے کے ساز و سامان کو دیکھا۔ یہ
اُ کسی سائنٹسٹ کی تجربہ گاہ تھی۔ چاروں طرف مختلف قسم کے آلات نظر آ رہے تھے۔ ان
اے بعض تو ایسے تھے جو آج تک حمید کی نظر سے نہیں گذرے تھے۔

اچانک سامنے والے دروازے کا پردہ ہٹا اور حمید کے منہ سے ایک تحیر زدہ سی چیخ نکل گئی۔
اے سامنے پروفیسر داخ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کیوں! میں نے کیا کہا تھا۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میں نے کہا تھا اگر تم کچھوے کے
کی پیٹھ پر پوری قوت سے بھی کھڑے ہو جاؤ تو اُسے گزند نہیں پہنچا سکتے۔"

حمید سکتے کے عالم میں چپ چاپ کھڑا رہا۔

"بولو.... تم خاموش کیوں ہو۔" پروفیسر پھر بولا۔

حمید کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ بدستور خاموش کھڑا رہا۔

"تم یا فریدی جیسے کیچوے میری ذہانت سے نہیں ٹکرا سکتے۔ سمجھے۔" پروفیسر کہتا رہا۔ "میں

پروفیسر داخ! اس ناخنوں والی وبا کا خالق ہوں۔"

"ناخنوں والی وبا....!" حمید نے احمقوں کی طرح دہرایا۔

"ہاں! میں پروفیسر داخ۔ اس صدی کا سب سے بڑا مفکر اور سائنٹسٹ ہوں میں ایجادات کر سکتا ہوں اور چٹکی بجاتے دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتا ہوں۔ کیا تم نے اپنے ملک کے بعض چوٹی کے آدمیوں کو بے بسی کی موت مرتے نہیں دیکھا

"لیکن تم نے انہیں مارا ہی کیوں۔" حمید نے رک رک کر پوچھا۔

"محض اس لئے کہ میں ایشیاء کے سیاہ فام جانوروں کو ترقی کرتے نہیں دیکھ سکتا۔ تم سے ہمارے غلام رہے ہو۔ ہم سے سبقت نہیں لے جاسکتے۔ میری زندگی کا سب سے بڑا یہی ہے کہ میں تم جانوروں کو آدمی نہ بننے دوں سمجھے۔"

یک بیک حمید کو غصہ آگیا۔ اس نے گرج کر کہا۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارے کار سے واقف نہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کس طرح انہیں ہلاک کرتے رہے ہو

"بھلا کس طرح....!" داخ نے مسکرا کر کہا۔

"رنگین کیپسولوں کے ذریعہ۔ ایسے کیپسول جو خالص سوڈا بائی کارب ملے ہوئے پانی میں گھلتے لیکن شراب میں فوراً ہی گھل جاتے ہیں۔ خواہ اس میں سوڈا ہی کیوں نہ ملا ہوا ہو۔"

پروفیسر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اور بتاؤں....!" حمید جوش میں بولا۔ "تمہاری آج دن بھر کی قلابازیوں کا مقصد یہی تھا کہ ہم لوگ بوکھلا جائیں اور پھر تم ہمیں گڑیا کی ایک ہم شکل کے پیچھے لگا کر پھانس لو تم فریدی کو ہرگز دھوکا نہیں دے سکتے۔ وہ بہر حال تمہارے چوہے دان میں نہیں پھنس سکا

اس کے ناخن بھی بہت جلد کھڑے ہو جائیں گے۔" پروفیسر مسکرا کر بولا۔

"فی الحال تم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" پروفیسر نے ایک شیشے کے برتن سے ہائپو سرنج نکالی۔

موت کے سائے

حمید کانپ کر رہ گیا۔ کمرے میں پروفیسر کے علاوہ آٹھ آدمی اور تھے اور سب کے

حمید کی خفیف سی جنبش پر بھی ان کے ہولسٹروں سے ریوالور نکل سکتے تھے۔ پروفیسر نے اطمینان سے سرنج میں انجکشن لگانے کی سوئی فٹ کی اور مسکراتا ہوا حمید کی طرف مڑا۔ اس اس کے چہرے پر نہ تو پاگل پن کے آثار تھے اور نہ وہ حرکات و سکنات کے اعتبار سے کوئی قسم کا فلسفی معلوم ہو رہا ہو۔

"ڈرومت....!" اس نے حمید سے کہا۔ "تمہارے بعد فریدی ہی کا نمبر آئے گا۔ تم دوسری میں تنہا نہیں رہو گے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ فریدی جیسے آدمی کا شاگرد تھا۔ وہ چوہوں کی طرح مرنا تو کسی حالت میں قبول نہ کر سکتا تھا۔ اس نے قریب ہی کھڑے ہوئے ایک اینگلو انڈین پر چھلانگ لگائی لیکن قبل کے کہ وہ اس کے ہولسٹر سے ریوالور نکالنے میں کامیاب ہوتا اس پر بیک وقت آٹھوں اینگلو ن ٹوٹ پڑے۔

"اوہو....!" پروفیسر نے قہقہہ لگایا۔ "تمہیں اب بھی یقین ہے کہ تم بچ کر نکل جاؤ گے۔"

حمید کو چار آدمیوں نے جکڑ رکھا تھا وہ ہانپتا ہوا چیخا۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ہاتھ پیر ہلائے مر جاؤں گا۔"

پروفیسر نے ایک طویل قہقہہ لگا کر کہا۔ "اچھا اسے چھوڑ دو۔"

حمید چھوڑ دیا گیا اور پروفیسر بولا۔ "خوب اچھی طرح ہاتھ پیر ہلا لو۔ لیکن اس صورت میں جھکتے ہی تمہاری موت واقع ہو جائے گی اور تم وبا کی علامات سے بھی لطف اندوز نہ ہو سکو ہاتھ پیر ہلانے سے دوران خون تیز ہو جائے گا اور اس وبا کے جراثیم حیرت انگیز قسم کی کے ساتھ تمہارے جسمانی نظام پر حاوی ہو جائیں گے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ پروفیسر نے ہاتھوں میں ربر کے دستانے پہنے اور شیشے کا ایک مرتبان اٹھاتا بولا۔

"ادھر دیکھو.... یہ رہی تمہاری موت۔"

مرتبان کے چوتھائی حصے میں گندے رنگ کا کوئی سیال نظر آ رہا تھا۔ پروفیسر کہتا رہا۔ "یہ وہ ثیم ہیں جن کا خالق میں ہوں.... لڑکے! تمہیں ڈاکٹر شرف کی سڑی ہوئی لاش سے گوشت ٹ جانے پر حیرت ضرور ہوگی۔" وہ خاموش ہو کر مرتبان کا سیال سرنج میں کھینچنے لگا۔

کمرے پر قبرستان کی سی خاموشی مسلط تھی۔ حمید کو تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے
میں مغز کی بجائے پتھر کا ٹکڑا رکھا ہو۔ بقیہ لوگ ان سے کافی فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے۔
اب اس میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ دوبارہ رہائی کے لئے ہاتھ پیر مارتا۔ چند لمحوں کا
اس کی ذہنی حالت کے لئے بڑا خطرناک ثابت ہوا تھا۔ اس نے بڑی بے بسی کے عالم میں
ہاتھ پیر ہلائے لیکن اس کی زبان نہ ہل سکی۔

پروفیسر نے سرنج کو چہرے کے برابر اٹھا کر اس میں آئے ہوئے سیال کی مقدار دیکھی
پھر حمید کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے کوئی شفیق بزرگ کسی بچے کو
پسندیدہ تحفہ دینے سے قبل مسکراتا ہے۔

"مجھے تم دونوں کا پہلے ہی انتظام کرنا چاہئے تھا۔" اس نے کہا۔

"تم مجھے نہیں مار سکتے۔" دفعتاً حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

نہ وہ اس وقت خوفزدہ تھا اور نہ اسے زندگی ہی کی خواہش تھی۔ نہ وہ سو رہا تھا اور نہ جاگ
تھا۔ کچھ عجیب سی کیفیت تھی۔

"پھر کس طرح مار سکتا ہوں۔" پروفیسر نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔ پھر اس
اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ جنہوں نے آگے بڑھ کر حمید کو پکڑ لیا۔ اچانک حمید نے کسی شر
طرح مچلنا شروع کر دیا۔ چار آدمی اسے پکڑے ہوئے تھے لیکن وہ ان کے بس کا روگ نہیں
ہوتا تھا۔

"زمین پر گرا دو۔" پروفیسر کے لہجے میں بڑی سفاکی تھی۔

بقیہ چاروں بھی آگے بڑھے اور انہوں نے چند لمحوں کی جدوجہد کے بعد حمید کو گرا
پروفیسر سرنج سنبھالے ہوئے ان کی طرف بڑھا اور پھر وہ جھک کر حمید کے بازو میں اس خط
سیال کا انجکشن دینے ہی جا رہا تھا کہ اچانک سرنج اس کے ہاتھ سے اڑ گئی۔ کمرہ ایک فائر کی
سے جھنجھنا اٹھا تھا۔ پروفیسر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور اس کے منہ سے ایک موٹی سی گالی نکلی۔

فریدی ہاتھوں میں ایک ٹامی گن سنبھالے ہوئے دروازے میں کھڑا تھا۔

"الگ ہٹو! تم لوگ۔" اس نے ان لوگوں کو مخاطب کیا جو حمید کو دبائے ہوئے تھے۔

ان میں سے ایک نے ریوالور نکالنا چاہا۔ لیکن ٹامی گن سے پے در پے تین چار گولیاں

ن کے جسم میں پیوست ہو گئیں۔

"سب کا یہی حشر ہو گا۔" فریدی نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "ورنہ میں جو کچھ کہوں کرتے
ؤ۔ نہیں پروفیسر اگر تم نے ذرا بھی جنبش کی تو تمہارا جسم چھلنی ہو جائے گا۔ اپنے ہاتھ اوپر
ھاؤ.... تم سب۔"

ساتوں اینگلو انڈین حمید کو چھوڑ کر ہٹ گئے۔

"اب تم سب ایک لائن میں کھڑے ہو جاؤ.... چلو! جلدی کرو۔ میں فی الحال تمہیں زندہ ہی
ھنا چاہتا ہوں۔"

"تم یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکتے۔" پروفیسر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے غرایا۔

"حمید....!" فریدی بولا۔ "ان کے ہولسٹروں سے ریوالور نکال لو۔"

حمید چپ چاپ کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ فریدی کے مخاطب کرنے پر اس طرح چونکا جیسے
ی تک بیہوش رہا ہو۔ وہ چند لمحے پروفیسر اور اس کے آدمیوں کو گھورتا رہا۔ پھر دیوانوں کی
رح گالیاں بکتا ہوا ان کی طرف جھپٹا۔ اس نے جلدی جلدی ان کے ہولسٹر خالی کئے اور پھر
ایک اس نے پروفیسر کے گالوں پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔

"ہٹ جاؤ.... حمید ہٹ جاؤ۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔ "یہ بہت بڑا آدمی ہے۔ میں اس کی
ف و گذاف سن چکا ہوں۔ اس لئے اس کے ساتھ بہت ہی شاہانہ قسم کا برتاؤ کروں گا۔"

"آپ وقت برباد کر رہے ہیں۔" حمید چیخ کر بولا۔

"کچھ نہیں.... بس سامنے سے ہٹ جاؤ۔"

حمید چپ چاپ پیچھے کھسک آیا۔ لیکن وہ اب فریدی کو خونخوار نظروں سے گھورنے لگا تھا۔

"پروفیسر....!" فریدی نے داخ کو مخاطب کیا۔ "تم بہت چالاک ہو۔ تم نے ہمیں پھانسنے
کے لئے باقاعدہ نقشہ مرتب کیا تھا مگر افسوس تم سے بچپنا سرزد ہو گیا۔ تمہاری آخری حرکت یوں
عمل گئی تم نے ان بہروپیوں سے مدد حاصل کی جن کی سات پشتوں سے میں واقف تھا۔ گریٹا کو تو
تمہیں درمیان میں لانا ہی نہ چاہئے تھا۔ اس قسم کی حرکتیں صرف جاسوسی ناولوں ہی میں عجیب
معلوم ہوتی ہیں۔ جیتی جاگتی دنیا میں ان کا وجود مسخرہ پن ہے اور ہاں.... تم ابھی حمید پر اپنی اس
تمہارا رعب ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے کیا یہ حقیقتاً تمہاری ایجاد ہے۔"

"ہاں میری ایجاد ہے۔" پروفیسر غرایا۔ "اس کے چہرے پر خوف کے آثار نہیں تھے۔"

"ایجاد نہ کہو.... البتہ دریافت کہہ سکتے ہو۔"

"دریافت! کیا مطلب....!"

"ہاں.... یہ تمہاری دریافت ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور میں اسے ریسرچ کہوں گا۔ البتہ تمہارا یہ کارنامہ ضرور لائق ستائش ہے کہ تم نے ان جراثیم کو سوڈا بائیکارب ملے ہوئے پانی میں زندہ رکھنے کا طریقہ معلوم کرلیا ہے ورنہ یہ جراثیم صرف سڑے ہوئے انسانی گوشت میں زندہ رہ سکتے ہیں اور اسی میں پیدا بھی ہوتے ہیں۔"

"تم کیسے جانتے ہو۔" پروفیسر بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ ٹامی گن سے زیادہ فریدی کے الفاظ اس پر اثرانداز ہوئے تھے اور یک بیک اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔

فریدی نے مسکراتے ہوئے گفتگو جاری رکھی اور اسی کی مناسبت سے تم نے ایسے کیپسول بنائے جو سوڈا بائیکارب ملے ہوئے پانی میں گھل نہ سکیں۔ تم ان جراثیم کو انہیں کیپسولوں میں رکھ کر شراب کے گلاسوں میں ڈلوادیتے تھے.... اور پھر وہ کیپسول شراب میں گھل جاتے تھے۔ شراب میں چونکہ سوڈے کی آمیزش بھی کی جاتی ہے اس لئے جراثیم اس میں زندہ رہتے ہیں۔ سوڈا بائیکارب کی وجہ سے ان پر اسپرٹ کی تیزی بھی اثرانداز نہیں ہوتی اور وہ اپنا کام کر جاتے ہیں۔"

"تم کیسے جانتے ہو۔" پروفیسر پھر چیخا۔

"ہاں تمہیں ایک سیاہ نسل کے جانور سے اس کی توقع نہ ہوگی۔" اس نے ہنس کر کہا۔ "لیکن تم سفید نسل کے سوروں کو یہ بات نہ بھولنی چاہئے کہ اب ہمارا زمانہ آرہا ہے۔"

"کبھی نہیں.... کبھی نہیں۔" پروفیسر حلق پھاڑ کر چیخا۔ "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔"

"مگر تم سفید نسل کے سور! بڑے بے ایمان ہو۔ تم ان جراثیم کو اپنی ایجاد کہہ رہے ہو۔ سنو! سیاہ نسل کا ایک جانور تمہیں ان جراثیم کی تاریخ بتاتا ہے.... جو افریقہ کے زولولینڈ سے شروع ہوتی ہے۔ زولولینڈ کی وہ جنگ یاد کرو جو زولولینڈ کے بادشاہ نپڑمے کے لڑکوں کے درمیان ہوئی تھی۔ انیسویں صدی کی بات ہے بہت زبردست کشت و خون ہوا تھا۔ مہینوں تک ہزاروں لاشیں میدانوں اور گڑھوں میں سڑتی رہی تھیں اور پھر وہ دن یاد کرو جب پادری میکائیل کی تبلیغی پارٹی آدمی کی اس بے وقعتی کا منظر دیکھنے کے لئے سڑی ہوئی لاشوں کے درمیان

گذری تھی۔ اس کے تین آدمیوں کا کیا حشر ہوا تھا۔ کیا ان پر اس وبا کا حملہ نہیں ہوا تھا۔ ناخنوں والی وبا کا حملہ.... پادری میکائیل ڈاکٹر بھی تھا۔ اس نے اس سلسلے میں تحقیقات شروع کیں اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہاں اگنے والی ایک خاص قسم کی گھاس انسان کے سڑے ہوئے گوشت سے مل کر ایسے نتائج پیدا کرتی ہے۔ اس دریافت کا سہرا دراصل پادری میکائیل ہی کے سر ہے۔ اس کے بعد پھر شائد تم نے ہی جدید طریقوں پر نئے سرے سے تحقیق کی ہے۔ سمجھے پروفیسر! تم جیسے ذہین آدمی کو اتنے چھچھورے پن کا مظاہرہ نہ کرنا چاہئے۔ پادری میکائیل کے کارنامے پر اس طرح ڈاکہ ڈالنا ٹھیک نہیں۔"

پروفیسر کچھ نہ بولا۔ اس کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "تم نے اپنا آج کا نقشہ بڑی ذہانت سے مرتب کیا تھا۔ لیکن اُسی کے ساتھ ہی ساتھ ایک نقشہ میرے ذہن میں بھی مرتب ہو رہا تھا.... اور اسی کے نتیجے میں تم مجھے یہاں دیکھ رہے ہو ورنہ بھلا میں اس عمارت تک کیسے پہنچ سکتا۔ یہ عمارت جو یہاں جنگل میں محض اس لئے بنائی گئی تھی کہ یہاں جڑی بوٹیوں کی تحقیقات کا کام ہو گا اور یہ بات مجھے آج ہی معلوم ہوئی کہ اس عمارت سے تمہارا اتنا گہرا تعلق ہے۔ اور پروفیسر میں یہاں تک تمہاری ہی کار میں آیا ہوں۔"

"تم جھوٹے....!" پروفیسر نے کہا۔

"ہاں پروفیسر.... یقین مانو۔ میں شہر سے باہر نکلا ہی نہیں۔ میں شہر ہی میں اپنی کار سے اتر گیا۔ اس طرح کہ حمید کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ پھر سب سے پہلے میں نے یہ کیا کہ تمہیں کوتوالی میں دو گھنٹے تک رکوائے رکھا اور اس دوران میں میں نے اپنے انتظامات مکمل کر لئے۔ پھر میرے لئے یہ کیا مشکل تھا کہ میں اس کار کی اسٹپنی کھول کر اس میں بیٹھ جاتا جو پرنسٹن کے چوراہے پر تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ میں جانتا تھا پروفیسر کہ حمید پکڑ لیا گیا ہو گا اور تم کوتوالی سے فرصت پا کر سیدھے وہیں جاؤ گے جہاں حمید کو رکھا گیا ہو گا لیکن پروفیسر اگر تمہیں یہ معلوم ہوتا کہ فریدی نہیں پکڑا جا سکا تو تم ادھر کبھی نہ آتے۔ افسوس! مجھے افسوس ہے کہ تم اپنی ایک حماقت کی بناء پر یہ دن دیکھ رہے ہو۔ تم نے خود ہی نیاگرا کے منیجر سے گریٹا کی سفارش کر کے غلطی کی تھی۔ یہ کام تمہیں کسی اور سے لینا چاہئے تھا۔"

اچانک پھر فریدی کی ٹامی گن سے تین گولیاں نکل کر ایک اینگلو انڈین کے جسم میں پیوست

ہو گئیں اور وہ بے جان ہو کر گر پڑا۔ دراصل اس کا ایک ہاتھ نیچے گر گیا تھا۔

"تم سب اس بات کا خیال رکھو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ پھر پروفیسر سے بولا

"پروفیسر میں اب بھی تمہاری جان لینا نہیں چاہتا۔ البتہ تم سے ایک سودا ضرور کروں گا۔ اگر تم نے میرا کہنا مان لیا تو میں تمہیں یہاں سے نکل جانے دوں گا۔"

"کیسا سودا....!" پروفیسر نے جلدی سے پوچھا۔

"میں تم سے اپنے لئے ایک سرٹیفکیٹ چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"سرٹیفکیٹ.... کیا مطلب۔"

"بس تم مجھے یہ لکھ کر دے دو کہ ناخنوں والی وبا کے سلسلے میں جو تحقیقات فریدی نے کی ہیں میں اُن سے متفق اور مطمئن ہوں اور فریدی ایک اچھا ماہر جراثیم بھی ہے۔ اس نے ان جراثیم کی پیدائش کا جو طریقہ ایجاد کیا ہے وہ حیرت انگیز اور ایشیا والوں کے لئے قابل فخر ہے۔"

"اس سے تمہارا مقصد کیا ہے۔" پروفیسر نے پوچھا۔

"کچھ نہیں! بس تم اپنی اس ایجاد سے میرے حق میں دست بردار ہو جاؤ۔ بس اسے ایک طرح کی رشوت سمجھ لو جس کے عوض تم چھوڑ دیئے جاؤ گے۔"

"ہرگز نہیں.... ہرگز نہیں....!" پروفیسر بڑبڑایا۔

دونوں میں تقریباً پندرہ منٹ تک اسی کے متعلق بحث ہوتی رہی۔ پھر پروفیسر کچھ سوچنے لگا۔ دو تین منٹ غور کرنے کے بعد وہ اس پر تیار ہو گیا۔

"اچھا حمید....!" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ "تم میری جیب سے فاؤنٹین پن اور دستاویزی کاغذ نکال کر پروفیسر کو دے دو۔"

"کیا سچ مچ۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔"

"بکواس مت کرو۔" فریدی بگڑ گیا۔ "تم کیا جانو! میں اس دریافت کو دوسری شکل دے کر لاکھوں روپے کما لوں گا۔"

حمید نے چپ چاپ اس کے حکم کی تعمیل کر دی۔ لیکن وہ دل ہی دل میں فریدی کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ وہ ایک ایسے آدمی کو چھوڑنے جا رہا تھا جس نے کچھ دیر قبل اس کی جان لینے کی سفاکانہ کوشش کی تھی۔

پروفیسر نے کاغذ پر لکھنے کے لئے ہاتھ بڑھایا.... اور پھر رک کر کچھ سوچنے لگا۔ اس نے ایک بار پھر فریدی کی طرف اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھا۔

"چلو.... لکھ بھی دو.... پروفیسر.... ورنہ پھر ہتھکڑیوں کا بوجھ سنبھالنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

پروفیسر بادل ناخواستہ لکھنے لگا۔

ابھی اس نے ایک سطر بھی پوری نہیں کی تھی کہ فاؤنٹین پن ایک زوردار دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔ ساتھ ہی ایک بہت تیز قسم کی روشنی کا کوندا سا پروفیسر کے چہرے کے قریب لپکا اور اس نے چیخ کر اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے۔

ایک اینگلو انڈین پھر فریدی کی طرف جھپٹا لیکن اُسے بھی اپنے دو ساتھیوں کے پاس پہنچ جانا پڑا۔ فریدی کے چہرے پر اس وقت بلا کی درندگی اور بہیمیت طاری تھی۔

دفعتاً پروفیسر حلق پھاڑ کر چیخنے لگا۔ "مجھے کچھ نہیں دکھائی دیتا.... اندھیرا.... اندھیرا.... فریدی.... سور.... حرام زادے.... تو نے مجھے اندھا کر دیا۔"

"تم کچھ دیر پہلے بہت اچھے موڈ میں تھے پروفیسر۔" فریدی طنز آمیز لہجے میں بولا۔

"میں نے کہا ذرا میں بھی تمہیں اپنی ایک حقیر سی ایجاد کا نمونہ دکھا دوں۔ یہ صرف ایک گھنٹے کی محنت کا نتیجہ تھا۔ اگر تھوڑا وقت اور دیتا تو تمہاری آنے والی نسلیں تک اندھی ہو جاتیں۔" پھر اس نے حمید سے کہا۔ "اس الماری کے پیچھے ہتھکڑیوں کے جوڑے ہیں ان پانچ شریف آدمیوں کو ان کی ضرورت ہے۔"

پروفیسر میز پر سر اوندھائے خاموشی سے بیٹھا تھا۔

جب حمید ان پانچوں کے ہتھکڑیاں لگا چکا تو اس نے فریدی سے کہا۔ "یہاں ایک لڑکی بھی تھی۔"

"لڑکی....!" فریدی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "شائد قبر میں بھی تمہیں اس کا خیال ستاتا رہتا۔ وہ لڑکی دوسرے کمرے میں بیہوش پڑی ہے۔"

دفعتاً پروفیسر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک بار پھر اس کے منہ سے فریدی کے لئے گالیوں کا طوفان امڈ پڑا.... اور فریدی قہقہے لگاتا رہا۔ اس نے کہا۔ "پروفیسر! کچھ دیر پہلے تم نے ایک ایسے آدمی کی جان لینے کی کوشش کی تھی

جسے میں بہت عزیز رکھتا ہوں۔ اب تم اندھیرے میں بھٹکتے رہو۔ یہی تمہاری سزا ہے۔ میں تمہیں یہاں تنہا چھوڑ جاؤں گا۔ پولیس کو توکیلب کی تلاش ہے میں اسے اپنے ساتھ لئے جارہا ہوں۔ تمہاری اسکیموں کو وہی عملی جامہ پہناتا تھا اور میں جانتا ہوں کہ وہ ایک جنگ باز ملک کا ایجنٹ ہے۔ ایک ایسے ملک کا ایجنٹ جو ایشیا کو مفلوک کردینا چاہتا ہے۔ جو یہ چاہتا ہے کہ ایشیا کبھی اپنے پیروں پر نہ کھڑا ہو سکے۔

پروفیسر نے پاگلوں کی طرح چیخنا شروع کردیا تھا۔ پھر وہ دیوانہ وار ایک طرف بڑھا۔ ایک میز الٹ گئی۔ شیشے کے کئی بڑے آلات فرش پر گر کر چور چور ہو گئے۔

پروفیسر اٹھ کر دوسری میز پر جاپڑا۔ اسی میز پر جراثیم والا مرتبان بھی تھا۔ مرتبان الٹ گیا اور پروفیسر کے چہرے پر جراثیم ملا ہوا سیال پھیل گیا۔ اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی اور وہ اچھل کر دیوار سے ٹکرا گیا۔ اس کی آخری چیخ بڑی ہولناک تھی۔ وہ دو تین منٹ تک فرش پر تڑپتا رہا۔ پھر اس کے ہاتھ پیر اینٹھ گئے۔ اس کے ناخن انگلیوں کا گوشت چھوڑ چکے تھے۔ ویران آنکھیں چھت پر لگی ہوئی تھیں۔ منہ کھل گیا تھا اور اُس کا چہرہ کسی مردہ بندر کا چہرہ معلوم ہونے لگا تھا۔

کمرے کی فضا پر دل ہلا دینے والا سکوت طاری تھا۔ ... اور اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی بھی اس کی موت سے متاثر ہو گیا ہو۔

وہ سب دم بخود کھڑے تھے اور ان کی پرچھائیاں ایسی لگ رہی تھیں جیسے دیوار پر موت کے تاریک سائے جم گئے ہوں۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 44

سازش کا جال

(مکمل ناول)

پیش رس

"سازش کا جال" بھی جاسوسی دنیا کے شاہکاروں میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ لالچ، خود غرضی، انتقام، حرص آدمی کو کس قدر اندھا بنا دیتی ہے۔ اس کا اندازہ آپ کو "سازش کے جال" کے کرداروں سے ہوگا۔ اس میں ایک ایسی عورت بھی ہے جس سے آپ کو ہمدردی بھی ہوگی، جس پر غصہ بھی آئے گا، جھلاہٹ بھی ہوگی، آپ قہقہے لگائیں گے، نفرت کریں گے اور پھر اُس کی تعریف کرنے پر بھی مجبور ہوں گے۔

"سازش کا جال" کا مجرم انتہائی چالاک، سفاک مگر بے حد پھرتیلا ہے۔ وہ ایسے مجرموں میں سے ہے جن کے لئے کہا جاتا ہے

یہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

آپ کی الجھن ہر لمحہ بڑھتی رہے گی کہ بھورے بالوں والا، دستانے پہننے والا یہ آدمی کون ہے؟ دھڑکنیں ہر لحظہ بڑھتی جائیں گی اور عجیب و غریب مجرم سامنے آئے گا۔ تو آپ اچھل پڑیں گے۔

پبلشر

لڑکی کا بنڈل

آرلکچو کے ایک مخصوص کیبن میں شہر کے دو بہت بُرے آدمی بیٹھے کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ دونوں بظاہر بُرے نہیں معلوم ہوتے تھے کیونکہ اُن کے جسموں پر اعلیٰ قسم کے سوٹ تھے اور چہروں سے بھی شرافت ہی ظاہر ہوتی تھی۔ لیکن اپنے سیاہ کارناموں سے یہ خود ہی واقف تھے۔ ان کے نام صفدر اور شیکھر تھے۔ لیکن یہ نہ مسلمان تھے اور نہ ہندو۔ ان کا مسلک سیاہ کاری کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ لیکن ان بُرے آدمیوں میں ایک بہت ہی بڑی خصوصیت تھی یہ دونوں ایک دوسرے کے وفادار تھے۔ ایک دوسرے کو دھوکا دینا ان کی نظروں میں بدترین گناہ تھا۔

وہ دونوں اس وقت کچھ اس قسم کی گفتگو کر رہے تھے جیسے وہ اُس آدمی سے واقف نہ ہوں جس سے انہیں ملنا ہے۔ صفدر نے بے بسی سے پہلو بدلتے ہوئے کلائی کی گھڑی دیکھی اور شیکھر سے بولا۔ "کہیں کسی نے مذاق نہ کیا ہو؟"

"ناممکن نہیں ہے۔" شیکھر نے سگریٹ کے جلتے ہوئے سرے کو گھور کر کہا۔ "پھر بھی ہمیں دو چار منٹ اور انتظار کرنا چاہئے۔"

صفدر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کیبن کا پردہ ہٹا اور ایک آدمی کیبن میں گھس آیا۔ یہ ایک لمبے قد اور اچھے جسم کا آدمی تھا۔ خوش پوشی اور جامہ زیبی میں یکتا معلوم ہوتا تھا۔ چہرے پر بھورے رنگ کی گھنی داڑھی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک۔ ہاتھوں میں سفید دستانے تھے حالانکہ سردیوں کا زمانہ نہیں تھا لیکن اُس نے دستانے پہن رکھے تھے۔

وہ ان دونوں کی طرف دیکھ کر مسکرایا پھر آہستہ سے بولا۔ "آپ لوگوں کو خط مل گیا تھا۔!"

دونوں کھڑے ہوگئے اور صفدر بولا۔ "خط ضرور مل گیا تھا لیکن اُس پر بھیجنے والے کا نام نہیں تھا۔"

"تشریف رکھئے....!" اجنبی نے صاف اور دھیمی آواز میں کہا۔

وہ دونوں بیٹھ گئے۔ اجنبی بھی بیٹھتا ہوا بولا۔ "کام بہت معمولی ہے اور معاوضہ معقول...!"

صفدر کچھ بولنے ہی والا تھا کہ شیکھر نے اُس کے پیر پر پیر رکھ دیا۔ صفدر نے پھر ہونٹ بند

کر لئے۔ شیکھر چند لمحے اجنبی کو چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''کیسا کام اور کیسا معاوضہ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''آپ شیکھر اور صفدر صاحبان ہی ہیں نا....؟'' اجنبی نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہمارے یہی نام ہیں۔'' شیکھر بولا۔

''تب پھر تکلف کی کیا ضرورت ہے۔''

''کوئی ضرورت نہیں۔'' شیکھر بھی جواباً مسکرایا۔ ''ہم لوگ دیر سے بھوکے ہیں۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ ہم اپنے میزبان کی شخصیت سے واقف نہیں۔''

''اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ آپ کو صرف کام اور دام سے غرض ہونی چاہئے۔''

شیکھر چند لمحے اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا، پھر بولا۔ ''معاف کیجئے گا شاید آپ ہمیں اُلو بنا رہے ہیں۔''

''میں وقت کی بربادی پسند نہیں کرتا۔'' اجنبی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ ''تمہیں ایک لڑکی کا اغواء کرنا ہے۔''

''آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔'' شیکھر بگڑ کر بولا۔ ''شریفوں سے ایسی گفتگو نہیں کی جاتی۔''

''شریف.....!'' اجنبی نے زہر خند کے ساتھ کہا۔ ''اس شہر میں تم جیسے سارے شریفوں کے نام مجھے زبانی یاد ہیں۔ مگر ٹھہرو ممکن ہے تم مجھے محکمہ سراغرسانی کا کوئی آدمی سمجھ رہے ہو۔ اگر یہی ہے تو تمہیں مطمئن رہنا چاہئے۔''

شیکھر چند لمحے خاموش رہا پھر وہ آہستہ سے بولا۔ ''کام کیا ہے؟''

''ایک لڑکی کا اغواء.... جو ارجن پورے کی نروان بلڈنگ کے گیارہویں فلیٹ میں رہتی ہے۔''

''ارجن پورے میں رہتی ہے؟'' شیکھر نے آہستہ سے دہرایا۔

''ہاں...!''

''اچھا.... معاوضہ کیا ہوگا؟'' شیکھر نے پوچھا۔

''پانچ ہزار۔''

''کیا....؟'' شیکھر کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''ہاں پورے پانچ ہزار....!''

''اگر ارجن پورے میں رہتی ہے تو یقیناً کسی غریب گھرانے کی ہوگی؟'' شیکھر نے کہا۔

''یہی بات ہے۔'' اجنبی نے سر ہلایا۔

''اگر غریب گھرانے کی ہے تو سو دو سو روپے خرچ کرنے پر یونہی چلی آئے گی۔ اُس کے لئے پانچ ہزار کیوں؟''

''میں بحث نہیں کام چاہتا ہوں۔'' اجنبی جھنجھلا گیا۔

''یار تم نے افیون تو نہیں کھا رکھی۔'' صفدر مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ ''اگر تم ہم سے واقف ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ ہم لوگ کیسے آدمی ہیں۔''

''تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔''

''اور اس کے باوجود بھی ہم پر دھونس جمانے کی کوشش کر رہے ہو؟''

''ہاں.... اور یہ اس لئے کہ میں جب چاہوں تمہیں چٹکیوں میں مسل سکتا ہوں۔''

شیکھر اور صفدر نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔

اجنبی نے نوٹوں کا ایک پیکٹ نکال کر میز پر رکھ دیا اور پھر کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اُسی کے قریب رکھتا ہوا بولا۔ ''ایک طرف یہ پانچ ہزار روپے ہیں اور دوسری طرف یہ لفافہ۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز پسند کر لو۔ کام تو بہر حال تمہیں ہی کرنا ہے۔''

''لفافے میں کیا ہے؟'' شیکھر نے پوچھا۔

''دیکھ لو۔''

شیکھر نے لفافہ کھول کر اُس میں سے کوئی چیز نکالی اور پھر وہ چیز لفافہ سمیت اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر آ گری۔ شیکھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اجنبی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ صفدر نے جھک کر وہ تصویر اٹھالی جس نے شیکھر کے جسم پر لرزہ طاری کر دیا تھا اس تصویر کو دیکھتے ہی صفدر کی بھی وہی حالت ہو گئی۔

''دیکھا تم نے....؟'' اجنبی مسکرا کر بولا۔ ''تم دونوں اس تصویر میں جس آدمی کا گلا گھونٹ رہے ہو اُس کی لاش پچھلے ہفتے پولیس کو مل چکی ہے۔''

صفدر اور شیکھر خاموش رہے اور اجنبی پھر بولا۔ ''میرا کام تمہیں کرنا ہی پڑے گا۔ اگر خوشی سے کرو گے تو پانچ ہزار تمہارے ہیں.... ورنہ.... پھر زبردستی۔ اور تم یہ جاننے کی بالکل کوشش نہ کرو گے کہ میں کون ہوں سمجھے۔''



موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ ابھی گیارہ ہی بجے تھے لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے رات

زیادہ گزر گئی ہو۔

فریدی دو گھنٹے سے برآمدے میں بیٹھا بارش بند ہونے کا منتظر تھا۔ اُسے شاید کسی ن
کام سے باہر جانا تھا۔

حمید بھی گھر پر موجود نہیں تھا۔ فریدی اُس وقت اُسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اُسے حال
میں اطلاع ملی تھی کہ آج کل حمید ایک سیاہ فام عیسائی لڑکی کے ساتھ بہت زیادہ دیکھا جارہا ہے
انسپکٹر جگدیش نے اُس کے "معیار" کا مضحکہ بھی اڑایا تھا لیکن اُسے حمید نے ایک برجستہ قسم
جواب سے خاموش کر دیا۔ اُس نے بتایا کہ وہ دراصل اُس لڑکی کی خالہ کے چکر میں ہے جو نہ صر
حسین بلکہ شادی شدہ بھی ہے۔

فریدی کے لئے اُس کی یہ حرکتیں نئی نہیں تھیں اور اب تو اُس نے اُسے ٹوکنا بھی چھوڑ
تھا۔ مگر بعض اوقات جب وہ حد سے گزرنے لگتا تھا تو اُسے بولنا ہی پڑتا تھا۔ اس سیاہ عیسائی لڑ
معاملہ بھی اسی نوعیت کا تھا۔ وہ دراصل اُس کے محکمے کے ایک شعبے کے انچارج کی لڑکی تھی
حمید کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ کون ہے۔ بس ایک غیر معمولی واقعے کے بعد وہ اُس کے
پڑ گئی۔ ہوا یہ کہ وہ ایک دن کسی تفریح گاہ میں حمید کو دکھائی دی اور حمید نے یونہی تفریحاً اُ
آنکھ ماردی۔ اس پر وہ کافی بھنائی۔ اُس دن سے حمید کا معمول ہو گیا کہ وہ جہاں بھی نظر آجا
اُسے آنکھ ضرور مارتا تھا۔ اُسی دوران میں محکمے کے ایک آفیسر کو الوداعی پارٹی دی گئی جس م
آفیسروں کے خاندان والے بھی مدعو تھے۔ وہ لڑکی بھی اپنے باپ کے ساتھ دعوت میں شریک
ہوئی۔ حمید کو جب اُس کی اصلیت معلوم ہوئی تو اُس کی روح فنا ہونے لگی۔ اتفاق سے اُس کے
باپ نے اُس کا تعارف فریدی سے کرادیا۔ حمید صاحب بھی ساتھ ہی تھے۔ جیسے ہی اُس کی نگ
لڑکی سے چار ہوئی اُس کی بائیں آنکھ نے کھلنا اور بند ہونا شروع کر دیا۔ لڑکی غصے سے سرخ ہوگئی
اُس کے باپ کو تو جیسے سکتہ ہو گیا اور فریدی کی حالت کا کیا پوچھنا۔ ایک رنگ آتا تھا اور ایک جا
تھا.... آخر اُس کا باپ پوچھ ہی بیٹھا۔

"کیا عرض کروں۔" حمید نے اپنی بائیں آنکھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔ "پچھلے پندر
دنوں سے اس مصیبت میں مبتلا ہوں۔ پلکوں میں عجیب طرح کا تکلیف دہ کھنچاؤ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر
کہتے ہیں کہ رگیں سکڑ رہی ہیں۔ حکیموں کا کہنا ہے کہ یہ ریاحی فساد ہے۔ علاج کر رہا ہوں مگر افاق
اب تک نہیں ہوا۔ شرمندگی سے بچنے کے لئے سیاہ چشمہ لگائے رہتا ہوں مگر اتفاق سے اس وقت
اُسے بھی گھر بھول آیا ہوں۔"

اُس کے باپ کو یقین آیا ہو یا نہ آیا ہو مگر اس تاویل پر لڑکی بے اختیار مسکرا پڑی تھی.... اور
پھر دونوں میں دوستی ہو گئی۔

بہر حال یہ واقعہ فریدی کے لئے ایک مستقل دردِ سر کی سی کیفیت رکھتا تھا۔ اُس نے کئی بار
حمید کو اس حرکت سے باز رکھنا چاہا مگر کون سنتا ہے۔

اس وقت بھی وہ اُسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

فی الحال بارش رکنے کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ آخر کار فریدی نے باہر جانے کا ارادہ
ملتوی کر دیا۔

پھر وہ اندر جانے کے لئے اٹھ ہی رہا تھا کہ بارش کے شور کے باوجود بھی اُسے پھاٹک کے
قریب کسی قسم کی آواز محسوس ہوئی اور ساتھ ہی کتے خانے میں کتوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا....
کمپاؤنڈ میں اندھیرا تھا اور حمید کے انتظار میں ابھی تک پھاٹک بھی نہیں بند کیا گیا تھا۔

فریدی نے جھپٹ کر برآمدے کی روشنی بجھادی۔ آنے والا حمید نہیں ہو سکتا تھا ورنہ کتے
کیوں بھونکتے۔ اگر کوئی شناسا ہوتا تو اُس نے فریدی کے اس طرح روشنی گل کر دینے پر احتجاج
ضرور کیا ہوتا۔

اچانک فریدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی پھسل کر گرا ہو۔ ساتھ ہی ایک ہلکی سی کراہ بھی
سنائی دی۔ پھر کسی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "مدد.... مدد"

فریدی نے برآمدہ پھر روشن کر دیا۔ پورچ کا بلب روشن ہوتے ہی اُسے زمین پر بھیگے ہوئے
کپڑوں کا ایک متحرک ڈھیر نظر آیا۔

"بجھا دیجئے.... بجھا دیجئے۔" ڈھیر سے آواز آئی۔

"تم کون ہو؟" فریدی نے پورچ میں اترتے ہوئے پوچھا۔

"میں خطرے میں ہوں آہ.... بجھا دیجئے۔" بولنے والے کی آواز بڑی دردناک تھی۔

"سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔" فریدی نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

کپڑوں کا ڈھیر بدستور کانپتا رہا اور پھر اچانک فریدی نے اسے دو حصوں میں تقسیم ہوتے
دیکھا۔ بارش شباب پر تھی بلکہ اس دوران میں اس کا زور پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا تھا۔

یکا یک کوئی تیز رفتار چیز فریدی کے داہنے شانے کو چھوتی ہوئی نکل گئی اور برآمدے کی دیوار
کا بہت سا پلاسٹر آواز کے ساتھ اُدھڑ کر رہ گیا۔

فریدی نے اچھل کر پورچ کے ایک ستون کی آڑ لے لی۔ کمپاؤنڈ کے باہر سے دوسرا فائر ہوا

اور اس بار بھی برآمدے کی دیوار کا پلاسٹر اُدھڑ گیا۔

کتے اور تیزی سے بھونکنے لگے۔ فریدی بُرا سا منہ بنائے پورچ کے ستون سے چپکا ہوا تھا۔ اب وہاں سے ہٹنا درحقیقت موت کو دعوت دینا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں کوئی نوکر سامنے نہ آجائے۔ فی الحال وہ اُس ڈھیر کو بھی بھول گیا تھا جسے اُس نے خود بخود دو حصوں میں تقسیم ہوتے دیکھا تھا۔

اُس نے چاروں طرف تیز اور متجسس نظر ڈالی۔ اُسے اپنے قریب کوئی ایسی چیز پڑی نہ دکھائی دی جس سے وہ بجلی کے بلب کو توڑ کر برآمدے میں اندھیرا کر سکتا۔

دو منٹ گزر گئے لیکن پھر تیسرا فائر نہیں ہوا۔

اب اُسے اُن ڈھیروں کا خیال آیا۔ لیکن اب اُن میں سے ایک یا تو غائب ہو چکا تھا یا پھر اپنی جگہ پر پہنچ گیا تھا۔

کتوں کی آوازیں آہستہ آہستہ دبتی جارہی تھیں پھر شائد دو یا تین بھونکتے رہ گئے۔ بارش کے زور کا وہی عالم تھا۔ فریدی اب ستون کی اوٹ سے ہٹنے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ پھاٹک میں کسی کار کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دیں۔ کار آہستہ آہستہ پورچ کی طرف بڑھتی آرہی تھی۔ فریدی نے کار پہچان لی۔ یہ اُسی کی کیڈی لاک تھی۔ وہ یکلخت سامنے آگیا۔

اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید حمید اُس ڈھیر کو کچل کر ہی رکھ دیتا۔ جو اب بھی پورچ میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔ حمید نے کیڈی پورچ کے باہر ہی روک دی۔

"کیا بات ہے؟" حمید چیخ کر بولا۔ "میں بھیگ جاؤں گا۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر ڈھیر پر جھک گیا۔ ڈھیر میں پھر کپکپاہٹ پیدا ہو چکی تھی۔

"یہ کیا بلا ہے؟" حمید نے پوچھا جو فریدی کے قریب پہنچ کر اپنے بالوں سے پانی جھٹک رہا تھا۔

"تم کہاں تھے؟" فریدی نے اُسے گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

جواب دینے سے قبل حمید نے بُرا سا منہ بنایا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔" اور پھر حمید نے اُسے باہر کی طرف جاتے دیکھا۔

بارش کا اب بھی وہی حال تھا۔ حمید کبھی بوکھلا کر کمپاؤنڈ میں پھیلی ہوئی تاریکی میں آنکھیں پھاڑتا اور کبھی زمین پر پڑے ہوئے کپڑوں کے ڈھیر کو گھورنے لگتا۔

دفعتاً ایک بار پھر کپڑوں کے ڈھیر میں جنبش ہوئی اور ایک خوبصورت سا نرم و نازک ہاتھ باہر نکل آیا۔

"ارے باپ رے۔" حمید بے اختیار اپنا پیٹ پکڑ کر بولا اور پھر وہ بے تحاشہ زمین پر دو زانو بیٹھ گیا۔

یہ ایک بہت بڑی گٹھڑی تھی جس سے ایک خوبصورت سا انسانی ہاتھ نکل کر زمین پر ٹک گیا تھا۔ حمید نے بڑی پھرتی سے اُس کی تمام گرہیں کھول ڈالیں اور ایک بار پھر بدحواسی میں اُس کے منہ سے "ارے باپ رے" نکل گیا۔

وہ ایک انتہائی حسین چہرہ تھا۔ ایک نوجوان لڑکی کا چہرہ جو آنکھیں بند کیے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ بالوں کی دو تین بھیگی ہوئی لٹیں اُس کے گداز رخساروں سے چپکی ہوئی تھیں۔ لباس معمولی اور بھیگا ہوا تھا۔ جس کپڑے میں وہ لپٹی ہوئی تھی حمید کو اُس میں خون کا ایک بڑا سا دھبہ دکھائی دیا۔ اُس کی بوکھلاہٹ اور زیادہ بڑھ گئی اور وہ نوکروں کے نام لے لے کر چیخنے لگا۔ اُس کی اس چیخم دھاڑ پر دو نوکر بھاگتے ہوئے کوٹھی سے باہر آئے۔ سب سے پہلے اُن کی نظریں بے ہوش لڑکی پر پڑیں اور وہ برآمدے میں ٹھٹھک کر رہ گئے۔

"ابے آگے آؤ.... کیا دیکھتے ہو.... مردود۔" حمید حلق کے بل چیخا۔

نوکر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائے اور پھر چپ چاپ برآمدے سے اُتر کر پورچ میں آگئے۔

"اسے اٹھا کر.... وہاں.... لے چلو۔"

"کہاں سرکار....؟"

"سرکار کے بچو جلدی کرو۔"

"مگر ہم کیسے اٹھائیں؟" ایک نوکر بولا اور اُس کی نظر بھی چادر پر پڑے ہوئے خون کے دھبے پر جم گئی اور پھر وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا لیکن اب وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حمید کو دیکھ رہا تھا۔

"الگ ہٹو....!" حمید نے اُسے دوسرے نوکر پر دھکیلتے ہوئے کہا اور خود ہی بے ہوش لڑکی اٹھانے کے لئے جھک پڑا۔

اور پھر جب وہ اُسے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے برآمدے میں داخل ہو رہا تھا تو اُسے سامنے والی دیوار کا ادھڑا ہوا پلاسٹر دکھائی دیا۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔

نوکروں نے بھی اُدھڑے ہوئے پلاسٹر کو حیرت سے دیکھا۔

"یہ کیا ہوا....؟" حمید نے انہیں تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں صاحب۔" دونوں بیک وقت بولے۔ "ایک گھنٹہ پہلے تو ایسا نہیں تھا۔"

"اچھا! تم دونوں یہیں ٹھہرو۔" حمید نے کہا اور اندر داخل ہو گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اُس بے ہوش لڑکی کو کہاں لے جائے۔ اُسے پھر چادر والے خون کے دھبے کا خیال آیا اور اُس کا ذہن برآمدے کے ادھڑے ہوئے پلاسٹر میں الجھ گیا۔ دیوار کے دو سوراخ.... کیا کسی نے گولی چلائی تھی۔ کہیں یہ لڑکی زخمی تو نہیں۔

حمید نے اُسے بے تحاشہ ایک کمرے کے فرش پر ڈال دیا۔

بارش کا زور اب کم ہو چلا تھا۔

حمید نے بے ہوش لڑکی کا اچھی طرح جائزہ لیا لیکن اُسے کہیں بھی کوئی زخم نہ دکھائی دیا۔ البتہ اُس کے بھیگے ہوئے کپڑوں پر دو ایک جگہ خون کے چھوٹے چھوٹے دھبے ضرور نظر آئے۔ وہ لڑکی کے قریب سے ہٹ کر فریدی کا انتظار کرنے لگا۔

لڑکی نے کراہ کر کروٹ لی لیکن اُس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔ حمید کا ذہن نہ جانے کہاں کہاں بھٹک رہا تھا۔ اُس نے اس دوران میں فریدی کے متعلق بہت کچھ سوچ ڈالا تھا۔

لڑکی اب بھی فرش ہی پر پڑی ہوئی تھی۔

حمید چونک پڑا۔ فریدی اُسے آواز دے رہا تھا۔ حمید کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ جواب دینے کی بجائے بے ہوش لڑکی کے سرہانے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ راہداری میں قدموں کی آواز سنائی دی اور حمید کے چہرے پر کچھ اس قسم کی از خود رفتگی طاری ہو گئی جیسے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو۔

فریدی کے کپڑے بالکل بھیگ گئے تھے اور اُن سے پانی ٹپک رہا تھا۔ لڑکی پر نظر پڑتے ہی وہ چونک پڑا۔ کبھی وہ حمید کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی بے ہوش لڑکی کی طرف۔

"مم.... مگر....!" وہ ہکلایا۔ "وہ تو کسی مرد کی آواز تھی۔"

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے وہ اپنا اوپری ہونٹ بھینچے فریدی کو گھورتا رہا پھر تلخ سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اگر موقع ملتا تو اُس کے داڑھی بھی اُگ آتی۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔"

"بکواس! ارے میں تو خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ اس سکستان اور سانپستان میں عورت تو دکھائی دی.... ہاہا.... ہو گئی رے.... میں تو ہو گئی۔"

حمید نے ایک ہاتھ سر پر رکھا اور دوسرا کمر پر رکھتا ہوا ٹھمک ٹھمک کر ناچنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ گاتا بھی جا رہا تھا۔ "ہو گئی رے! میں تو ہو گئی۔"

فریدی پر جھلاہٹ کا دورہ پڑا اور اُس نے آگے بڑھ کر حمید کا منہ دبا دیا۔ وہ شاید حمید کو بُری طرح رگڑ دیتا مگر اچانک اُسے شور سنائی دیا۔ یہ نوکروں کی آوازیں تھیں اور عمارت کے اندر ہی سے آرہی تھیں۔

پُر اسرار گمنام

شور سن کر حمید بھی سنجیدہ ہو گیا۔

پھر وہ دونوں کمرے سے نکل ہی رہے تھے کہ ایک دوڑتا ہوا نوکر اُن سے آٹکرایا۔

"کیا ہے؟" حمید جھلا کر اُسے دھکیلتا ہوا غرایا۔

"چچ.... چور....!" نوکر چند قدم پیچھے ہٹ کر ہانپتا ہوا بولا۔

"چلو.... آگے بڑھو۔" حمید نے اُسے دھکا دیا۔

"پکڑ لیا ہے۔" نوکر نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

وہ انہیں برآمدے میں لایا۔ جہاں دو تین نوکر ایک آدمی پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے.... الگ ہٹو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"اندر گھس رہا تھا صاحب۔" ایک نے جواب دیا۔ وہ سب الگ تو ہٹ گئے تھے مگر اُن کی نظریں اب بھی اپنے شکار پر تھیں۔ یہ ایک بوڑھا مگر اچھے تن و توش کا آدمی تھا۔ اس کے کپڑے کیچڑ اور پانی سے لت پت ہو رہے تھے۔ داہنے بازو سے خون بہہ رہا تھا۔ پوری آستین سرخ تھی۔ اُس نے بدقت تمام اپنا سر اٹھایا۔ چہرہ خون اور کیچڑ کی وجہ سے بڑا خوفناک نظر آرہا تھا۔ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں اور اُس کے جسم پر رعشہ طاری تھا۔

"مم.... چور.... نن.... نہیں۔" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا کچھ دیر پہلے تم ہی تھے؟" فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

بوڑھے نے ایک جھٹکے کے ساتھ سر کو اثبات میں جنبش دی۔ پھر وہ دونوں ہاتھ ٹیک کر فرش سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"اسے اٹھاؤ۔" فریدی نے نوکروں سے کہا پھر حمید سے بولا۔ "تم اندر آجاؤ۔ لڑکی کو کسی

مناسب جگہ پر ڈال دو۔"

"اُسے کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟" بوڑھے نے بے صبری سے کہا جو اب نوکروں کے سہارے کھڑا ہو چکا تھا۔

فریدی نے جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

"نہیں.... لیکن وہ بے ہوش ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ اب وہ قطعی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"کیا تمہارے گولی لگی ہے؟" فریدی نے بوڑھے سے پوچھا۔

"جی ہاں....!" بوڑھا اپنے داہنے بازو پر ہاتھ رکھ کر زور سے کراہا۔

"چلو.... اسے اندر لے چلو۔" فریدی نے نوکر سے کہا۔

وہ اُسے اندر لائے اور پھر اُسے ایک آرام کرسی پر ڈال دیا گیا۔

فریدی نے ایک نوکر سے فرسٹ ایڈ بکس لانے کو کہا اور بوڑھے کا زخمی بازو دیکھنے لگا۔ وہاں موجود نہیں تھا۔ شاید وہ لڑکی کے لئے انتظامات میں مصروف ہو گیا تھا۔

بوڑھے کا زخم زیادہ مخدوش نہیں تھا۔ گولی بازو کی اوپری جلد پھاڑتی ہوئی دوسری طرف گئی تھی۔ ہڈی بالکل محفوظ تھی۔ فریدی نے زخم صاف کر کے بینڈیج کر دی۔ اس دوران بوڑھے پر غشی طاری ہو گئی تھی۔

اس کے بعد وہ لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔ جسے حمید نے بھیگے ہوئے کپڑوں سمیت ا صوفے پر ڈال دیا تھا۔

"کیا یہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئی؟" فریدی نے لڑکی کی طرف تشویش آمیز نظ سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آہم....!" حمید انگڑائی لیتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "اس کے ہوئے کپڑوں کا....!"

"شش شش!" حمید جلدی سے بولا۔ "میں نے اپنی بیوی کو تار دیا ہے۔ وہ آکر کپڑ تبدیل کرادے گی۔"

"دماغ مت چاٹو۔"

"اس ڈرامے میں مجھے مسخرے ہی کا رول ادا کرنے دیجئے۔"

"کیا مطلب....؟"

"یہ لڑکی یقیناً مصیبت زدہ ہے۔" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "غالباً بو

شپ کے زیر سایہ کچھ دن ضرور قیام کرے گی۔ بوڑھا کوئی پر اسرار داستان ضرور دہرائے گا۔ میرے سرکار آخر اتنے پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت تھی۔ صاف صاف کہہ دیا ہوتا کہ اب اصولوں کی گاڑی آگے نہیں بڑھ رہی.... ہاہا.... مانتا ہوں۔"

"بکواس مت کرو.... لیبارٹری سے دواؤں کا بیگ لاؤ۔"

"وہ کسی اور سے منگوا لیجئے۔ میں تو بینڈ والوں کی تلاش میں جا رہا تھا۔"

"حمید میں گھونسہ مار دوں گا۔"

"ابھی نہیں ذرا.... اس قتالہ عالم کو ہوش میں آ جانے دیجئے۔" حمید نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

فریدی نے لڑکی کی نبض دیکھی اور ناک کے سامنے ہاتھ لا کر تنفس کی رفتار کا اندازہ کرتا رہا۔

"اوہ.... یہ ابھی....!" کسی نے اُس کی پشت سے کہا۔

فریدی چونک کر مڑا۔ زخمی بوڑھا دروازے میں کھڑا ہانپ رہا تھا اور دو نوکر اُسے سہارا دیئے ہوئے تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

نوکروں نے اُسے بیٹھنے میں مدد دی۔ مگر اُن کے چہرے سے استعجاب ظاہر ہو رہا تھا۔ کبھی وہ بوڑھے کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی زخمی لڑکی کی طرف۔

"کیا یہ تمہاری لڑکی ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

بوڑھے نے فوراً جواب نہیں دیا۔ اُس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔ آخر اُس نے گلا صاف کر کے آہستہ سے کہا۔ "یہی سمجھ لیجئے۔"

اتنے میں حمید دواؤں کا بکس لے کر واپس آ گیا۔

"یعنی.... یہ تمہاری لڑکی نہیں ہے؟" فریدی نے دواؤں کے بکس کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں.... یہ ایک امانت ہے۔"

حمید معنی خیز انداز میں کھنکار کر اپنی گردن مسلنے لگا۔

"امانت سے تمہاری کیا مراد ہے؟" فریدی نے پوچھا۔ وہ دواؤں کا بکس کھول کر ہائپوڈرمک سرنج منتخب کر رہا تھا۔

"ممکن ہے آپ یقین نہ کریں کہ" بوڑھا کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"فکر نہ کرو۔" حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "میں یقین کرنے کے لئے ابھی زندہ ہوں۔ چالو شروع ہو جاؤ۔"

فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا اور پھر نوکروں سے جھلائی ہوئی آواز میں بولا۔ "بس اب جاؤ۔"

نوکر چپ چاپ چلے گئے۔ مگر اُن کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ وہاں ٹھہرنا چاہتے ہوں۔

"میں ایک ریٹائرڈ فوجی ہوں۔" بوڑھا نحیف آواز میں بولا۔ "میرے آگے پیچھے اور کوئی نہیں۔ ذریعہ معاش یہاں کے اکثر بڑے لوگوں کو شکار کھلانا ہے۔"

"میں بھی بڑا آدمی ہوں۔" حمید جلدی سے بولا۔ "میرے لئے بھی شکار کا بندوبست کردو۔"

"خاموش رہو۔" فریدی بگڑ گیا۔

حمید نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"میں تم سے اس لڑکی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" فریدی نے بوڑھے سے کہا پھر جلدی سے بولا۔ "کیا تم اُن لوگوں سے واقف ہو جنہوں نے فائر کیے تھے؟"

"جی نہیں.... میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھے لیکن آج انہوں نے اس لڑکی کو اٹھالے جانے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا۔"

"تو کیا تم جان بوجھ کر یہاں آئے تھے؟"

"جی ہاں.... دیکھئے میں شروع سے بتاتا ہوں۔ آج سے دو ماہ قبل کی بات ہے مجھے ایک گمنام آدمی کا خط ملا جس نے ایک مخصوص دن ایک مخصوص مقام پر مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ خط بہت ہی کاروباری انداز کا تھا۔ میں اُس سے ملا اور اُس نے ایک خدمت میرے سپرد کر کے اُس کا معاوضہ پانچ ہزار کے نوٹوں کی شکل میں ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ وہ خدمت یہ تھی کہ میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ رکھ کر اُس کی حفاظت کروں۔"

"خوب.... کیا یہ اُس نامعلوم آدمی کی لڑکی ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"مجھے اس کا علم نہیں۔"

"لڑکی کیا کہتی ہے؟"

"میں نے آج تک اس کی آواز ہی نہیں سنی۔" بوڑھے نے کہا اور حمید ہنسنے لگا۔ پھر اُس نے دیوار کو مخاطب کر کے کہا۔ "میں اُلو نہیں ہوں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی اسے کہیں سے اغوا کر کے لایا ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔" حمید دیوار کو گھونسہ دکھا کر بولا۔

فریدی نے اُس کا کوئی نوٹس ہی نہ لیا۔ وہ بوڑھے کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"دیکھئے!" بوڑھے نے کہا۔ "پہلے میں بھی یہی سمجھا تھا مگر جب آپ کا نام درمیان میں لایا گیا۔"

"میرا نام....؟" فریدی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"جی ہاں.... دیکھئے میں شروع سے عرض کرتا ہوں۔"

"تم بہت دیر سے شروع سے عرض کر رہے ہو۔" حمید جلدی سے بولا۔ "جو کچھ رٹا تھا بھول گئے کیا....؟"

"معاف کیجئے گا۔" بوڑھا جھنجھلا کر بولا۔ "اگر یہ گولی آپ کے بازو پر لگی ہوتی تو مزاج پوچھتا۔ ویسے آپ کی عمروں میں میں بھی بہت منچلا تھا۔ بڑھاپا سارے کس بل نکال دیتا ہے۔"

"جاؤ....!" فریدی حمید کو قہر آلود نظروں سے گھور کر بولا۔ "چلے جاؤ۔"

حمید کو بھی غصہ آگیا اور وہ بھنبھناتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

"میرا نام درمیان میں کیسے لایا گیا تھا....؟" فریدی نے پوچھا۔

"اُس نے کہا تھا کہ اگر لڑکی کو کوئی خطرہ درپیش ہو تو اُسے کرنل فریدی کے سپرد کر دینا۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ آدمی کہاں رہتا ہے؟"

"اُس نے یہ سب کچھ نہیں بتایا۔ مجھے مطمئن کر دینے کے لئے آپ کا نام ہی کافی تھا۔ وہ مجھ سے صرف دو ہی بار ملا تھا۔ ایک بار اُس وقت جب اُس نے معاملات طے کئے تھے اور دوسری بار اُس وقت جب لڑکی کو میرے پاس لایا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ خود اُسے بھی کئی طرح کے خطرات گھیرے ہوئے ہیں اس لئے وہ بھی اپنے یا لڑکی کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر میں چھ ماہ تک واپس نہ آؤں تو کوئی تشویش کی بات نہیں۔ صرف خطرے کی صورت میں لڑکی کو آپ کے پاس پہنچا دیا جائے اور جب خطرات حد سے زیادہ بڑھ جائیں تو کسی مناسب آدمی سے اس کی شادی کر دی جائے۔"

"کیا....؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں.... یہ بات میرے لئے بھی حیرت ناک تھی۔"

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے پوچھا۔ "تم رہتے کہاں ہو؟"

"ارجن پورے میں.... نروان بلڈنگ کا گیارہواں فلیٹ۔"

"لڑکی دو ماہ سے تمہارے ساتھ ہے؟"

"جی ہاں۔"

"اور اُس نے کبھی تم سے گفتگو نہیں کی؟"

"جی نہیں.... وہ صرف اشاروں میں گفتگو کرتی ہے۔ میں نے آج تک اُس کی آواز نہیں سنی۔"

"اُس نے تمہارے ساتھ رہنے پر کبھی احتجاج بھی نہیں کیا....؟"

"کبھی نہیں۔"

"اُس آدمی کو تو یاد ہی کرتی ہو گی؟"

"کبھی کبھی اشاروں میں اُس کے متعلق دریافت کرتی ہے۔"

"اچھا! آج حملہ آور کتنے تھے؟"

"دو آدمی تھے۔ مجھے اُن سے باقاعدہ جنگ کرنی پڑی اور میں زخمی ہو گیا۔"

"تم انہیں دوبارہ ملنے پر پہچان سکو گے؟"

"جی نہیں.... انہوں نے اپنے چہرے چھپا رکھے تھے۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر پوچھا۔ "اُس آدمی کا حلیہ بتا سکو گے جس نے لڑکی تمہارے سپرد کی تھی۔"

"جی ہاں! خاصا لحیم شحیم آدمی تھا۔" بوڑھے نے کہا۔ "چہرے پر بھورے رنگ کی داڑھی تھی۔ لباس انگریزی اور ہاں اُس نے دستانے بھی پہن رکھے تھے حالانکہ وہ گرمیوں کے دن تھے دوسری ملاقات کے موقع پر بھی میں نے اُس کے ہاتھوں میں دستانے دیکھے تھے۔"



صفدر اور شیکھر ایک شکستہ حال جیپ سے اُتر کر سڑک کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ بارش تھم چکی تھی لیکن گلیوں سے اب بھی پانی بہنے کی تیز آوازیں آ رہی تھیں۔ قرب و جوار کی عمارتوں کے پرنالے اب بھی چل رہے تھے۔

وہ دونوں سامنے والی عمارت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً اُسی عمارت کی ایک تاریک کھڑکی میں سرخ رنگ کی روشنی دکھائی دی اور پھر غائب ہو گئی۔

وہ دونوں بڑی تیزی سے سڑک پار کر کے عمارت کے قریب پہنچ گئے۔ عمارت پانچ منزلہ تھی اور اُس میں لفٹ بھی لگی ہوئی تھی لیکن انہوں نے لفٹ کی طرف جانے کی بجائے زینوں کا

لیا۔ زینے سنسان پڑے تھے۔

ابھی وہ تیسری ہی منزل کے زینے پر تھے کہ انہوں نے قدموں کی آواز سنی۔ کوئی اوپر سے آ رہا تھا۔ وہ دونوں اس کی پرواہ کیے بغیر زینے طے کرتے رہے اور پھر چوتھی منزل کے زینے موڑ پر انہیں وہی پُراسرار آدمی مل گیا جس سے انہیں ملنا تھا۔

اُس نے اس وقت بھی اپنے ہاتھوں پر دستانے چڑھا رکھے تھے۔

"کیا ہوا....؟" اُس نے ان دونوں کو گھور کر پوچھا۔

"ہوا کیا....؟" شیکھر نے لاپروائی سے کہا۔ "جو کچھ بھی ہوا اُس کی ذمہ داری صرف آپ ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"آپ نے ہمیں یہ نہیں بتایا تھا کہ اُس لڑکی کا باپ کس قسم کا آدمی ہے۔"

"اوہو! اگر اتنی جھنجھٹ کرنی ہوتی تو میں شیکھر اور صفدر کی بجائے کسی معمولی غنڈے کو تا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم جیسے لوگ بھی انگلیاں پکڑ کر چلتے ہیں۔ خیر چھوڑو.... لڑکی ںا ہے۔"

"ہم اُسے نہیں لا سکے۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں؟" گمنام آدمی بپھر گیا۔

"بوڑھا خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے ہمیں تھکا مارا.... اور اب وہ اُس لڑکی ت کرنل فریدی کی حفاظت میں ہے۔"

"کیا بک رہے ہو؟"

"جناب والا....!" شیکھر طنزیہ انداز میں بولا۔ "اگر آپ بڑے تیس مار خاں ہیں تو آپ خود ہی اس کام کو کیوں نہیں نپٹا دیا۔"

"بکواس بند کرو۔ بدتمیز آدمی مجھے پسند نہیں۔ تمہیں اُسے فریدی کے یہاں سے نکالنا ہی ےگا۔"

"سانپ کے منہ میں ہاتھ دے سکتے ہیں۔" صفدر بولا۔ "لیکن ہم اُس سے نہیں بھڑیں گے۔"

"تو پھر تمہارا انجام بھی دردناک ہو گا۔"

"پہلے سارا معاملہ ہمیں سمجھا دیجئے پھر ہم ہاتھ لگائیں گے۔" شیکھر نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے مجھے اپنی قوت دکھانی ہی پڑے گی۔" گمنام آدمی بڑبڑایا۔

"ضرور.... ضرور....!" صفدر طنزیہ انداز میں ہنس کر بولا۔

صفدر کا ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا اور وہ جیب میں پڑا ہوا چاقو کھول چکا تھا۔

گمنام آدمی گفتگو تو شیکھر سے کر رہا تھا لیکن کبھی کبھی کنکھیوں سے صفدر کی طرف دیکھ لیتا۔

"کل رات تک کی مہلت اور دیتا ہوں سمجھے۔" گمنام آدمی نے تیز لہجے میں کہا۔

صفدر نے بڑی پھرتی سے وار کیا۔ لیکن اُس کے ساتھی نے خود اُسی کی چیخ سنی۔ دس بارہ زینے اُس نے آن واحد میں طے کر لیے۔

گم نام آدمی اپنے ہاتھ جھاڑ رہا تھا۔

"اب تم کیا کہتے ہو؟" اُس نے شیکھر سے کہا۔ "کیا تمہیں بھی کچھ چاہئے؟"

شیکھر بت بنا کھڑا رہا۔ اُس کا ساتھی دوسری منزل کے زینوں کے موڑ پر اوندھا پڑا تھا۔

"تم شاید مجھے کوئی گیدڑ قسم کا برا آدمی سمجھتے ہو۔" گمنام نے ہنس کر کہا۔ "میرا شکریہ ادا کرو کہ وہی چاقو خود اُسی کے سینے میں نہیں پیوست ہو گیا۔"

"اچھا ہوا....!" شیکھر ہکلایا۔ "اُسے سزا مل گئی۔"

"اوہو....!" گمنام ہنس پڑا۔ "اب شاید تم اپنا حربہ آزماؤ گے؟"

"نہیں.... آپ غلط....!"

"بکواس مت کرو۔ تم دونوں نے مل کر یہ اسکیم بنائی تھی۔ محض اس لئے کہ میں آ... تمہیں بلیک میل نہ کر سکوں۔ چلو میں اب بھی تمہیں معاف کیے دیتا ہوں لیکن کل رات لڑکی پہنچ جائے۔"

"دیکھئے یہ بہت مشکل کام ہے....!" شیکھر نے کہا۔ وہ بار بار صفدر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔ تمہاری زندگیوں کا دارومدار اسی پر ہے۔"

صفدر کراہ کر اٹھ بیٹھا۔ اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اوپر دیکھنے لگا۔

"اب تم چاقو پھینک کر مارو۔" گمنام نے اُسے مخاطب کیا۔

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ جہاں تھا وہیں چپ چاپ بیٹھا رہا۔

"اچھا آپ ہی کوئی تدبیر بتائیے۔" شیکھر جلدی سے بولا۔ "شاید وہ صفدر کی طرف سے کا دھیان ہٹانا چاہتا تھا۔"

"تدبیر....!" وہ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ "نقب لگاؤ۔"

"قطعی ناممکن ہے۔ درجن بھر کتے رات بھر عمارت کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں۔"

"لڑکی تمہیں لانی ہی پڑے گی۔ وہ تمہاری ہی لاپروائی کی وجہ سے فریدی تک پہنچی ہے۔"

"ہم نے انتہائی کوشش کی تھی۔ آپ کو کس طرح یقین دلایا جائے۔"

"کیا تم اُس بوڑھے کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔"

"اوہ.... میں نے یہی کوشش کی تھی۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ زخمی ضرور ہو گیا ہے اور جناب کس کا گردہ ہے کہ وہ فریدی کے پھاٹک پر کھڑا ہو کر گولیاں چلا سکے۔ فریدی بھی قسمت کا سکندر تھا جو آج میرے ہاتھ سے بچ گیا۔"

"شیخیاں بگھارنے سے کام نہیں چلتا۔ کل لڑکی کو آ جانا چاہئے۔ بس۔" گمنام نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

اور اچانک زینوں کی روشنی گل ہو گئی۔

شیکھر سہم کر دیوار سے چپک گیا۔ روشنی تیس سیکنڈ سے زیادہ نہیں بند رہی.... گمنام آدمی اب وہاں نہیں تھا۔ شیکھر نے صفدر کو اُسی طرح بیٹھے دیکھا۔

شیکھر چپ چاپ نیچے اترنے لگا۔ صفدر کے قریب پہنچ کر اُس نے اُسے اٹھایا۔ اُس کے چہرے کی کھال کئی جگہ سے پھٹ گئی تھی اور وہ مٹھیاں بھینچے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔ "اب میں اُسے کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

بوڑھے کی موت

دوسری صبح حمید کا موڈ بہت اچھا تھا۔ اس کے برخلاف فریدی بہت زیادہ فکر مند نظر آ رہا تھا۔ اُس نے پچھلی رات جاگ کر گذاری تھی۔ بوڑھا بے ہوش لڑکی کو اس کے سپرد کر کے واپس چلا گیا تھا۔ لڑکی رات ہی کو ہوش میں آ گئی تھی لیکن اُس نے فریدی کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

ناشتے کی میز پر وہ اُن کے ساتھ ہی تھی۔ لیکن پہلے ہی کی طرح خاموش.... حمید کافی چہک رہا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُس کی باتیں سمجھی ہی نہ ہو۔

"محترمہ حلوہ لیجئے۔" حمید نے اُس کی طرف پلیٹ بڑھاتے ہوئے کہا۔ اُس نے تھوڑا سا حلوہ اپنی پلیٹ میں نکال لیا لیکن کچھ بولی نہیں۔

حمید نے جیب سے اپنی پالتو چوہیا نکالی اور اُسے میز پر بٹھا دیا۔

"شروع کر دی بے ہودگی۔" فریدی بڑبڑایا۔

حمید اُس کی بات کا جواب دیئے بغیر چوہیا سے بولا۔ ”کیا کھائیں گی آپ۔ اوہ کچھ بولیے بھی مادام۔ آملیٹ پیش کروں یا روٹی کے چورے سے شوق فرمائیے گا۔“

اُس نے ٹوسٹ کا ایک ٹکڑا چوہیا کے آگے ڈال دیا اور وہ اُسے کترنے لگی۔

”آپ.... آہ....!“ حمید پھر چوہیا کی طرف جھک کر بولا۔ ”آپ کو کیا معلوم کہ کسی کے دل پر کیا گزرتی ہے جب آپ کے ننھے ننھے دانت کسی چیز کا چشم پشتا کرتے ہیں۔ چشم پشتا... شاید یہ تمہاری ہی زبان کا کوئی لفظ ہے۔ اگر کوئی اس کے لئے غیاث اللغات کی ورق گردانی کرے تو اُسے میری زبان میں اُلو کہیں گے۔ پتہ نہیں تمہاری زبان میں اُلو کو کیا کہتے ہوں گے۔“

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی لیکن لڑکی بدستور ٹھس بیٹھی رہی۔ وہ چوہیا کو ضرور دیکھ رہی تھی مگر اُسی انداز میں جیسے وہ بھی ناشتے ہی کا ایک حصہ ہو۔ نہ تو اُس کی آنکھوں میں حیرت تھی اور نہ چہرے پر اس قسم کے آثار جن سے یہ ثابت ہوتا کہ وہ حمید کی باتوں میں دلچسپی لے رہی ہے۔

”کیا آپ نے نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہے؟“ اچانک حمید مڑ کر اُس سے بولا۔

لڑکی نے اُسے استفہامیہ انداز میں دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

”بہتر یہی ہے کہ تم اس چکر میں نہ پڑو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”بہت اچھا جناب۔“ حمید نے سعادت مندی کے اظہار میں چہرے پر یتیمی کے آثار پیدا کر لئے۔ پھر وہ پلٹ کر چوہیا سے بولا۔ ”ہم دونوں بہت دور چلے جائیں گے.... اُفق کے پار.... انشاءاللہ.... بلکہ افق کے پار کے اوپر کی طرف۔“

حمید نے لڑکی کی طرف دیکھا جو اب بھی انتہائی سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

اچانک فریدی کے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی اور وہ ناشتہ چھوڑ کر اٹھ گیا۔ لڑکی نے بھی اُس کے ساتھ اٹھنا چاہا مگر فریدی نے اُسے روک دیا۔

حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر چوہیا کی طرف دیکھا اور اُس نے بھی کچھ ایسا انداز اختیار کر لیا تھا جیسے وہ اس لڑکی کے وجود سے قطعی لاعلم ہو۔

لڑکی ناشتہ ختم کر کے کرسی کی پشت سے ٹک گئی تھی اور اُسکی آنکھیں چھت کی طرف تھیں۔

اب یہ لڑکی حمید کے لئے سچ مچ معمہ بننے لگی تھی اور اُسے اپنے دل سے یہ خیال نکالنا پڑ رہا تھا کہ یہ ڈرامہ فریدی کی کچلی ہوئی جنسیت ہی کا کوئی شاہکار ہے۔

اُس نے ایک بار پھر کنکھیوں سے لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ بدستور چھت کی طرف دیکھ رہی تھی۔

حمید نے سیٹیوں میں وہی دھن شروع کر دی جس پر چوہیا ناچا کرتی تھی۔ وہ میز پر تھرکنے لگی۔ ننھے ننھے گھونگھروؤں کی ہلکی سی چھنک بڑی دلآویز معلوم ہو رہی تھی۔ لڑکی نے دزدیدہ نظروں سے چوہیا کی طرف دیکھا اور پھر جلدی سے میز پر جھک پڑی۔ وہ بڑی دلچسپی سے چوہیا کا ناچ دیکھ رہی تھی اور اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ یکایک کمرے کے باہر سے فریدی نے حمید کو آواز دی۔ حمید چوہیا کو میز ہی پر چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

”سنا تم نے....؟“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”بوڑھا مر گیا۔“

”کیا....؟“ حمید چونک کر بولا۔ ”مگر وہ زخم ایسا تو نہیں تھا۔“

”وہ ہسپتال میں مرا ہے۔ پچھلی رات میں نے اُسے کوتوالی بھیجا تھا تاکہ وہ اس واقعے کی رپورٹ درج کرا دے۔ وہاں سے اُسے ہسپتال بھجوا دیا گیا تھا۔“

”حیرت ہے۔ زخم بہت معمولی سا تھا۔“ حمید بولا۔

”اُس زخم کی وجہ سے وہ نہیں مرا۔ بلکہ اُس کا گلا گھونٹا گیا ہے۔“

”ہسپتال میں....؟“

فریدی اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر اُس نے کہا۔ ”جب تک میں واپس نہ آجاؤں تم یہیں ٹھہرنا۔ لڑکی کی حفاظت ضروری ہے اور ہاں دیکھو کوئی بے ہودگی نہ ہو۔“



شیکھر اور صفدر برٹرام روڈ کی ایک عمارت کے کمرے میں بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ اُن کی آنکھیں نیند سے بوجھل نظر آ رہی تھیں۔

”بڑی مصیبت میں پھنس گئے۔“ شیکھر بڑبڑایا۔ ”الٹا ہم رات لڑ لی...“

”پھر وہی بکواس۔“ صفدر جھنجھلا کر بولا۔ ”لڑکی کو ہمارے فرشتے بھی وہاں سے نہیں لا سکتے اور کہیں فریدی بھی ہمارے راستے پر لگ گیا تو جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی۔“

”اور اگر اُس نے وہ تصویر پولیس تک پہنچا دی تو کیا ہو گا؟“

”دیکھو شیکھر.... بہتر طریقہ یہی ہے کہ ہم اُسے ہی ٹھکانے لگانے کی کوشش کریں۔“

”اونہہ....!“ شیکھر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ”کیا پچھلی رات کا واقعہ بھول گئے۔“

”مجھے اچھی طرح یاد ہے لیکن میں ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ دراصل جلد بازی کی وجہ سے مجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔“

”میں کہتا ہوں اس چکر میں نہ پڑو۔ وہ ہم پر بھاری پڑتا ہے۔ سوچو تو اس نے کتنے بڑے بڑے

مجرموں کو ٹھکانے لگایا ہے۔ ہم اُن میں سے کسی کے پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہیں۔

شیکھر کچھ نہ بولا.... وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"مگر یار سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ آخر وہ لڑکی ہے کیا بلا۔ بوڑھا غریب آدمی معلوم ہوتا ہے اور دوسری بات آخر اُس نے فریدی ہی کے گھر کا رخ کیوں کیا تھا... سنو! میں نے پتہ لگایا ہے کہ وہ لڑکی دو ماہ پہلے بوڑھے کے پاس نہیں تھی۔ پڑوسیوں نے لڑ کبھی بولتے نہیں سنا۔"

"معاملہ کچھ گہرا ہی ہے۔" صفدر بڑبڑایا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "بہت زیادہ ہو رہنے کی ضرورت ہے۔ فریدی شکاری کتے کی طرح مجرموں کی بو سونگھتا ہے۔"

"کتوں کی صحبت کا اثر ہے۔" شیکھر نے ہنس کر کہا۔ "کیا بتاؤں... بس وہ کل رات بچ گیا"

"بیٹا اُس کا ستارہ بڑا اچھا ہے۔ بڑے بڑوں کے ہاتھ کانپ جاتے ہیں اُس کے سامنے۔"

"چھوڑو....!" شیکھر برا سا منہ بنا کر بولا۔ "اُس کی موت ریوالور کی گولی ہی لائے گی۔"

"آج اُس شیطان کے بچے سے کیا کہو گے؟" صفدر نے موضوع بدل دیا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔"

"میری سمجھ میں آگیا ہے۔ بس آج رات کو دیکھ لینا۔"

❋

ہسپتال میں ڈی۔ایس۔پی سٹی بھی موجود تھا۔ چونکہ اس معاملے کا تھوڑا بہت تعلق فر سے بھی تھا اس لئے اُس کا موقعہ واردات پر پہنچنا ضروری تھا۔ ورنہ کسی غریب بوڑھے کا قتل چیز نہیں تھا جس کے لئے ڈی۔ایس۔پی سٹی جیسی شخصیتیں تکلیف کرتیں۔

بوڑھا جنرل وارڈ میں رکھا گیا تھا اور وہاں ٹین کے لمبے سے سائبان کے نیچے تقریباً ساٹھ مریض رہتے تھے۔ اُن میں سے کسی نے بھی کوئی غیر معمولی بیان نہیں دیا۔ لیکن ڈاکٹروں کا کہ کہ بوڑھا قدرتی موت نہیں مرا۔ شاید سوتے ہی میں اُس کا گلا گھونٹا گیا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی وغیرہ ایک کمرے میں آ بیٹھے۔ فریدی کسی گہری سوچ میں تھا۔

"اور وہ لڑکی کیا کہتی ہے۔" ڈی۔ایس۔پی نے فریدی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... وہ کسی بات کا جواب نہیں دیتی۔" فریدی بولا۔

"باتوں کا جواب۔" ڈی۔ایس۔پی مسکرایا۔ "مسٹر فریدی! کیا آپ مجھے بہلانے کی کو کر رہے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔" فریدی بھی جواباً مسکرایا۔ "میں جانتا ہوں کہ صرف بچے ہی بہلائے جا سکتے ہیں۔"

"اُس لڑکی کو ہمارے حوالے کر دیجئے۔"

"یہ ناممکن ہے۔"

"کیوں....؟" ڈی۔ایس۔پی کی بھنویں چڑھ گئیں۔

"وہ وہیں رہے گی۔ آپ اُس سے جو کچھ پوچھنا چاہیں پوچھ سکتے ہیں۔"

"مجھے کسی قانونی کاروائی پر مجبور نہ کیجئے۔" ڈی۔ایس۔پی جھنجھلا کر بولا۔

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "کیا آپ علیحدہ چل کر ایک بات سنیں گے؟"

ڈی۔ایس۔پی اٹھ کر اُس کے ساتھ برآمدے میں چلا گیا۔

"مجھے جو کچھ کہنا تھا۔" فریدی بولا۔ "میں نے اُن سب کے سامنے کہنا مناسب نہ سمجھا۔"

ڈی۔ایس۔پی اُسے مستفسرانہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

"عرض یہ کرنا ہے کہ آپ کسی قسم کی کوئی قانونی کاروائی نہیں کر سکتے۔ بوڑھا اُسے میری حفاظت میں دے گیا ہے۔"

"اس کا کوئی ثبوت! کیا لڑکی اس کا اقرار کرے گی؟"

"اگر نہیں کرتی تب بھی! میں بہت اونچی پوزیشن کا آدمی ہوں اور کبھی کبھی قانون کو بھی میرے سامنے اٹکنا پڑتا ہے۔ ویسے آپ میرے بزرگ ہیں۔ میں آپ کا احترام ضرور کروں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں بھی قانون کا اٹکنا دیکھوں گا۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا اور جھلاہٹ میں زور زور سے زمین پر پیر مارتا ہوا اُسی کمرے میں لوٹ آیا جہاں اُس کے ماتحت بیٹھے ہوئے تھے۔ فریدی بھی اُس کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔

ڈی۔ایس۔پی نے ایک سب انسپکٹر کو مخاطب کر کے کہا۔ "تم ان کے ساتھ جا کر لڑکی کا بیان لو۔ میں بہت عدیم الفرصت ہوں۔"

پھر وہ باہر چلا گیا.... وہاں کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش بھی موجود تھا لیکن اُس نے بیان لینے کے لئے اُس سے نہیں کہا۔ شاید اس بناء پر کہ فریدی سے اُس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔

ڈی۔ایس۔پی کے جانے کے بعد کچھ لوگوں نے کھنکار کر اپنے گلے صاف کیے اور جیبوں میں سگریٹوں کے پیکٹ ٹٹولنے لگے۔

"چل رہے ہیں آپ؟" فریدی نے اُس سب انسپکٹر سے کہا۔ "میں بہت عدیم الفرصت ہوں!"

"چلیے جناب۔" انسپکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ "چوٹیں آپ لوگوں میں چلتی ہیں بھگتنا ہمیں پڑتا ہے۔"

"بھئی میں تو ہمیشہ ٹالنے کی کوشش کرتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اچھا آؤ....!"

"کیا مجھے بھی اجازت ہے؟" جگدیش بولا۔

"ارے.... جگدیش۔ تم یہیں تھے.... ضرور.... ضرور.... مگر تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا تھا....؟"

"میں تو اب اس انچارجی سے تنگ آ گیا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد کیڈی لاک فریدی کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ کوٹھی میں پہنچ کر سب انسپکٹر تو ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔ فریدی اور جگدیش اندر چلے گئے۔ انہوں نے ایک کمرے میں حمید کو دیکھا جو دونوں ہاتھوں سے سر تھامے فرش پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ جگدیش اُسے دیکھ کر ہنسنے لگا۔

"کیا ہوا تمہیں؟ لڑکی کہاں ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے وہ اُسے گھورتا رہا پھر اچانک اُس کے منہ سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔ "بوع.... بیاع.... بی.... بیع....!"

ساتھ ہی وہ اچھل اچھل کر اپنا سر بھی پیٹ رہا تھا۔

"کیا بے ہودگی ہے؟" فریدی جھلاہٹ میں اُسے بُری طرح جھنجھوڑ کر بولا۔

"گونگی.... گونگی.... خدا کی قسم گونگی ہے۔" حمید ہانپتا ہوا۔ حلق پھاڑ کر چیخا۔

"اوہ....!" فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔ "لیکن آخر تمہیں پریشانی کیوں ہے؟"

"ہائیں کوئی پریشانی کی بات ہی نہیں۔" حمید جھلاہٹ میں ہاتھ نچا کر بولا۔ "ارے میں اُلو کا پٹھا اُسے اسپنوزا کی فلاسفی سمجھا رہا تھا۔ میں نے اُس سے موجودہ اقتصادی بحران پر بحث کرنی چاہی تھی۔ خدا کی قسم میں اس وقت خود کو بھینس محسوس کر رہا ہوں۔"

جگدیش کے قہقہے رکنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔

"وہ ہے کہاں....؟" فریدی نے پوچھا۔

"ایک کمرے میں گھس کر اندر سے دروازہ بند کر لیا ہے۔"

"کیوں....؟" دفعتاً فریدی کا موڈ بگڑ گیا۔

"کیا آپ کچھ اور سمجھے ہیں؟" حمید جلدی سے بولا۔ "بات دراصل یہ ہوئی کہ میں نے اُسے سانپوں والے کمرے کی سیر کرا دی اور اُسی وقت یہ راز کھلا کہ وہ گونگی ہے۔ چیخ مار کر بلبلاتی ہوئی بھاگی تھی۔"

فریدی پھر ہنس پڑا۔ جگدیش اب سنجیدہ ہو چکا تھا۔ اُس نے فریدی سے کہا۔

"کوتوال صاحب کو اور زیادہ تاؤ آئے گا۔"

"بھئی اب میں کیا کروں اگر وہ گونگی ثابت ہو۔"



رات تاریک تھی اور آسمان میں بارش کے آثار موجود تھے۔ شیکھر اور صفدر برٹرام روڈ پر پیدل چل رہے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموشی سے چلتے رہے پھر شیکھر نے صفدر سے کہا۔

"دیکھو! کافی سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ بوڑھے کا انجام تو تم نے دیکھ لیا۔ اُس کم بخت کے علاوہ اور کون بھرے پُرے ہسپتال میں گھس کر کسی کا گلا گھونٹ سکتا ہے۔"

"تم اتنے ڈرپوک کیوں ہو شیکھر....؟" صفدر منہ بنا کر بولا۔

"یار تم مجھے خواہ مخواہ غصہ نہ دلایا کرو.... سمجھے۔"

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ آج صفدر کی جیب میں ریوالور بھی تھا اور اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ آج اُس خطرناک آدمی کو بچنے کا موقعہ نہ دے گا۔

کچھ دیر بعد اُس نے شیکھر سے کہا۔ "اگر تم نے اپنے حواس بجا رکھے تو وہ آج بچ کر نہیں جا سکتا۔"

"صفدر میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ وہ اناڑی نہیں ہے۔" شیکھر لمبی سانس لے کر بولا۔ "کیا تم اُس کا پچھلی رات والا رویہ بھول گئے؟ اس نے کہا تھا کہ وہ ہمیں اُسی منزل کے ایک کمرے میں ملے گا جس کی کھڑکی میں ہمیں سرخ روشنی دکھائی دے گی لیکن وہ ہمیں کہاں ملا۔ تیسری منزل کے زینوں پر اور روشنی پانچویں منزل کی ایک کھڑکی میں نظر آئی تھی۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ وہ اُس جگہ ہرگز نہ ملے گا جہاں ملنے کا وعدہ کیا ہے۔" شیکھر بولا۔ "ایسی صورت میں تم کیا کر سکو گے۔ کل تو میں اس کی لاپروائی دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا.... تمہیں نیچے پھینک کر وہ مطمئن نظر آ رہا تھا اور کتنی لاپروائی سے تمہیں دوبارہ چاقو پھینک کر مارنے کی دعوت دی تھی.... پھر بولو! ہمت پڑی تھی تمہاری؟"

"تو تم یہ چاہتے ہو کہ میں خاموش رہوں؟" صفدر نے پوچھا۔

"فی الحال ہمیں خاموش ہی رہنا چاہئے۔ مصلحت اسی میں ہے۔"

صفدر کچھ دیر خاموش رہا.... پھر بولا۔ "لیکن آج اُسے کیا جواب دو گے؟"

"دیکھا جائے گا۔"

"ریوالور ہے تمہارے پاس....!" صفدر نے پوچھا۔

"ہاں.... کیوں؟"

"کچھ نہیں یونہی پوچھا تھا۔"

وہ چلتے چلتے ٹمپل روڈ کی ایک گلی میں مڑ گئے۔ پوری گلی میں صرف ایک جگہ دیوار سے لگے ہوئے بریکٹ میں بجلی کا بلب روشن تھا۔ کچھ دور چل کر انہیں اندھیرے سے الجھنا پڑا۔ وہ پھر ایک پتلی سی گلی میں مڑ گئے۔ یہاں چھوٹی چھوٹی بے شمار گلیاں تھیں۔

جس گلی میں وہ اب چل رہے تھے وہاں اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔ اچانک ان دونوں کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُن کی جیبیں ہلکی ہوگئی ہوں۔ دونوں کے منہ سے بیک وقت "ارے" نکلا اور اُن کے ہاتھ جیبوں میں چلے گئے۔ دونوں کے ریوالور غائب تھے۔ وہ بوکھلا کر پلٹے۔

"بس چلتے رہو۔" قریب ہی سے کسی نے نرم آواز میں کہا۔ "تم لوگ کسی دیوتا کی اولاد نہیں ہو کہ میں تم پر اعتماد کرلوں۔"

وہ دونوں اُس کی آواز پہچان گئے۔ چلتے رہنے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا تھا۔ وہ عقب سے انہیں کاشن دیئے جارہا تھا۔ ایک جگہ اُس نے انہیں رکنے کو کہا۔

"داہنے طرف مڑ کر دروازے کو دھکا دو۔"

انہوں نے چپ چاپ تعمیل کی۔ دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا اور وہ اُس کے حکم کے مطابق اندر داخل ہوگئے۔ عقب سے اُن کے سامنے ٹارچ کی روشنی پڑی اور وہ ایک طویل راہداری سے گذرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک آرام دہ کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہاں کافی روشنی تھی اور ایک خطرناک آدمی اُن کے سامنے ٹہل رہا تھا اور اس وقت بھی اُس کے ہاتھوں میں دستانے تھے۔

"اب سنو! میرا پلان۔" وہ رک کر بولا۔ "تم صفدر بالکل ہی احمق آدمی ہو۔ اس لئے میں تمہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہوں۔ شیکھر تم سے زیادہ چالاک ہے اس لئے میں اُسے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کروں گا.... ارے تمہارے چہرے پر تو ہوائیاں اڑنے لگیں۔ راستے سے ہٹانے کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہیں ختم کردوں گا۔ فی الحال تم اس شہر سے کہیں اور چلے جاؤ۔ اخراجات میں برداشت کروں گا.... اور اگر تم کل بارہ بجے کے بعد سے پھر اس شہر میں دکھائی دیئے تو اپنی موت کے خود ذمہ دار ہوگے۔ سمجھے.... میں تمہیں چوہے کے بل سے بھی

نکال کر ختم کردوں گا۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر شیکھر سے بولا۔ "میں تم پر کسی حد تک اعتماد کرسکتا ہوں۔"

شیکھر کچھ نہ بولا۔ وہ اس عجیب وغریب آدمی کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے مسکرا کر شیکھر ہی سے کہا۔ "نروان بلڈنگ میں بوڑھے کے فلیٹ کے برابر والا فلیٹ خالی ہے۔ تم اب اُس میں قیام کروگے.... نہیں.... ابھی اس سلسلے میں کچھ پوچھنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ رہی فلیٹ کی کنجی۔ تم بے دھڑک اس میں رہ سکتے ہو اور میں تمہاری حفاظت کی پوری ذمہ داری لیتا ہوں۔"

حمید کی بوکھلاہٹ

فریدی کافی دیر سے اُس کاغذ کے ٹکڑے کو گھور رہا تھا۔ دو ایک بار اُس نے فون کی طرف بھی ہاتھ بڑھایا تھا مگر پھر کچھ سوچ کر رہ گیا تھا۔

حمید کئی بار اُدھر سے گذرا لیکن اُس نے اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ ورنہ ویسے اس کا دل ضرور چاہتا تھا کہ وہ اُس کاغذ کے ٹکڑے کے متعلق استفسار کرلے۔

آخر کچھ دیر بعد فریدی ہی نے اُسے آواز دی۔

"لڑکی کو یہاں لاؤ۔"

"لڑکی....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ اُس کا نام لیا ہوگا۔"

"ہوگا کچھ.... اُسے یہاں لاؤ۔"

حمید چلا گیا۔ فریدی نے کاغذ کا ٹکڑا کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر ختم ہوتے ہوئے سگار کو ایش ٹرے میں مسلتا ہوا کھڑا ہوگیا۔

لڑکی حمید کے ساتھ آئی ضرور مگر دروازے ہی میں کھڑی رہی۔ فریدی نے اُسے اشارے سے اپنے قریب بلایا۔

"مگر....!" وہ حمید سے بولا۔ "سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ اس سے کچھ پوچھا کس طرح جائے۔"

"کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ....؟" حمید اکڑ کر بولا۔ "اس قسم کے معاملات میں ہمیشہ کیپٹن

حمید کی خدمات حاصل کیجئے۔"

"پتہ نہیں.... یہ اسی شہر کی باشندہ ہے یا کہیں باہر کی۔"

"بس اتنی سی بات۔ دیکھئے ابھی معلوم کرتا ہوں۔ چٹکی بجایئے۔"

حمید نے لڑکی کو اپنی طرف مخاطب کر کے ریلوے انجن کا پوز بنایا اور "چھک چھک" کرتا ہوا کمرے میں دوڑنے لگا۔ لڑکی پہلے تو اُسے سنجیدگی سے دیکھتی رہی پھر بے ساختہ ہنس پڑی۔ پھر حمید نے رک کر اشارے سے پوچھنا چاہا کہ وہ اسی شہر میں رہتی ہے یا اس طرح ٹرین میں بیٹھ کر کہیں باہر سے آئی ہے۔"

شاید وہ اس کا مطلب سمجھ ہی نہ سکی تھی۔ اُس نے حیرت سے استفہامیہ اشارہ کیا۔

"ارررر... بھائی صاحب۔ نہیں سمجھے۔" حمید نے اپنے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "اچھا پھر سمجھو۔"

اس بار اس نے ریلوے انجن کی نقل اتارنے کے سلسلے میں اتنا غل غپاڑہ مچایا کہ فریدی کو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنی پڑیں۔

"بس حمید صاحب بس۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اب اگر اس کے بعد آپ نے ہوائی جہاز بننے کی کوشش فرمائی تو میں اپنے کتوں کو کسی طرح قابو میں نہ رکھ سکوں گا۔"

حمید رک کر ہانپنے لگا۔ پھر اُس نے لڑکی سے کہا۔ "تمہیں شرم نہیں آتی۔ کھڑی ہنس رہی ہو۔ اتنی محنت پر تو ریل کا انجن بھی فارسی بولنے لگتا۔"

"بہت مشکل ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "اس کے لئے مجھے دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اچھا اب اسے جانے دو۔"

حمید نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کو کہا۔ مگر لڑکی نے انکار کر دیا۔ پتہ نہیں کیوں وہ اُن کے ساتھ ہی ساتھ رہنے پر مصر نظر آ رہی تھی۔

"حمید صاحب.... یہ اگر اسی شہر کی ہوتی تو ان عجیب و غریب حالات میں رہنا پسند نہ کرتی۔ کوئی مجبوری ہی تھی جس نے اُسے دو ماہ تک ایک اجنبی بوڑھے کے پاس روکے رکھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی نے تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "اچھا اور اگر یہ اسی شہر کی باشندہ ہونے کے باوجود بھی ہمیں اپنے گھر تک نہیں لے جانا چاہتی تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی پوزیشن سے اچھی طرح واقف ہے۔"

"میں نہیں سمجھا....!" حمید بولا۔

"فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔ تشریح بعد میں ہو جائیگی۔ میرا ذہن ایک نئے راستے پر چل نکلا ہے۔"

"اور خدا نے چاہا تو اب میرا دماغ چل نکلے گا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا پھر آہستہ سے بولا۔ "آخر اس عجیب و غریب واقعے کی خبر اخبارات میں کیوں نہیں آئی؟"

"میں نے مناسب نہیں سمجھا۔"

"اگر مناسب سمجھئے تو مجھے ایک ماہ کی چھٹی دلوا دیجئے۔"

"حمید بکواس مت کرو۔ میں تمہاری شادی کے امکانات پر غور کر رہا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"شادی اب کیا ہو گی۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"میری بات سنو۔ بوڑھے نے کیا کہا تھا؟ جب خطرات حد سے بڑھ جائیں تو اس لڑکی کی کسی سے شادی کر دی جائے۔"

حمید بوکھلا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ فریدی کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

"یہ نہیں ہو سکتا.... ہرگز نہیں۔" حمید ہکلایا۔

"کتنے گدھے ہو تم...." فریدی اُسے چمکار کر بولا۔ "تم ایک حسن پرست ہو.... اور یہ لڑکی لاکھوں میں ایک ہے۔"

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں؟"

"میں بالکل ہوش میں ہوں.... یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔"

"دیکھئے میں اس قسم کا مذاق پسند نہیں کرتا۔"

"میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"آپ خود ہی کیوں نہیں کر لیتے۔ آپ کے لئے ایسی ہی مناسب ہے جو کچھ بول نہ سکے۔"

"خیر میں تو شادی نہ کرنے کا عہد ہی کر چکا ہوں۔"

"تو میں بھی اسی وقت بصدق دل شادی نہ کرنے کا عہد کرتا ہوں۔ بلکہ اپنے آباؤ اجداد کی شادیاں بھی کینسل کرتا ہوں۔"

"مسخرہ پن سے کام نہیں چلے گا۔ شادی تمہیں کرنی ہی پڑے گی۔"

حمید پر پھر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑا.... اور لڑکی کو یہ سمجھانے کے لئے کہ وہ ایک آوارہ آدمی ہے اُس نے عجیب قسم کی حرکتیں شروع کر دیں۔ پتلون کے پائینچے موڑ کر گھٹنوں تک چڑھائے اور بال بکھرا کر گانے لگا۔ "آوارہ ہوں.... آوارہ ہوں۔"

پھر اشارے سے بتایا کہ میں شرابی بھی ہوں۔ اس کے لئے اُس نے روشنائی کی بوتل اٹھائی

اور گلاس میں تھوڑی سی روشنائی انڈیلی اور بوکھلاہٹ میں ایک گھونٹ بھی لے لیا۔ پھر خیال آتے ہی کلی جو کی ہے تو کمرے کا قالین برباد ہو کر رہ گیا۔ لڑکی بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

"کیا بے ہودگی ہے۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

"گولی مار دیجئے نا۔ ضروری نہیں کہ میں آپ کی ہر بات مان ہی لوں۔ آپ مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔"

حمید جھنجھناتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔ اُس کے پیچھے پیچھے لڑکی بھی نکلی۔ قدموں کی آواز سن کر حمید پلٹ پڑا۔

"ہائیں! ارے بابا تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔ کیا سچ مچ میری گردن ہی کٹوادو گی۔"

لڑکی ہنستی رہی۔ پھر اُس نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اُسے غسل خانے کی طرف کھینچنا شروع کر دیا اور وہاں پہنچ کر اشارے سے بتایا کہ اُسے اپنا منہ صاف کرنا چاہئے۔ حمید بوکھلاہٹ میں یہ بھول ہی گیا تھا کہ اُس نے روشنائی کا گھونٹ لیا تھا۔ لڑکی کے یاد دلانے پر اُس کی زبان پر روشنائی کی تلخی جاگ اٹھی اور وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے پائپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جب وہ اپنا منہ صاف کر چکا تو لڑکی نے اشارے سے پوچھا کہ کیا اُس کا کوئی اسکریو ڈھیلا ہے۔

"بھاگ جاؤ۔" حمید جھلاہٹ میں اُسے مکا دکھا کر بولا۔

اُسے سچ مچ بڑی پریشانی تھی۔ فریدی کے انداز سے صاف یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس نے جو کچھ کہا ہے کر گزرے گا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی وقتی مصلحت ہو.... مگر اُس کی زندگی تو اجیرن ہو ہی جائے گی۔ اُس کی جان پہچان والی لڑکیاں اُس سے بدکنے لگیں گی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے اُسے پھر آواز دی اور لڑکی پھر اُس کے پیچھے لگ گئی۔ شاید اُسے بھی حمید کو تنگ کرنے میں مزہ آ رہا تھا۔

فریدی نے لڑکی کو واپس جانے کا اشارہ کیا اور وہ چپ چاپ واپس چلی گئی۔ نہ جانے کیوں فریدی کی ہر بات مان لیتی تھی۔

"دیکھئے آپ مجھے کسی طرح بھی اس پر آمادہ نہیں کر سکتے۔" حمید نے کہا۔

"اونہہ ختم کرو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ ذرا اسے دیکھنا۔"

فریدی نے کوٹ کی اندرونی جیب سے کاغذ کا وہی ٹکڑا نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا جس میں وہ بڑی دیر تک الجھا رہا تھا۔

حمید نے اُسے پڑھ کر فریدی کی طرف دیکھا۔

"یہ مجھے بوڑھے کے فلیٹ میں ملا تھا۔" فریدی نے کہا اور حمید کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے۔

"کیا وہ بوڑھا اس قسم کا آدمی تھا کہ کسی کو بلیک میل کر سکے۔" حمید بولا۔

"یہ تو کسی ایسے آدمی کا خط معلوم ہوتا ہے جسے بلیک میل کیا جا رہا ہو۔ مگر اوہ.... یہ تو کسی عورت کا خط ہے۔"

"ہاں کسی ایسی عورت کا خط جس سے کسی بڑی رقم کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ تمہارا بلیک میلنگ کا نظریہ درست معلوم ہوتا ہے۔ اب سوال یہی ہے کہ کیا وہ بوڑھا کسی عورت کو بلیک میل کر رہا تھا مگر اُس کے جاننے والے حلقوں میں کسی نے بھی اُس کے متعلق کوئی بُری رپورٹ نہیں دی۔"

"ذرا ٹھہریئے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اُس رات والے حادثے کے بعد سے بوڑھے کو اپنے فلیٹ تک جانے کا موقعہ نہ ملا ہوگا۔"

"تمہارا خیال ٹھیک ہے.... لیکن کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"ہو سکتا ہے کہ یہ پرچہ حملہ آوروں میں سے کسی کی جیب سے گرا ہو۔"

"یہ خیال کیسے پیدا ہوا؟"

"پرچے کی حالت۔ غالباً یہ کہیں کسی کونے میں مڑا تڑا ملا ہوگا۔" حمید بولا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ "تمہارے خیال کی تائید میں ایک بات اور بھی کہی جا سکتی ہے۔ خط کا انداز بتاتا ہے کہ عورت سے پہلے بھی کئی بڑی رقمیں وصول کی جا چکی ہیں۔ مگر بوڑھے کی حالت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اُس نے کبھی خوش حالی کی زندگی بسر کی ہو۔ اُسے پانچ ہزار جو اُس پُر اسرار آدمی سے ملے تھے اُن کا پس ماندہ بھی پولیس نے برآمد کر لیا ہے۔ مجموعی رقم چار ہزار سات سو تھی۔ یعنی پچھلے دو ماہ میں بوڑھے نے صرف تین سو روپے خرچ کیے اور بقیہ کو احتیاط سے رکھے رہا۔ اس سے بھی اُس کی نیک نیتی پر روشنی پڑتی ہے.... دوسری بات اگر وہ عادی قسم کا بلیک میلر ہوتا تو نہ صرف اُس کے دیئے ہوئے پانچ ہزار ہضم کر لیتا بلکہ لڑکی کے دشمنوں سے بھی ساز باز کیے بغیر نہ رہتا.... نہ وہ اپنے بازو پر گولی کھاتا اور نہ اُسے ہسپتال میں بے بسی کی موت مرنا پڑتا۔"

"ہاں.... مگر یہ سارا گورکھ دھندا ہے کیا بلا؟"

"کچھ بھی ہو.... ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ واقعات کی نوعیت ذرا افسانوی قسم کی ہے۔ اس لئے ہم کہیں بھی ٹھوکر کھا سکتے ہیں۔"

"تو کیا اب یہ گونگی مستقل طور پر ہمارے ساتھ رہے گی۔"

فریدی جواب دینے کی بجائے بے اختیار مسکرا پڑا۔ اُس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"تم اُس سے خائف کیوں ہو؟"

"اُس سے نہیں! آپ مجھے پر ہول معلوم ہونے لگے ہیں بلکہ ابو الہول کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ آپ سراغ رسانی کی دھن میں سب کچھ کر گذرتے ہیں۔"

"خیر فی الحال میں اس مسئلے میں نہیں الجھنا چاہتا۔ میں نے تمہیں دراصل اس لئے بلایا تھا کہ تم خط لکھنے والی عورت کی شخصیت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرو۔"

"کیا آپ مجھے جادوگر سمجھتے ہیں؟"

"کیوں....؟"

"ارے جناب! اگر لکھنے والی کا نام بھی اس پر ہوتا تو میں....!"

"تب کیا خاص بات ہوتی؟" فریدی نے اُسے جملہ نہ پورا کرنے دیا۔

"میرا دعویٰ ہے کہ تم اس عورت کو بہت قریب سے جانتے ہو۔"

"بظاہر اس کاغذ میں مجھے کوئی ایسا سراغ نہیں ملتا جو آپ کی رہنمائی کر سکے۔"

"تب تم اندھے ہو۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اور تمہارے لئے گونگی ہی مناسب رہے گی۔ کیا تمہیں اس کاغذ پر اتنا موٹا سا مونوگرام نہیں دکھائی دیتا؟"

"جی ہاں! دیکھ رہا ہوں۔ جی۔ سی۔ ایم ہے۔ مگر آپ اس سے کیا نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں؟"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "ذرا میرا سگار کا ڈبہ اٹھاؤ۔"

حمید نے ہاتھ بڑھا کر ڈبہ اٹھالیا۔

"ذرا اس کا مونوگرام دیکھو اور یہ واضح رہے کہ یہی مونوگرام ان کا ٹریڈ مارک بھی ہے۔ یعنی اسے گولڈن سگار مینو فیکچررز کے علاوہ اور کوئی نہیں استعمال کر سکتا.... کیا سمجھے۔"

"ہاں ہے تو.... دونوں مونوگرام ایک ہی ڈائی کے نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔"

"اب ذرا اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دو۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جی۔ سی۔ ایم والوں ہی سے تعلق رکھنے والی کوئی عورت۔"

"ہاں! اگر ہمیں ان میں سے کوئی ایسی عورت نظر آجائے تو اُسے دیکھنا ہی پڑے گا۔"

"میں سمجھ گیا.... آپ کا اشارہ غالباً جی۔ سی۔ ایم کے جنرل منیجر کی بیوی کی طرف ہے۔"

"دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ تم اُسے بہت قریب سے جانتے ہو۔"

"مگر سرکار والا.... اس کاغذ کو جی۔ سی۔ ایم کے عملہ سے تعلق رکھنے والی کوئی دوسری عورت بھی تو استعمال کر سکتی ہے؟"

"کر سکتی ہے.... لیکن ہمیں اُن میں بھی ایسی عورت تلاش کرنی پڑے گی جو کسی بڑی رقم کا مطالبہ برداشت کرنے کی اہل ہو اور ساتھ ہی ساتھ اُس کا ماضی ایسا رہا ہو کہ اُسے بلیک میل کیا جا سکے۔ شاہینہ میں تم یہ دونوں خصوصیات پاؤ گے۔ کیا ایک زمانے میں وہ تم سے رومان بازی نہیں لڑ رہی تھی؟"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "اگر واقعی یہ تحریر شاہینہ ہی کی ہے تو میں اس سے سب کچھ اگلوالوں گا۔"

"ہاں فرزند.... میں یہی چاہتا ہوں۔"

"اچھا تو فکر نہ کیجئے.... وہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں قریب قریب روز ہی نظر آتی ہے۔ آج مجھے دن بھر کی کوفت بھی کم کرنی ہے۔"



صفدر صبح ہی صبح باہر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن اُس نے یہ سب کچھ بڑی بے دلی سے کیا تھا۔ وہ ہرگز اس پر تیار نہ ہوتا مگر شیکھر نے اُس کی زندگی تلخ کر دی تھی۔

"شیکھر میں تمہاری ناعاقبت اندیشیوں سے تنگ آگیا ہوں۔" وہ جھلائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیوں اپنی زندگی کے پیچھے پڑے ہو۔ وہ انتہائی خطرناک آدمی ہے۔" شیکھر بولا۔

"میں بزدل نہیں ہوں شیکھر لیکن مجھے اُس قسم کا پاس ہے جو ہم نے ایک دوسرے کا پابند رہنے کے لئے کھائی تھی۔ ورنہ مجھے اس شہر سے کسی رستم کا باپ بھی نہیں ہٹا سکتا تھا۔"

"چلو یہی سہی۔ میں اسے بزدلی نہیں بلکہ حکمت عملی سمجھتا ہوں۔" شیکھر بولا۔

صفدر کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اُس نے کہا۔ "مگر دیکھو بیٹے۔ اُس سے ہوشیار ہی رہنا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ہمیں کسی بڑی مصیبت میں پھنسانے والا ہے۔ ایسی مصیبت میں جس سے جدائی ہی بہتر ثابت ہوگی۔"

"فکر نہ کرو۔" شیکھر نے کہا۔ "میں بھی سمجھتا ہوں اور تمہاری عدم موجودگی میں تمہاری تدبیر کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کروں گا۔"

"یعنی....؟"

"موقعہ ملتے ہی اُس کم بخت کو ٹھکانے لگانا۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن آخر وہ مجھے یہاں سے نکال دینے پر کیوں تلا ہوا ہے؟"

"احتیاطاً.... لیکن تمہیں جلد باز اور بیوقوف سمجھتا ہے۔ اُسے ڈر ہے کہ کہیں تم پولیس تک نہ جا پہنچو۔"

صفدر شیکھر سے رخصت ہونے کے بعد سیدھا اسٹیشن پہنچا۔ ٹرین آنے میں ابھی ایک گ کی دیر تھی۔ وہ فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں بیٹھ کر ٹرین کا انتظار کرنے لگا۔ گم نام آدمی سے اُ کافی رقم مل گئی تھی کہ وہ کچھ دن رئیسانہ ٹھاٹ سے زندگی بسر کر سکتا تھا۔

اُسے یہاں آئے پندرہ ہی منٹ گذرے تھے کہ ایک قلی نے اُسے ایک لفافہ لا کر دیا۔ صف پہلے تو چونکا لیکن پھر اُسے اُس خطرناک آدمی کا خیال آ گیا۔ اُس نے بڑی تیزی سے لفافہ چاک اور خط پڑھنے لگا۔ انگریزی حروف میں تھوڑی سی عبارت ٹائپ کی ہوئی تھی۔

"صفدر!

اب تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اپنی اسکیم بدل دی ہے۔ اس کی فکر نہ کہ تم فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لے چکے ہو۔ اُسے واپس کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ مجھے تمہار بات پسند آئی ہے کہ تم نے پچھلی رات صفائی نہیں پیش کی اور نہ میری خوشامد ہی کی۔ میں تم دلیروں کی قدر کرتا ہوں۔"

صفدر نے خط ختم کر کے بہت بُرا سا منہ بنایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر شیکھر کے ساتھ تھا۔

"یہ بہت اچھا ہوا پیارے۔" شیکھر اُس سے کہہ رہا تھا۔ "تمہارے بغیر مجھے یہ دنیا جہنم م ہوتی.... مگر آخر اُس نے اپنا ارادہ کیوں تبدیل کر دیا۔"

"اُسے جھونکو جہنم میں.... مجھے اُس لڑکی کی فکر ہے۔ آخر اُس میں کون سے ایسے سر کے پر لگے ہوئے ہیں جس کے لئے اتنے پاپڑ بیلے جا رہے ہیں۔"

"سوچنے کی بات ہے۔" شیکھر بولا۔ "تمہاری واپسی سے پہلے ہی مجھے اس کی اسکیم کی ت کا علم ہو گیا تھا۔"

"کس طرح....؟" صفدر چونک کر بولا۔

"اُس نے مجھے بھی خط لکھا ہے۔"

"لکھا ہے.... یا ٹائپ کیا ہے؟"

"وہی مطلب! ٹائپ ہی ہے۔"

"لومڑی کی طرح چالاک ہے.... بھلا اپنی تحریر کیوں دینے لگا۔"

"اسکیم بدلنے کی اطلاع کے ساتھ ہی اُس نے آج رات کے پروگرام کے متعلق بھی لکھا ہے۔"

"کیسا پروگرام؟"

"بتاتا ہوں.... لیکن تم وعدہ کرو کہ تمہیں اُس میں شرکت سے انکار نہیں ہوگا۔"

"آخر معلوم بھی تو ہو۔ ویسے جہاں تم وہاں میں۔ خواہ وہ جہنم ہی کیوں نہ ہو۔"

"ہمیں فریدی کی کوٹھی میں گھسنا ہوگا۔"

"پھر وہی حماقت۔" صفدر بگڑ گیا۔

"سنو تو سہی! ہمارے ساتھ وہ خود بھی ہوگا۔"

پھر وہی دستانے

شام ہوتے ہی حمید ہائی سرکل نائٹ کلب پہنچ گیا۔ شاہینہ ابھی تک نہیں آئی تھی لیکن حمید کو توقع تھی کہ وہ آئے گی ضرور۔ شاہینہ گولڈن سگار مینوفیکچررز کے جنرل منیجر کی بیوی تھی۔ انتہائی حسین اور سوسائٹی کی جان تھی۔ اُس کا ماضی خواہ کچھ رہا ہو لیکن اب خصوصاً جنسی معاملات میں صرف اپنے شوہر کی پابند تھی۔ رہ گئی مردوں سے دوستی تو اُسے بہت زیادہ ترقی یافتہ طبقے میں بُری نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔

حمید سے اُس کی پرانی دوستی تھی۔ حالانکہ وہ دونوں عرصہ سے ملے نہیں تھے۔ مگر پھر بھی حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ دوسروں کا ساتھ چھوڑ کر اُس سے مل بیٹھنا زیادہ پسند کرے گی۔ حمید جیسے جانِ محفل قسم کے لوگوں کے لئے کسی قسم کی رکاوٹ کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ اُس کی شناسا عورتیں اُسے ہر حال میں پسند کرتی تھیں۔ وجہ یہ تھی کہ وہ انہیں خواہ مخواہ بور نہیں کرتا تھا۔ نہ اُس نے آج تک کسی سے شادی کی درخواست کی تھی اور نہ وہ "اظہار محبت" جیسی لچر حرکت کا قائل تھا۔

نو بجے کے قریب شاہینہ آ گئی۔ وہ تنہا ہی تھی۔ ہال میں داخل ہو کر اُس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ اُس کے کئی شناسا اپنی جگہوں سے اٹھے۔ حمید چپ چاپ بیٹھا رہا۔ وہ اپنی میز پر تنہا تھا۔ حمید اُسے کنکھیوں سے دیکھتا رہا۔ اتفاق سے وہ اُس کے قریب ہی کی ایک میز پر آ بیٹھی۔ اُس کے مختلف شناسا مختلف میزوں سے اٹھے تھے غالباً اسی لئے شاہینہ نے ایک خالی میز کا انتخاب

کیا تھا۔

بیٹھتے ہی اُس کی نظر حمید پڑی اور حمید نے بہت ہی مودبانہ انداز میں جھک کر اُسے سلام کیا۔

"ہیلو....!" شاہینہ اپنی باریک سی آواز میں چیخی اور اٹھ کر حمید کے پاس آ بیٹھی۔

"جب سے تمہیں کیپٹن کا اعزاز ملا ہے تم بہت مغرور ہو گئے ہو۔" اُس نے کہا۔

"مگر سننے تو محترمہ....!" حمید بڑی سنجیدگی سے بولا۔ "اس وقت مجھے جو اعزاز نصیب ہوا ہے جلد بازی کی صورت میں اُسے کھونا پڑتا ابھی ابھی دوسروں کا بھی انجام دیکھ چکا ہوں۔"

"بڑے چالاک ہو۔" شاہینہ مسکرا کر بولی۔ "ان لوگوں سے تو میں تنگ آ گئی ہوں۔ خواہ مخواہ بور کرتے ہیں۔ اس وقت یہ کہہ کر جان بچائی ہے کہ مجھے کچھ لڑکیوں کا انتظار ہے اور سناؤ تم آج کل کیا کر رہے ہو؟"

"شادی کی فکر کر رہا ہوں۔"

"جھک مار رہے ہو۔" شاہینہ مسکرا کر بولی۔

"جھک مارنا تو ہے ہی۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس سلسلے میں سینکڑوں نجومیوں کو ہاتھ دکھائے جب اُن پر سے اعتماد اٹھ گیا تو خود ہی علم نجوم کا مطالعہ شروع کر دیا۔ لہٰذا اب یہ عالم ہے کہ میں اپنی پچھلی سات پشتوں کی شادیوں کا بھی پتہ لگا سکتا ہوں۔"

شاہینہ ہنسنے لگی۔

"تم مذاق سمجھتی ہو۔ اچھا آزما کر دیکھ لو۔ اگر کچھ غلط بتاؤں تو اسی میز پر مرغا بنا دینا۔"

"تم بھی بور کرو گے شاید....!"

"دیکھو تاؤ نہ دلاؤ مجھے۔" حمید اپنی جیب سے ایک سادے کاغذ کا ٹکڑا اور فاؤنٹین پن نکال کر اُس کے سامنے پٹختا ہوا بولا۔ "لکھو....!"

"کیا لکھوں؟"

"تاریخ پیدائش اور والدین کے نام....!"

"اُس سے کیا ہو گا؟"

"ابھی کچھ کہہ دوں گا تو چیختا کر اٹھ جاؤ گی۔" حمید جھلا کر بولا۔

"آخر کچھ بتاؤ بھی تو کیپٹن مکی ماؤس.... لٹل ڈیئر۔" اُس نے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

"دیکھو! آج کل میرا موڈ بہت خراب رہتا ہے اور میں کسی کی بھی مروت نہیں کرتا۔"

"اچھا تو اب تمہارا موڈ بھی خراب رہنے لگا ہے؟"

"میں کہہ رہا ہوں مجھے چڑاؤ مت....!"

"مگر ڈیئرم! تاریخ پیدائش کس لئے؟"

"اگر کوئی پامسٹ تاریخ پیدائش یا عمر کے بغیر کچھ بتائے تو وہ اُلو کا پٹھا ہے۔"

"مگر والدین کا نام....؟"

"میں نجوم اور پامسٹری دونوں کو ساتھ لے کر چلتا ہوں۔ ایک دائیں جیب میں اور دوسری جیب میں۔"

شاہینہ فاؤنٹین پن اٹھا کر ہنستی ہوئی لکھنے لگی۔

حمید کاغذ ہاتھ میں لئے کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔

"اچھا تو میں ذرا غسل خانے میں ہو لوں.... تاکہ اطمینان سے....!"

"واقعی آج کل سنکے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔" شاہینہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں مسکرائی۔

حمید وہاں سے اٹھ کر غسل خانے میں آیا اور جیب سے فریدی کا دیا ہوا خط نکال کر اُس سے کی تحریر ملانے لگا۔

اُسے مایوسی نہیں ہوئی اور وہ فریدی کے ذہن رسا کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ دونوں یں سو فیصدی ایک ہی ہاتھ کی تھیں۔

وہ سنکیوں کے سے انداز میں غسل خانے سے واپس آ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحے بیٹھا تاریخ پیدائش کاغذ سے پنکھا جھلتا رہا۔ پھر چونک کر شاہینہ سے بولا۔ "بایاں ہاتھ لاؤ۔"

شاہینہ نے بایاں ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "واقعی تم بور ہو گئے ہو۔"

"تو اس وقت تمہاری عمر پچیس سال ہے۔" حمید بڑبڑایا اور فاؤنٹین پن اٹھا کر اُس کی عمر کی پر کچھ نشانات لگائے۔ چند لمحے پیشانی پر شکنیں ڈالے اُس کی ہتھیلی پر نظریں جمائے رہا پھر "آج کل تمہارا ماضی تمہارے لئے تکلیف دہ ہو رہا ہے۔"

"کیا مطلب....؟" شاہینہ نے چونک کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

حمید خلا میں گھورتا ہوا سنکیوں کی طرح بڑبڑاتا رہا۔ "ماضی کی بدولت مالی نقصان کا پتہ چلتا تم آج کل بہت زیادہ پریشان ہو۔ ماضی کا اثر حال پر پڑنے کا اندیشہ ہے... ذرا ہاتھ پھر دینا۔"

اس نے بدستور خلا میں گھورتے ہوئے شاہینہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ پھر چونک کر اُس کے ے پر نظر جمادی۔

"کیوں.... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" اُس نے آہستہ سے پوچھا۔ "میں نے بالکل ٹھیک کہا

ہے۔ تمہارے چہرے پر پریشانی کے آثار ہیں۔"

"تم نے سچ مچ بور کر دیا۔" شاہینہ جلدی جلدی سانس لیتی ہوئی بولی۔ "میں بڑے اچ
میں تھی۔"

"کیا اس موجودہ پریشانی سے نجات حاصل کرنے کو دل نہیں چاہتا؟" حمید نے نر
میں پوچھا۔

وہ آنکھیں پھاڑ کر حمید کو گھورنے لگی۔

"آخر تمہارے دل میں کیا ہے؟" اُس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر آہستہ سے پوچھا۔

"تمہیں آج کل کوئی بلیک میل کر رہا ہے ننھی بچی!"

شاہینہ گھبرا کر اپنی ہتھیلی کی طرف دیکھنے لگی۔ بالکل اُسی انداز میں جیسے ہتھیلی کی لکیروں کو مٹا دینے کا ارادہ رکھتی ہو۔

"کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

شاہینہ تھوک نگل کر رہ گئی پھر سر جھکا لیا۔

"کیا تم حمید پر اعتماد نہیں کرتیں... ایسے معاملات میں وہ مر جانے کی حد تک سنجیدہ ہو جاتا

"یہاں سے کہیں اور چلو۔" وہ اُسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے بولی اور اب وہ اس
گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی جیسے اُس کے جسم کا کوئی حصہ کھل گیا

"کہاں چلو گی؟"

"کہیں بھی.... جہاں بھیڑ بھاڑ نہ ہو۔"

"کافے کاسینو کا کوئی کیبن ہی مناسب ہوگا۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

وہ دونوں وہاں سے اٹھ گئے۔ شاہینہ کے شناساؤں میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ لیکن
نے کسی طرف دیکھا تک نہیں۔

حمید نے ایک ٹیکسی کی اور وہ کافے کاسینو کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمید اُس کی پھولتی سانسیں محسوس کر رہا تھا لیکن اُس نے اُسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی

"میں سچ مچ بہت پریشان ہوں.... بہت زیادہ.... لیکن تم سے بھی خوف معلوم ہوتا۔

"کیوں.... مجھ سے خوف کی وجہ؟"

"کیونکہ تم سرکاری آدمی ہو.... ڈر ہے کہیں بات کا بتنگڑ نہ بن جائے۔"

"کیا تم مجھے اتنا احمق سمجھتی ہو۔ اگر تمہارا کوئی کام ہے تو میں اُسے نجی طور پر کردوں

بھی عجیب اتفاق ہے ورنہ شاید ہم پچھلے چھ ماہ سے نہیں ملے۔"

"کیا ہاتھ کی لکیریں اتنی سچی باتیں بتا سکتی ہیں؟"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "نجوم اور پامسٹری کو گڈمڈ کر کے میں ہمیشہ صحیح نتائج اخذ کرتا ہوں۔"

شاہینہ کچھ نہیں بولی۔ دونوں نے بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے کیا۔

کافے کاسینو میں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ وہ ایک الگ تھلگ فیملی کیبن میں جا بیٹھے۔

"واقعی مجھے بلیک میل کیا جا رہا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "اور میں اب تک پندرہ ہزار روپے بھگت چکی ہوں۔ یہ سلسلہ کہاں ختم ہوگا.... خدا ہی جانے۔"

"بلیک میلنگ کی وجہ؟" حمید نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"وجہ بھی بتانی پڑے گی۔" شاہینہ جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"اگر ضرورت سمجھو تو بتادو.... ورنہ میں مجبور نہیں کروں گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"بات زیادہ اہم نہیں ہے.... لیکن.... میں نہیں چاہتی کہ میرے شوہر کے دل میں میری طرف سے ذرا سی بھی خلش پیدا ہو۔ میں اُسے بے حد پسند کرتی ہوں۔ وہ عورتوں کے معاملے میں بالکل بچہ ہے۔ بالکل بچہ.... میں اُس سے بے تحاشہ محبت کرتی ہوں۔ وہ میرے متعلق ذرا ذرا سی باتیں جاننا چاہتا ہے۔ شکی مزاج کا ہے۔ مگر جنسی معاملات میں اُس نے مجھے پوری پوری آزادی دے رکھی ہے مگر وہ پھر بھی میری طرف سے مشکوک رہتا ہے۔ مجھ پر اعتماد کرتا بھی ہے اور نہیں بھی کرتا۔ ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے ہیں۔ اگر وہ ہمیں اس طرح دیکھ لے تو اُسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا.... لیکن اگر میں تمہارے برابر بیٹھ جاؤں تو وہ بُری طرح بے چین نظر آنے لگے گا اور اُس وقت تک اُس کا اضطراب کم نہیں ہوگا جب تک کہ میں اٹھ نہ جاؤں۔"

"بہت بُری عادت ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اچھی ہو یا بُری۔ مجھے پسند ہے.... مجھے اُس کی یہ عادت کسی ایسے بچے کی عادت معلوم ہوتی ہے جس نے اپنی ماں کی گود میں کسی دوسرے کا بچہ دیکھ لیا ہو۔"

"اوہ خطرناک مرض! تم ماماوالے کومپلکس کا شکار ہو۔"

"ختم کرو۔" وہ ہاتھ جھٹک کر بولی۔ "میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ وہ میری ٹوہ میں رہتا ہے۔ اب اگر ایسی صورت میں اُس کی نظروں سے کوئی ایسی تصویر گذر جائے جس میں میرا بازو ایک

دوسرے مرد کے بازو میں ہو تو اُس کا کیا حال ہوگا.... حالانکہ یہ واقعہ شادی سے بہت پہلے ہے.... لیکن اُسے بہت دکھ پہنچے گا۔ میں اُس سے ابھی تک یہی کہتی رہی ہوں کہ میری زندگی میں اُس کے علاوہ اور کوئی نہیں داخل ہوا۔ اور یہ حقیقت بھی ہے لیکن وہ کسی دوسرے کے ساتھ میری تصویر ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔"

"تو کیا تمہیں وہی بلیک میل کر رہا ہے جس کے ساتھ تمہاری تصویر ہے؟"

"نہیں وہ بے چارہ تو کبھی کا مر کھپ گیا۔ وہ پائلٹ تھا.... ایک ہوائی حادثے میں اُس کا خاتمہ ہو گیا تھا۔"

"بڑی بے دردی سے اُس کا تذکرہ کر رہی ہو؟"

"اُس نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ میں اُسے سچ مچ چاہتی تھی۔"

"چاہنے سے تو میں تنگ آگیا ہوں۔ خیر.... تو پھر تمہیں کون بلیک میل کر رہا ہے؟"

"میں اُس کی شخصیت سے ناواقف ہوں۔ ابھی حال ہی میں اُس نے پھر دس ہزار کا مطالبہ کیا ہے لیکن میں کہاں تک ادا کرتی رہوں۔ مجھے اپنے شوہر پر رحم آتا ہے۔"

"تو وہ تمہارے سامنے آیا ہی نہیں۔"

"آیا تھا.... لیکن اُس نے اپنا نام نہیں بتایا۔ انتہائی پُراسرار آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"حلیہ تو بتا سکو گی.... یا وہ بھی نہیں؟"

"ایک مولوی قسم کا انگریز۔ میں نے کسی داڑھی والے کو اتنا اسمارٹ نہیں دیکھا۔ بے شکن لباس۔ کالر دودھ کی طرح بے داغ۔ پتلون کی کریز تلوار کی دھار کی طرح اور شاید اُسے دستانے پہننے کا خبط ہے۔"

"دستانے....!" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔



دس ہی بجے سے بوندا باندی شروع ہو گئی تھی اور آسمان کا رنگ بتا رہا تھا کہ کسی وقت بھی تیز قسم کی بارش ہو سکتی ہے۔

شیکھر اور صفدر سیاہ سوٹوں میں ملبوس سڑک کے کنارے کھڑے شاید کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اُن کے ہاتھوں پر برساتیاں بھی تھیں۔

"کسی طرح اس چکر سے نکلنا ہی چاہئے۔" صفدر بڑبڑایا۔

"یار تمہاری جلد بازی سے میں تنگ آگیا ہوں۔"

"یاد رکھو شیکھر.... اسے لکھ لو! وہ ہمیں کسی زبردست جال میں پھانس رہا ہے۔ وہ ایک بہت اشاطر ہونے کے باوجود بھی ہمیں کیوں اس آگ میں دھکیل رہا ہے۔ لڑکی کا اغواء ایک بہت ہی معمولی بات تھی۔ وہ ہمارے پیچھے عرصہ سے لگا رہا ہوگا۔ ورنہ اُس کے پاس اُس موقعہ کی تصویر ہاں سے آئی اور ہم نے تو اُسے ریوالور دکھا کر صرف اُس کی رقم چھینی تھی اور پھر تیسرے دن نبارات میں ہمیں اُس کی لاش کی تصویر دکھائی دی۔ میرا دعویٰ ہے کہ اُسے اسی حرام زادے نے تل کیا ہے۔ اُس موقعہ کی تصویر وہ پہلے ہی لے چکا ہوگا۔ اس کے بعد اُسے قتل کر کے ہماری ردنیں دبوچ لیں۔ ظاہر ہے اب ہم بالکل اُس کی مٹھی میں ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں...." شیکھر بولا۔

"اس کے باوجود بھی تم آنکھیں بند کر کے اُس کے اشاروں پر ناچ رہے ہو۔"

"یار میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں۔"

"میں سمجھ چکا ہوں....!" صفدر بولا۔ "ہمارے سروں پر موت منڈلا رہی ہے۔"

"دیکھا جائے گا۔" شیکھر جھلا کر بولا۔ "کیا اس مصیبت کے ہم ذمہ دار ہیں۔ یہ بلا تو آسمان سے نازل ہوئی ہے۔"

"خیر....!" صفدر خاموش ہو گیا۔

بوندیں رک گئیں تھیں۔ لیکن بادل اب بھی گرج رہے تھے۔

شاید دس ہی منٹ بعد سیاہ رنگ کی ایک لمبی سی کار اُن کے قریب آ کر رک گئی اور اس میں سے ایک چھوٹا سا لڑکا اُترا جس کے جسم سے چیتھڑے جھول رہے تھے۔ اُس نے اُن کی طرف ایک لفافہ بڑھایا اور بھاگتا ہوا قریب ہی کی ایک گلی میں گھس گیا۔

شیکھر نے بڑی بے صبری سے لفافہ چاک کیا۔

"پھر وہی ٹائپ کیا ہوا خط۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور خط پڑھنے لگا۔

"تم دونوں مجھے وہیں ملو.... یا میں راستے ہی میں کہیں مل جاؤں گا.... اسی کار پر بیٹھ جاؤ۔"

خط اُس نے صفدر کی طرف بڑھا دیا۔ صفدر خط پڑھ کر ہنس پڑا۔ لیکن اُس کی ہنسی بڑی زہریلی تھی۔

"کیا خیال ہے؟" اُس نے شیکھر سے پوچھا۔ لہجے میں طنز تھا۔

"چلو بیٹھو! وہ بھی ہم سے خائف ہی ہے۔ جانتا ہے کہ موقع ملتے ہی ہم اُس کی گردن ناپ دیں گے۔"

دونوں کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اُن کے بیٹھتے ہی کار بھی چل پڑی۔ ایسا معلوم ہو رہا جیسے ڈرائیور کو پہلے ہی سے ہدایات دے دی گئی ہوں۔ انہوں نے دو ایک بار ڈرائیور کو مخاطب کرنا چاہا لیکن ناکام رہے۔ اُس کا چہرہ تاریکی میں تھا اور اگر کہیں سامنے سے روشنی پڑتی بھی تھی تو پیچھے کی طرف جھک جاتا تھا۔

اُن دونوں نے محسوس کیا کہ وہ شہر کی روشن سڑکوں سے گذرنے سے گریز کر رہا ہے اور پھر وہ کار بالکل ہی شہر کے باہر نکل آئی۔ دونوں خاموشی سے بیٹھے رہے۔

کچھ دور چلنے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کار اب بھی شہر کی طرف مڑ رہی ہے ڈرائیور غالباً ویران علاقوں سے گذر کر شہر کے کسی مخصوص حصے میں پہنچنا چاہتا تھا۔

صفدر اور شیکھر خاموش تھے۔ صفدر نے دو ایک بار کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن شیکھر نے اُسے روک دیا۔

اچانک ایک جگہ کار رک گئی اور ڈرائیور نیچے اُتر گیا۔

"اُترو.....!" اُس نے کہا اور اُس کی آواز سن کر وہ دونوں اچھل پڑے کیونکہ آواز اُس گمنام آدمی کے علاوہ اور کسی کی نہیں تھی۔

وہ دونوں چپ چاپ اُتر آئے۔ لیکن پھر صفدر خاموش نہ رہ سکا۔

"آخر.... اس طرح....!"

"فکر نہ کرو.....!" اُس نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "ہر آدمی کا طریق کار الگ ہوتا ہے۔"

"اب بھی آپ ہم لوگوں پر اعتماد نہیں کر سکتے؟" شیکھر نے احتجاجاً کہا۔

"اوہ.... کیوں نہیں۔ اس سے بدگمانی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے تم دونوں کی حفاظت کا بھی خیال ہے۔ اچھا دیکھو! فریدی کی کوٹھی سے صرف ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہیں۔ یعنی ہم کوٹھی کی پشت پر ہیں۔ پہلے ہمیں ایک چہار دیواری سے گذرنا پڑے گا جس کے اندر باغات.... کا سلسلہ ہے اور کوٹھی وسط میں واقع ہے۔ کوٹھی تک پہنچنے کے لئے چہار دیواری سے تقریباً ایک فرلانگ کا راستہ طے کرنا پڑے گا۔"

دونوں چپ چاپ اُس کے ساتھ چل پڑے۔ یہاں چاروں طرف تاریکی کی حکمرانی تھی۔

"بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔" گمنام آدمی بولا۔ "وہاں صرف کتوں ہی سے مڈبھیڑ کا اندیشہ ہے۔ خیر اس کا انتظام میں نے کر لیا ہے۔"

"کیا انتظام کر لیا ہے؟" شیکھر نے پوچھا۔

"وہ سب تمہیں سوتے اور اونگھتے ہوئے ملیں گے۔ میں نے انہیں ایک نشہ آور دوا دلوا دی ہے۔"

وہ پھر خاموشی سے راستہ طے کرنے لگے۔

چہار دیواری کے نیچے پہنچ کر وہ رک گئے۔ تھوڑی دیر تک اُن میں سرگوشیاں ہوتی رہیں۔ گمنام آدمی نے ایک پتلی سی ڈوری کا لچھا نکال کر ایک درخت کی شاخ کی طرف اچھال دیا۔ شاخ میں پھندا پڑ گیا۔ اُس نے رسی کو کھینچ کر پھندے کی مضبوطی کا اندازہ لگایا اور پھر صفدر رسی پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا لیکن اُس نے جیسے ہی دیوار کے اوپر پہنچ کر پیر ٹکائے اندر سے ایک فائر ہوا۔ اس کے بعد اُس کے ساتھیوں نے نہ صرف اُس کی چیخ سنی بلکہ اُسے دوسری طرف گرتے بھی دیکھا۔

"بھاگو..!" گمنام آدمی نے شیکھر کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا.... اور وہ تاریکی میں دوڑتے چلے گئے۔

دو شکار

فریدی شام کو کہیں جانے کے لئے تیار ہوا ہی تھا کہ اُسے نوکروں سے ایک اطلاع ملی۔ انہوں نے بتایا کہ سارے کتے شام کا راتب کھانے کے بعد سے اونگھ رہے ہیں۔

اگر حالات دوسرے نہ ہوتے تو فریدی شاید اُس کے متعلق کچھ سوچنا بھی پسند نہ کرتا۔ لیکن اُس نے کتوں کی حالت ابتر پائی۔ راتب کے بچے کھچے میں سے اُس نے کچھ اپنی تجربہ گاہ میں پہنچوا دیا اور پھر اُس کا تجزیہ کرنے کے بعد اُس نے اندازہ لگایا کہ وہ شام ایسی نہیں جسے گھر سے باہر گزارا جائے۔

نہ تو اُس نے نوکروں سے باز پرس کی اور نہ کسی قسم کی تشویش کا اظہار کیا۔ ایک نوکر کے استفسار پر اُس نے جواب دیا۔ "راتب تو ٹھیک ہی تھا۔ شاید یہ موسم کا اثر ہے۔ ٹھیک ہو جائیں گے۔"

لیکن یہ فریدی کے نوکر تھے۔ اُن کی تشفی نہ ہوئی۔ اُن میں سے ہر ایک اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔

"فکر نہ کرو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اگر کچھ ہے بھی تو میں اس کا ڈھنڈورا نہیں پیٹنا چاہتا اور تم مطمئن رہو۔ مجھے تم سب پر اعتماد ہے یہ حرکت میرے کسی آدمی کی نہیں۔ خیر ویسے یہ کیا راتب کا گوشت دھویا بھی جاتا ہے؟"

"نہیں سرکار....!" باورچی بولا۔ "وہ تو آپ ہی نے منع کر دیا تھا۔"

"ٹھیک.... جو کچھ تھا گوشت ہی میں تھا۔"

نوکر وقتی طور پر مطمئن ہو کر اپنے کاموں میں لگ گئے اور فریدی بھی بظاہر بے فکر نظر آ لگا۔ لیکن اُس نے باہر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

حمید اس واقعے سے پہلے ہی جا چکا تھا۔ اُسے اس بات کا علم نہیں تھا۔ لہٰذا جب وہ گیارہ کے قریب شاہینہ سے مل کر واپس آیا تو کمپاؤنڈ میں قدم رکھتے ہی اُسے کچھ عجیب سا احساس ہو پھاٹک ہی پر رک گیا۔ آخر کیا بات ہے؟ وہ سوچنے لگا۔ عجیب قسم کا سناٹا تھا۔ پھر اچانک اُسے آیا کہ آج رکھوالی کرنے والے السیشن کتے غرائے تک نہیں۔

سامنے برآمدے کا بلب روشن تھا۔ وہ بہت تیز چلتا ہوا پورچ تک آیا۔ یہاں ایک نوکر سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا شاگرد پیشے کی طرف جا رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے اُسے روک کر پوچھا۔

"صاحب کچھ گڑبڑ ہے۔ صاحب اُدھر پیچھے ہیں۔"

"لڑکی کہاں ہے؟" حمید نے بے ساختہ پوچھا۔

"صاحب نے اُسے کمرے میں بند کر دیا ہے۔ کتے سو رہے ہیں۔"

"کتوں کو میں نے کب پوچھا تھا بے۔" حمید نے اُس کی گردن پکڑ لی۔ وہ سمجھا شاید وہ اُ مذاق اڑانے کی کوشش کر رہا ہے۔

"ارے سرکار.... خدا کی قسم اُن میں کچھ گھٹالا ہو گیا ہے۔"

"اوہ....!" حمید گردن چھوڑتا ہوا بولا۔ "وہ اُدھر اکیلے ہی ہیں؟"

"جی ہاں....!"

معاملہ کچھ کچھ حمید کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ وہ تیزی سے اندر گیا اور پھر اپنا ریوالور لے بھی کوٹھی کی پشت کی طرف چل پڑا۔ اُدھر تاریکی کا راج تھا۔ ایسی حالت میں یہ ضروری نہ کہ وہ فریدی تک پہنچ ہی جاتا۔ معلوم نہیں وہ کہاں رہا ہو۔

حمید جیسے ہی عمارت کی پشت پر پہنچا اُس نے ایک فائر کی آواز سنی ساتھ ہی کسی کی چیخ میں لہرا کر رہ گئی اور پھر شاید وہ کسی وزنی چیز کے بلندی کی گرنے کی آواز تھی۔

کوئی دوڑ رہا تھا۔ حمید بھی آواز کی طرف جھپٹا۔

آخری سرے پر چہار دیواری کے نیچے اُسے ایک دھندلا سا انسانی سایہ دکھائی دیا۔ اُس ریوالور کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور اُس نے بھی دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

"کون ہے؟" فریدی کی جھلائی ہوئی آواز فضا میں گونج کر رہ گئی۔

"مم.... میں ہوں....!" حمید کے حلق سے پھنسی ہوئی آواز نکلی۔

فریدی جھپٹ کر اُس کے قریب آیا اور اُس کا کالر پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ "تم نے فائر کیوں کیا؟"

"میں۔ نے....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "نہیں خدا کی قسم.... ہرگز نہیں۔"

فریدی نے اُس کا ریوالور چھین کر اُس کی نال سونگھی اور پھر اُسے واپس کرتا ہوا بولا۔ "پھر کس نے فائر کیا۔ اچھا تم وہیں اس کے پاس ٹھہرو۔ میں ابھی آیا۔" فریدی اُس کے ہاتھ میں ٹارچ دے کر بھاگتا ہوا کوٹھی کی طرف چلا گیا۔

حمید دیوار کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ ٹارچ روشن کی۔ اُس کے سامنے ایک سیاہ پوش آدمی پیٹ کے بل زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اُس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ شاید وہ کہنیاں ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمید اُسے سہارا دینے کے لئے جھکا ہی تھا کہ اُسے فریدی کی آواز سنائی دی۔

"ٹھہرو....!" وہ اُس کے قریب پہنچ گیا۔

پھر جیسے ہی اُس نے زخمی آدمی کو سیدھا کیا۔ حمید کے منہ سے ہلکی سی تحیر زدہ آواز نکلی۔

"ارے یہ تو صفدر ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

فریدی اُس پر جھکا ہوا تھا۔ چند لمحے بعد اُس نے کہا۔ "گولی ران میں لگی ہے۔"

"لیکن فائر کس نے کیا؟ میرا دعویٰ ہے کہ فائر اندر ہی سے ہوا ہے۔ آواز رائفل کی تھی۔" فریدی بولا۔

"لیکن یہ تھا کہاں....؟"

فریدی نے دیوار کے اوپری حصے کی طرف انگلی اٹھائی۔

ٹارچ کی روشنی میں حمید کو ایک پتلی سی ڈور دکھائی دی جو ایک درخت کی شاخ سے الجھی ہوئی دیوار کی دوسری جانب جھول رہی تھی۔

"رشید اور سلیمان کو بلاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد صفدر کوٹھی میں ایک صوفے پر پڑا کراہ رہا تھا۔ فریدی اور حمید کے ساتھ وہاں گونگی لڑکی بھی موجود تھی۔

فریدی نے اشارے سے پوچھا کہ کیا وہ صفدر کو پہچانتی ہے۔ لڑکی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"صفدر....!" فریدی نے صفدر کو مخاطب کیا۔ "بہتر یہی ہے کہ تم پولیس کے آنے سے

قبل مجھے بیان دے دو۔ اتنا تو میں جانتا ہوں کہ تم نے خود سے کبھی یہاں آنے کی جرأت نہ کی ہوگی۔"

"میں بتا دوں گا۔" صفدر کراہا۔ "میں بتاتا ہوں.... وہ کمینہ.... مکار....!"

"کیا اس لڑکی کو اغوا کرنے والوں کے ساتھ تم بھی تھے؟"

"تھا....!" صفدر زور سے کراہا۔

"اور کون تھا تمہارے ساتھ....؟"

"شیکھر....!"

"کیا یہ تم نے کسی دوسرے کے کہنے سے کیا تھا....؟"

"اُف.... ہاں.... وہ سور کا بچہ۔"

"کون....!"

"میں نہیں جانتا.... اُس نے اپنا نام آج تک نہیں بتایا۔ ذرا.... ٹھہریئے.... پانی.... آہ۔"

اُس کے لئے فوراً پانی لایا گیا۔ اتنی دیر میں وہ نوکر بھی واپس آ گئے جنہیں فریدی نے کوٹھی کا کونا کونا چھان مارنے کا حکم دیا تھا.... اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک رائفل تھی۔

"صاحب یہ چھت پر ملی ہے۔!" اُس نے فریدی سے کہا۔

"کیا.... یہ تو میری ہی ہے۔" فریدی اُسے اس کے ہاتھ سے لیتا ہوا بولا۔ پھر وہ اُس کی نال سونگھ کر حمید سے مخاطب ہوا۔ "تھوڑی ہی دیر قبل یہ چلائی گئی ہے۔ ذرا تم.... دیکھو....!" حمید نوکروں کے ساتھ باہر چلا گیا۔

صفدر انتہائی تکلیف کے عالم میں ہونے کے باوجود بھی انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں تم ابھی کسی آدمی کا تذکرہ کر رہے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا آپ نے اُس لڑکی سے.... اُف.... نہیں پوچھا.... کہ یہ سب.... کیا.... ہو رہا ہے؟"

"یہ لڑکی گونگی ہے۔" فریدی بولا۔

"گونگی....!" صفدر تقریباً چیخ پڑا۔ پھر اس طرح بڑبڑانے لگا۔ جیسے خود سے مخاطب ہو۔ "آخر.... وہ اسے کیوں.... اغواء کرنا چاہتا ہے۔"

"تم نے ابھی تک اُس آدمی کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" فریدی نے اُسے ٹوکا۔

صفدر نے سسکیوں اور کراہوں کے درمیان میں اٹک اٹک کر اُس پُر اسرار آدمی کی داستان دہرا دی جس نے اُسے اور اُسکے ساتھی کو بلیک میل کر کے پھانس لیا تھا۔ فریدی غور سے سنتا رہا۔ جب صفدر خاموش ہوا تو اُس نے پوچھا۔ "تو کیا سچ مچ تم دونوں نے اُس آدمی کو مار ڈالا تھا....؟"

ہرگز نہیں.... ہم نے ریوالور دکھا کر صرف اُس کے روپے چھینے تھے۔ پھر دوسرے یا دن ہم نے اخبارات میں اُس کی لاش کی تصویر دیکھی۔ میرا دعویٰ ہے کہ اُس مردود نے یں بلیک میل کرنے کے لئے اُس آدمی کو مار ڈالا۔"

ہو سکتا ہے۔ مگر کیا میں اس داستان پر واقعی یقین کر لوں؟"

یئے.... میں اُس آدمی کے چکر میں پھنسنے پر پھانسی کو ترجیح دینا پسند کروں گا۔ لیکن ے.... آپ لوگوں کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ مجھ پر آپ میں سے کسی نے گولی لائی۔

ہاں.... یہ حقیقت ہے۔" فریدی نے کہا۔

آہ.... تب تو یہ اُسی.... نطفہ حرام کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ اب ہم سے پیچھا چھڑانا ہے.... ہمیں یہاں لا کر اس لئے قتل کرنا چاہتا تھا کہ.... آہ.... اُف.... اب میری قوت ت جواب دے رہی ہے.... پولیس کب آئے گی؟"

"بس آ رہی ہو گی.... لیکن.... تم کیا کہنا چاہتے تھے۔ وہ تمہیں یہاں لا کر....!"

"جی ہاں.... تاکہ آپ اسے صفدر اور شیکھر کی حرکت سمجھ کر کوئی اہمیت نہ دیں۔ مگر میں ل کہ یہ کوئی بہت گہرا راز ہے آخر وہ ایک گونگی لڑکی کے لئے اتنا روپیہ پانی کی طرح کیوں بہا ہے۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے کہا۔ "کیا تم مجھے اُس آدمی کا حلیہ بھی نہ بتا سکو گے؟"

"اوہ حلیہ....!" صفدر کراہا۔ "حلیہ عجیب ہے۔ شکل ملاؤں جیسی اور لباس انگریزی۔ داڑھی ے رنگ کی۔ آنکھوں پر سیاہ شیشوں کی عینک لگاتا ہے اور ہاں سب سے زیادہ عجیب بات یہ کہ ڑی گرمی میں بھی میں نے ابھی تک اُسے دستانوں کے بغیر نہیں دیکھا۔"

"کس کے بغیر....؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"دستانے.... دستانے.... وہ آج کل بھی دستانے پہنتا ہے۔"

فریدی نے ایک گہری سانس لی اور گونگی لڑکی کی طرف دیکھنے لگا جو صفدر کے زخم پر نظر ے گڑی تھی۔

"مگر سنو تو....!" فریدی نے کچھ دیر بعد صفدر سے کہا۔ "وہ آدمی تو تمہارے ساتھ تھا.... ہاں سے گولی کس نے چلائی ہو گی۔"

"اُس کے لئے کیا مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے آپ ہی کے کسی آدمی کو پھانس لیا ہو۔

بلیک میلر تو ہے ہی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "اچھا صفدر میں یقین کیے لیتا ہوں۔ لیکن میں پولیس کو جو کچھ بھی بیان دوں تم اُس کی تردید نہ کرنا۔ رپورٹ میں یہ ہوگا کہ میں نے ہی تم پر گولی چلائی تھی اور تم یہ بیان دو گے کہ تم یہاں چور نیت سے آئے تھے۔ سمجھ گئے.... اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو تمہارے ساتھی شیکھر کی لازمی ہو جائے گی۔"

"میں سمجھ گیا.... آپ جو کچھ کہیں میں کرنے کو تیار ہوں۔ موت اور جیل خانے میں و آسمان کا فرق ہے۔ اپنے جرائم کا اعتراف کرنے کے بعد میں پھانسی کا مستحق نہیں قرار دیا جا لیکن اُس خطرناک آدمی سے اشتراک کرنا موت کو دعوت دینا ہے۔"

ابھی گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ انسپکٹر جگدیش ایک سب انسپکٹر اور تین چار کانسٹیبلوں ساتھ آ گیا۔

صفدر کا بیان وہی تھا جو اُسے چند منٹ پیشتر فریدی نے بتایا تھا اور فریدی نے بھی یہی بیا کہ میں نے اُسے اپنا کوئی دشمن سمجھ کر فائر کر دیا تھا۔

بیانات ختم ہو جانے کے بعد جگدیش نے صفدر کو اٹھوا کر ایک ایمبولینس کار میں ڈلوا کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں کھڑی تھی۔

حمید نے عمارت اور کمپاؤنڈ کا چپہ چپہ چھان مارا مگر کوئی ایسا سراغ نہ ملا جس سے گولی چا والی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔

وہ تھکا ہارا واپس آ گیا۔ کمرے میں فریدی اور گونگی لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی اور فریدی ٹہل رہا تھا۔

"حیرت ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ "جہاں رائفل پڑی پائی گئی تھی وہاں بھی کسی قسم کے نشا نہیں ملے۔"

"ہوں....!" فریدی رک کر اُسے گھورنے لگا۔ اُس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور آ سرخ تھیں۔ حمید بوکھلا گیا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی مسکرا کر بولا۔ "فکر نہ کرو کبھی کبھی بھی ہوتا ہے۔"

"یہ محترمہ یہیں سو گئیں۔" حمید نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"حمید صاحب! یا تو یہ لڑکی پکی فراڈ ہے یا پھر.... بہر حال دوسری صورت میں ہمیں

نہ سمجھنا چاہئے۔"

"کیوں....؟"

"میں نے دلیر سے دلیر عورتوں کو بھی کشت و خون کے موقعوں پر کانپتے دیکھا ہے۔ مگر اس کے چہرے پر ذرہ برابر بھی تغیر نہیں دکھائی دیا۔"

"ہوگا....!" حمید لاپروائی سے بولا۔ "مجھے تو یہ پاگل بھی معلوم ہوتی ہے۔ ہاں صفدر نے کیا یا؟"

"سن کر تمہارے سر کے بال کھڑے ہو جائیں گے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"یعنی....؟"

"اُسے ایک ایسے آدمی نے اس کام پر لگایا تھا جو گرمیوں میں بھی دستانے پہنتا ہے۔"

"اور داڑھی....؟" حمید بے ساختہ بولا۔

"جناب.... داڑھی بدستور....!"

"اچھا تو اب دوسری خبر کے لئے بھی تیار ہو جایئے۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیا....؟"

"شاہینہ کو حقیقتاً بلیک میل کیا جا رہا ہے۔" حمید نے کہا اور واقعات دہرا دیئے۔ وہ اپنی تدبیر کا داد طلب انداز میں کر رہا تھا۔

"میرے ہی شاگرد ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اب آگے سنیئے۔"

"کیا سناؤ گے؟" فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔ "یہی نا کہ اُسے بلیک میل کرنے والا بھی ں میں دستانے پہنتا ہے اور داڑھی بدستور....!"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"محض قیاس....!"

❁

شیکھر بے تحاشہ بھاگ رہا تھا۔ اُس کے پُراسرار ساتھی نے اُسے کچھ سمجھنے بوجھنے کی مہلت دی تھی۔ بس وہ اُس کا ہاتھ تھامے ہوئے بے تحاشہ دوڑ رہا تھا۔

ار کے قریب پہنچ کر اُس نے شیکھر کو اندر دھکیل دیا اور خود بھی اچھل کر بیٹھتے ہوئے کار ٹ کر دی۔ جب شیکھر کو کچھ ہوش آیا تو اُسے اُس کی اس حرکت پر غصہ آنے لگا۔

"یہ تم نے کیا کیا؟"

"پھر کیا کرتا.... کیا تم بھی مرنا چاہتے تھے؟"

"تم عجیب آدمی ہو۔" شیکھر جھلا گیا۔

ہاں.... ہوں تو عجیب ہی۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ وہ مر ہی گیا ہو۔"

"فریدی کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ تم لوگوں نے اُس رات اُس پر فائر کر کے اچھا نہیں کیا تھا
شیکھر کا خون کھول رہا تھا۔

"تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمہارا یہی برتاؤ ہوتا ہے؟"

"مجبوری میرے دوست....!"

"تم تو بہت بہادر بنتے تھے۔"

"لیکن بہادری اور حماقت میں بڑا فرق ہے۔ بہادر صرف وہ ہے جو شیر کی طرح بہادر
لومڑی کی طرح چالاک ہو۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن اس وقت میں نے اپنا داہنا ہاتھ کھو دیا۔ تم میرے بھائی کو مو
کے منہ میں جھونک آئے.... اس لئے....!"

شیکھر نے جیب سے ریوالور نکال کر اُس کے پہلو سے لگا دیا۔

"خوب....!" گمنام آدمی ہنس پڑا۔ "شاباش دبا دو ٹریگر....!"

شیکھر نے ٹریگر دبا دیا.... اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اُس کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پ
چھوٹ پڑا۔ ریوالور خالی تھا۔

"چلو رکھ لو جیب میں.... میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ تمہیں بھرا ہوا ریوالور لے کر ا
ساتھ چلنے دوں۔"

شیکھر چند لمحے خاموش رہا پھر یکایک اُس پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا.... اُس نے گمنام آدمی
گردن دبوچ لی۔

کار ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ رکی.... اور پھر.... سڑک کے نیچے اُتر کر ایک درخ
سے جا ٹکرائی۔

شیکھر اور وہ دونوں بیک وقت چیخے.... اور پھر دوسرے لمحے میں گمنام آدمی کار کے با
تھا۔ حالانکہ شیکھر بھی زخمی ہو گیا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح باہر نکل ہی آیا۔ اُس پر خون سوار ہو

تھا۔ اُس نے پھر گمنام آدمی پر چھلانگ لگائی.... لیکن شیکھر کا ستارہ ہی گردش میں آ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس کی بے جان لاش زمین پر پڑی تھی اور گمنام آدمی اُس کے قریب ہی کھڑا
ہانپ رہا تھا۔

اُس نے شیکھر کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ چند لمحے وہ اسی طرح کھڑا رہا پھر شیکھر کی لاش اٹھا کر کار
میں ڈال دی۔

تھوڑی ہی دیر بعد کار کی ٹنکی ایک زبردست دھماکے کے ساتھ پھٹی اور اُس سے لپٹیں
اٹھنے لگیں.... مگر وہ پُراسرار آدمی اب وہاں نہیں تھا۔

دوسری صبح حمید دن چڑھے تک سوتا رہا۔ پچھلی رات شاید تین یا چار بجے وہ سویا تھا۔ قریب
قریب ساری رات بھاگ دوڑ میں گذر گئی تھی۔ صفدر کے بیان کی تصدیق کرنے کے لئے اُس
مکان پر بھی چھاپہ مارا گیا تھا جہاں پُراسرار آدمی نے صفدر کو شہر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔

وہاں چھاپہ تو مارا گیا لیکن جس کی تلاش تھی وہ نہ ملا نہ وہاں کوئی ایسی چیز ہی ملی جس سے اُس
کی شخصیت پر روشنی پڑتی۔ مالک مکان سے استفسار پر معلوم ہوا کہ دو ماہ قبل وہ مکان کرایہ پر
مکانات دینے والے ایک ایجنٹ کے سپرد کیا گیا تھا۔

پھر ایجنٹ نے ایک نئی بات بتائی۔ اُس کے بیان کے مطابق وہ مکان ایک برقعہ پوش خاتون
نے کرائے پر حاصل کیا تھا.... ایجنٹ کے کاغذات میں اُس کا نام مسز ارشاد تحریر تھا۔ ایجنٹ
عورت کا حلیہ نہ بتا سکا کیونکہ وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے تھی۔ اُس نے ایک سال کا پیشگی
کرایہ ادا کر کے وہ مکان حاصل کیا تھا۔

یہاں پہنچ کر تفتیش کی گاڑی ٹھپ ہو گئی۔ مکان کسی عورت کے قبضے میں تھا۔ لیکن وہاں
کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے یہ پتہ چلتا کہ یہاں کبھی کوئی عورت بھی رہی ہو گی۔

حمید اس تفتیش میں شریک تھا۔ فریدی نہیں آیا تھا۔ انسپکٹر جگدیش نے تو فریدی ہی کو لے
جانا تھا مگر وہ شاید لڑکی کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

بہرحال حمید بُری طرح تھک جانے کے بعد سویا تھا۔

نو بجے کے قریب خود بخود اُس کی نیند ٹوٹ گئی۔ دھوپ آنکھوں پر گراں گزر رہی تھی۔ اُس
نے پھر سونے کی کوشش کی لیکن نہ سو سکا۔

کمرے سے نکلا ہی تھا کہ ایک نوکر نے اُسے ایک حیرت انگیز خبر سنائی۔ لڑکی غائب تھی۔
حمید بوکھلا کر فریدی کے کمرے کی طرف بھاگا۔

لیکن فریدی کو اُس نے جس حال میں دیکھا وہ نوکر پر غصہ دلانے کے لئے کافی تھا۔ فریدی شاید آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا اور اُس کے چہرے پر اس قسم کے آثار نہیں تھے جنہیں کسی غیر معمولی وقوعہ کا ردِ عمل سمجھا جاسکتا۔

"کیوں.... کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"اب یہ کم بخت نوکر بھی مجھ سے مذاق کرنے لگے ہیں۔"

"کیا ہوا....؟"

"کچھ نہیں۔ میں بتاتا ہوں سور کو۔" حمید واپس جانے کے لئے مڑنے لگا۔

"اوہو.... بتاؤ نا کیا ہوا؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کس نے مذاق کیا میرے شہزادے سے؟"

"آپ بھی گھسنے کے موڈ میں ہیں۔"

"سمجھا! شاید تمہیں لڑکی کے غائب ہو جانے کی اطلاع ملی ہے۔"

"تو کیا اُس سور نے آپ ہی کے ایماء پر ایسا کیا ہے؟"

"برخوردار خاں....! وہ سچ مچ غائب ہو گئی۔"

"اور آپ اتنے اطمینان سے....!"

"پھر.... کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اُس کے پیچھے بھاگتا پھروں؟"

"آپ کو بالکل تشویش نہیں؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قطعی نہیں.... آؤ.... میرے ساتھ۔" فریدی نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

وہ اُس کمرے میں آئے جہاں وہ لڑکی سوتی تھی۔ حمید نے سنگار میز پر ایک کرسی رکھی ہوئی دیکھی۔ سنگار میز کے اوپر والے روشندان کا چوکھٹا نکلا ہوا فرش پر پڑا تھا۔

دونوں چند لمحے خاموش سے کھڑے رہے پھر فریدی بولا۔

"تو حمید صاحب.... وہ اس طرح گئی۔"

"گئی یا لے جائی گئی؟"

"گئی....!" فریدی نے زور دے کر کہا۔ "دروازہ باہر سے بدستور مقفل ملا۔ اب تم دیکھو۔ کیا اس روشندان سے دو آدمی بیک وقت نکل سکتے ہیں؟"

"لیکن کیا اُس سے اس قسم کی توقع کی جاسکتی ہے۔ روشندان سے نکل کر اگر وہ زمین پر کودی ہو گی تو کیا اُس کی ہڈیاں سلامت رہی ہوں گی۔"

"ہرگز نہیں فرزند.... وہ روشندان سے نکل کر سیدھی چھت پر گئی اور پھر وہاں سے کسی

ت کی شاخ کے ذریعے زمین پر پہنچ جانا کچھ مشکل نہیں۔"

"کیا وہ اسی قسم کی لڑکی تھی؟"

"بھئی لڑکیوں کی قسم تم مجھ سے بہتر پہچان سکتے ہو!"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چاروں طرف متجسسانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"حمید صاحب....!" فریدی مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تمہیں ے عشق نہیں ہوا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا۔" حمید بڑبڑایا۔

"کیا نہیں سمجھ سکتے؟"

"یہی کہ اس واقعے کے بعد بھی آپ کا موڈ بہت خوشگوار نظر آرہا ہے۔ بلکہ آپ سدا بہار لوم ہو رہے ہیں۔ کہیں اُسے آپ کی وجہ سے تو نہیں بھاگنا پڑا....؟"

"قطعی نہیں.... لیکن میں نے اُسے بھاگتے ضرور دیکھا ہے۔"

"کیا....؟" حمید پر حیرت کا دوسرا پہاڑ گرا۔

"ہاں میں نے اُسے بھاگتے ہوئے دیکھا ہے! تم کیا یہ سمجھتے ہو کہ کل رات مجھے نیند آئی ہو گی؟"

"پہیلیاں نہ بجھوائیے۔ مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"

"وہ بڑی شاندار ایکٹریس تھی حمید صاحب اور کل رات ہی کو اُس سے ایک لغزش ہو گئی۔ رنہ میں اس وقت بھی اُس کے متعلق دھوکے ہی میں رہتا۔"

"آخر آپ کس بناء پر ایسا کہہ رہے ہیں؟"

"صفدر کو زخمی دیکھ کر بھی اُس میں کسی قسم کا جذباتی تغیر نہیں ہوا تھا۔ اگر وہ گونگی تھی تب بھی اُس کے حواس خمسہ تو موجود ہی تھے قوت گویائی پر قادر نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی سیات سے بھی محروم ہو جائے۔ اس کا وہ رویہ عجیب تھا اور پھر جب یہ بات سامنے آگئی تھی کہ اسے بوڑھے کے سپرد کرنے والا اور پھر اغواء کی اسکیم بنانے والا ایک ہی آدمی تھا تو میں بس جزئی مطمئن ہو جاتا۔"

"تو آپ نے اُسے نکل کیوں جانے دیا؟"

"پھر کیا کرتا....؟" فریدی ہنسنے لگا۔ "کیا تم سچ مچ اُس سے شادی کرنا چاہتے تھے؟"

"اچھا میں اب کچھ نہیں پوچھوں گا۔" حمید نے جھلا کر کہا اور پھر اُس نے غسل خانے کی راہ لی لیکن فریدی کے رویئے نے اُسے الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔

آفس جانے سے قبل اُس نے حمید سے کہا۔

"شاہینہ سے پھر ملنا۔"

"کیوں....؟"

"کیا اُسے یونہی چھوڑ دو گے؟"

"نہیں اُس کی دم میں ہوائی ڈاک کا لفافہ باندھ کر اڑا دوں گا۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"آج تمہارا موڈ اتنا خراب کیوں ہے؟" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"مجھے ایک ماہ کی چھٹی چاہئے۔"

"مل جائے گی مگر اس کیس کے بعد۔"

"کیس.... کیسا کیس؟" حمید نے حیرت سے کہا۔ "یہ معاملہ تو پولیس کے ہاتھ میں ہے۔"

"لیکن اُسے ہمارے محکمے تک آنا ہی پڑے گا۔"

"اگر آپ مجھے صاف صاف نہیں بتائیں گے تو....!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"آپ نے لڑکی کو کیوں نکل جانے دیا؟"

"لڑکی تک تم اب بھی پہنچ سکتے ہو!"

"کیا مطلب....؟"

"اُس کی نگرانی ہو رہی ہے۔ کل رات ہی سے میری بلیک فورس اُس کا تعاقب کر رہی ہے۔"

"بلیک فورس.... مجھے آج تک نہ معلوم ہو سکا کہ آپ کی بلیک فورس ہے کیا بلا؟"

"کچھ ایسے آدمیوں کی ٹولی جن کا تعلق محکمے سے نہیں ہے۔"

"کیا میں انہیں جانتا ہوں؟"

"ہو سکتا ہے کہ واقف ہو لیکن تم یقین کے ساتھ کسی کے متعلق نہیں کہہ سکتے کہ وہ میری بلیک فورس کا آدمی ہو گا۔"

"اس فورس کا قیام کب عمل میں آیا....؟"

"سالہا سال گزرے۔"

"اور حمید اُس کے ممبروں سے واقف نہیں۔" حمید نے اپنا اوپر ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"فریدی کی ذات سے تعلق رکھنے والے ہزار ہا ایسے معاملات ہیں جن سے تم واقف نہیں ہو۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ فریدی کو تم پر اعتماد نہیں ہے۔"

حمید کو یہ بات گراں نہیں گذری۔ وہ اس سے پہلے بھی فریدی کی زبان سے سینکڑوں بار بلیک فورس کا نام سن چکا تھا اور اُس سے اس کے متعلق پوچھنا بھی چاہا تھا لیکن اُسے ہمیشہ ناکامی ہی ہوئی تھی۔ لہٰذا اس وقت وہ خود ہی اُسے ٹال گیا۔

"اگر آج تم آفس نہ آنا چاہو تو نہ آنا۔" فریدی نے کہا اور باہر نکل گیا۔

حمید نے ایک طویل انگڑائی لی اور پھر لڑکی والے کمرے میں جا گھسا۔ کرسی سنگار میز پر اب بھی رکھی ہوئی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا یہ سب ایک لڑکی کے لئے ممکن ہے۔ اگر وہ کرسی پر کھڑی بھی ہوئی ہو گی تو اُس کے ہاتھ روشن دان تک بمشکل پہنچے ہوں گے۔ ایسی صورت میں کسی دوسرے آدمی کی مدد کے بغیر روشندان سے صحیح و سلامت نکل جانا اگر معجزہ نہیں تو دشوار ترین ضرور ہو سکتا ہے۔

وہ اس کا عملی تجربہ کرنے کے لئے میز پر چڑھ گیا۔ پھر کرسی پر دوسرا پیر نہیں رکھ پایا تھا کہ کرسی الٹ گئی اور وہ فرش پر چاروں خانے چت گرا۔

"ناممکن.... قطعی ناممکن۔" وہ اٹھ کر اپنا سر سہلاتا ہوا بڑبڑایا۔

پھر دوسری بار تجربہ کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔

اب وہ سنگار میز کی درازیں الٹ پلٹ رہا تھا۔ اچانک اُن میں سے ایک میں اُسے اپنی ایک تصویر دکھائی دی۔ کیمرہ فوٹو تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی شریر بچے نے اُس کی درگت بنائی ہو۔ پنسل سے داڑھی اور مونچھیں بنائی گئی تھیں اور سر پر پنسل ہی سے پگڑی لپیٹنے کی کوشش کی گئی تھی۔

حمید نے اُس کے پرزے اڑا دیئے۔ اُسے ہنسی بھی آئی اور غصہ بھی۔ لیکن اب بھی اُس کا ذہن اُس کیس کی پیچیدگیوں میں الجھا ہوا تھا۔ آخر وہ پُر اسرار آدمی چاہتا کیا ہے اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اس ڈرامے کے لئے فریدی کی کوٹھی کیوں منتخب کی گئی۔ کیا شاہینہ کا بھی ان واقعات سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔

وہ سوچتا رہا لیکن اُس کا ذہن ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب نہ دے سکا۔ پھر اُسے اُس پُراسرار آدمی کی شخصیت کا خیال آیا۔ آخر وہ گرمیوں میں بھی دستانے کیوں استعمال کرتا ہے؟ اس سوال کے کئی جواب اُس کے ذہن کی سطح پر اُبھرتے لیکن وہ اُن میں سے کسی کو بھی کوئی اہمیت نہ دے سکا۔

پچھلی رات کا فائر بھی اُس کے لئے انتہائی عجیب تھا۔ آخر فائر کس نے کیا؟ کیا خود اُسی پُر

اسرار آدمی نے؟ اگر یہ بات ہے تو بوڑھے کی موت کا ذمہ دار بھی وہی ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مختلف آدمیوں سے مختلف قسم کے کام لینے کے بعد انہیں ختم کر دیتا ہے۔ لیکن کیوں.... کیا سازش کا یہ جال فریدی کے گرد بنا جا رہا ہے؟

حمید دن بھر انہیں گتھیوں میں الجھا ہوا اونگھتا رہا۔ اُس نے سونے کی بے حد کوشش کی مگر نیند نہ آئی۔ دن بھر ذہن کی عجیب سی کیفیت رہی۔ لیکن شام کا اخبار دیکھتے ہی غنودگی اس طرح غائب ہو گئی جیسے کبھی اُس کا نام و نشان تک نہ رہا ہو۔

پہلے ہی صفحہ پر گونگی لڑکی کی تصویر موجود تھی اور اُس کی ساری رام کہانی بھی شائع ہوئی تھی۔ گمنام آدمی کا تذکرہ صرف بوڑھے کے سلسلے میں کیا گیا تھا.... اور پھر لڑکی کے حیرت انگیز فرار کا واقعہ تھا جو فریدی کے دس ہزار روپے لے بھاگی تھی۔ اس پر حمید بُری طرح چونکا۔ جس بات کا علم اُسے بھی نہیں تھا وہ اچانک اچھل کر اخبار کے دفتر میں کیسے جا پہنچی۔

وہ سوچنے لگا کہ آخر فریدی نے اس سے اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

صفدر کے متعلق کچھ بھی نہیں تھا۔ حمید نے پورا اخبار دیکھ ڈالا۔ لیکن اُس کے بارے میں کہیں کچھ بھی نہ ملا۔

لیکن سوال یہ تھا کہ آخر یہ خبر یک بیک اخبارات میں کیسے آئی۔ نہ صرف خبر بلکہ تصویر بھی۔

وہ اندرونی برآمدے میں بیٹھا ان گتھیوں میں الجھنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر نے کسی ملاقاتی کا کارڈ لا کر دیا۔

کارڈ پر 'خان بہادر اشرف سعید' تحریر تھا۔ حمید نے یہ نام سنا ضرور تھا لیکن اُسے یقین تھا کہ وہ فریدی کے ملاقاتیوں میں سے نہیں ہو سکتا۔

"کس سے ملنا چاہتے ہیں؟" حمید نے نوکر سے پوچھا۔

"کرنل صاحب سے۔"

"ابے تو کیا کرنل صاحب میری جیب میں رکھے ہوئے ہیں۔ تو نے کہا کیوں نہیں کہ موجود نہیں ہیں۔"

"کہا ہے جی.... کہنے لگے کہ میں انتظار کروں گا۔" پھر انہوں نے آپ کو پوچھا۔

"صرف حمید کہا تھا.... یا کیپٹن حمید....؟"

"کپتان صاحب کہا تھا۔" شاید نوکر نے جان چھڑانے کے لئے کہا۔

"ابے.... ہاں.... اگر کوئی سارجنٹ کہے تو فوراً ٹوک دیا کرو۔"

"اچھا صاحب....!"

حمید نے لباس تبدیل کیا اور ٹائی کی گرہ درست کرتا ہوا ڈرائینگ روم میں آگیا۔ یہاں ایک ادھیڑ عمر آدمی اپنے جسم کو کمبل سے لپیٹے ہوئے ایک صوفے پر نیم دراز تھا۔ اُس کی پلکیں کچھ اس انداز سے نیچے کی طرف جھکی پڑ رہی تھیں جیسے وہ شدید قسم کے دردِ سر میں مبتلا ہو۔ حمید کو دیکھ کر اُس نے اٹھنا چاہا۔

"تشریف رکھئے.... تشریف رکھئے۔ فرمائیے۔ میرے لائق کوئی خدمت....؟" حمید جلدی سے بولا۔

"آپ کرنل فریدی ہیں؟" اُس نے تھکی تھکی سی آواز میں پوچھا۔

"جی نہیں.... میں اُن کا اسسٹنٹ کیپٹن حمید ہوں۔"

"کرنل صاحب کب تک آئیں گے؟"

"میرا خیال ہے کہ اب تک انہیں آجانا چاہئے تھا۔ کیا کوئی ضروری کام ہے؟"

"بہت ضروری۔ انتہائی ضروری۔" اُس نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"میں بستر علالت سے اٹھ کر آیا ہوں۔ مجھے اس وقت بھی شدید بخار ہے۔"

"اوہو! تو ایسی صورت میں کیوں تکلیف کی۔ فون کر لیا ہوتا۔"

"نہیں وہ ایسی معمولی بات نہیں ہے۔"

"اب وہ آہی رہے ہوں گے۔ کیا آپ اُن سے پہلے بھی کبھی مل چکے ہیں؟"

"جی نہیں.... پہلی بار ملوں گا۔"

"تو پھر کیا میں انہیں فون کر دوں؟"

"بڑی مہربانی ہوگی۔" اُس نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

حمید نے فریدی کو فون کیا اور وہ اتفاق سے دفتر ہی میں مل گیا۔ حمید نے خان بہادر اشرف سعید کی آمد کی اطلاع دی۔ جواب میں فریدی نے کہا کہ وہ فوراً آرہا ہے۔

اور پھر انہیں شاید پندرہ یا بیس منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔

"اوہو! آپ کو تو بخار ہے۔" فریدی نے خان بہادر سے مصافحہ کرتے وقت کہا۔

"جی ہاں.... لیکن اس کے باوجود بھی مجھے آنا پڑا۔"

"کوئی خاص بات؟"

"جی ہاں! بہت ہی خاص بات! یہ میری اور میرے خاندان کی عزت کا سوال ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح بتاؤں۔"

فریدی اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ خان بہادر کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اور اُس کے چہرے پر ندامت کے آثار تھے۔ آخر اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"آپ دس کے عوض بیس ہزار مجھ سے لے لیجئے۔ لیکن اب اس معاملے کو آگے نہ بڑھایئے۔"

"کس معاملے کو؟" فریدی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"وہی بدبخت لڑکی۔۔۔!" خان بہادر کی آواز بھرا گئی۔ "جس کی تصویر آج کے ایوننگ پوسٹ میں شائع ہوئی ہے۔"

"کیوں؟ اُس سے آپ کا کیا تعلق؟"

"اب میں کیا عرض کروں۔ اُسے بھی موت ہی آ جاتی تو اچھا تھا۔"

"دیکھئے اگر آپ مجھ سے کسی قسم کی مدد چاہتے ہیں تو آپ کو سب کچھ صاف صاف بتانا پڑے گا۔"

"وہ بدنصیب میری بھتیجی ہے۔"

کیا وہ گونگی ہے؟" حمید نے بے ساختہ پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔۔۔۔ وہ گونگی نہیں ہے۔" خان بہادر نے کہا۔ پھر اُس نے فریدی سے پوچھا۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ وہ آپ کے دس ہزار روپے چرا لے گئی؟"

"قبل اس کے کہ اس کا جواب دوں میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اُس کی اس حرکت کا مقصد کیا تھا۔۔۔؟"

"مقصد! مجھے نہیں معلوم۔ میں کیا بتا سکتا ہوں۔"

"کیا وہ آپ کے ساتھ ہی رہتی ہے۔"

"جی ہاں۔۔۔۔ لیکن تقریباً ڈھائی ماہ سے میں نے اُس کی شکل بھی نہیں دیکھی۔۔۔۔!"

"عجیب بات ہے۔" فریدی اُسے گھورنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔ "اخبار میں آپ نے پوری کہانی پڑھی ہوگی۔ آخر وہ گمنام آدمی کون ہو سکتا ہے؟"

"مجھے اس کا بھی علم نہیں۔"

"پھر آپ کیسے چچا ہیں۔"

"آہ۔۔۔۔ یہ ایک لمبی داستان ہے اور ساتھ ہی دردناک بھی۔ اُس لڑکی کو جنون ہو گیا ہے۔

انتقام کا بھوت سوار ہے۔ اس کے لئے وہ سب کچھ کر گزرنے کے لئے ہمیشہ سے تیار رہی خدا اُس پر رحم کرے۔"

مشتبہ ہاتھ

تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ حمید حیرت سے کبھی خان بہادر کی طرف دیکھتا کبھی فریدی کی طرف۔

"اگر مجھے یہ معلوم ہوتا۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "تو میں اُس خبر کو کبھی نیوز ایجنسی تک نے دیتا۔ ظاہر ہے کہ آپ کی اس سے بڑی بدنامی ہوگی۔"

"میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے موت آ جائے۔ پتہ نہیں وہ کم بخت اب کہاں ہوگی۔"

"لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ ڈھائی ماہ سے غائب رہی اور آپ نے اُس کے لئے نہ کیا۔"

"میں نے سب کچھ کیا ہے۔ لیکن بدنامی کے خیال سے اسے منظر عام پر نہیں لایا۔ پولیس کو لئے اطلاع نہیں دی کہ بات پھیل جاتی۔ ویسے میں اُسے تلاش کرانے کے سلسلے میں ہزاروں پے پھونک چکا ہوں۔"

"ابھی آپ نے کسی قسم کے انتقام کے بارے میں کچھ کہا تھا۔"

"ہاں۔۔۔۔!" خان بہادر نے ایک گہری سانس لی۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ نے رے بھائی سر مشرف کا نام تو سنا ہی ہوگا۔ سلیمہ انہیں کی لڑکی ہے۔"

"سلیمہ اُس لڑکی کا نام ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں! شاید آپ کو نہ معلوم ہو کہ اب سے پندرہ سال پہلے وہ جنوبی افریقہ میں قتل یئے گئے تھے۔ سلیمہ اُس وقت پانچ برس کی تھی اور وہیں تھی۔ قاتلوں نے انہیں اُسی کے انے قتل کیا تھا۔ پھر میں اُسے یہاں لایا۔"

"سر مشرف کی تجارت تو اب بھی وہاں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں۔۔۔۔ بہت بڑی تجارت۔ وہ ہیرے کی ایک کان کے مالک بھی تھے۔ ہاں تو میں سلیمہ بابت کر رہا تھا۔ اُس نے ماں کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ کیونکہ اس کا انتقال اُس کی پیدائش کے

بعد ہی ہو گیا تھا۔ بھائی صاحب نے اُس کی پرورش کی۔ آپ خود سوچئے ایسی صورت میں سلیمہ
کے ذہن پر اس کا کیا اثر پڑا ہو گا.... تقریباً تین سال تک اُس کا ذہنی توازن بگڑا رہا۔ اگر یہ واقعہ نہ
پیش آیا ہوتا تو یہ لڑکی ملک اور قوم کے لئے ایک بہترین سرمایہ ہوتی۔ بلا کی ذہین اور چالاک ہے
لیکن انتقام کی دھن میں وہ دوسری ہی راہ پر لگ گئی۔ اب وہ ایک ماہر نشانہ باز ہے۔ اونچی سے اونچی
عمارتوں پر چڑھ جانا تو کوئی بات ہی نہیں.... انتہائی نڈر اور بے باک۔ اتنی شاندار اداکارہ ہے کہ
اُس نے آپ جیسے آدمی کو دھوکا دے دیا۔ اتنے دنوں تک گونگی بنی رہی۔"

"لیکن وہ تنہا نہیں ہے۔" فریدی بولا۔

"میں جانتا ہوں۔ اُس نے بہت دن ہوئے مجھ سے کسی آدمی کا تذکرہ کیا تھا۔ یہ بھی بتایا تھا
کہ وہ افریقہ میں بھائی صاحب کے بہت ہی خاص آدمیوں میں سے تھا اور وہ قاتلوں سے انتقام لینے
کے سلسلے میں اُس کی مدد کرنے کو تیار ہے۔ میں اُسے سمجھاتے سمجھاتے عاجز آ گیا تھا۔ آپ خود
سوچئے اس طرح کسی آدمی پر اعتماد کر لینا کہاں کی عقل مندی ہے۔"

"کیا اُس نے اُس آدمی کا نام نہیں بتایا تھا....؟"

"نہیں.... جب اُس نے اُس کے ساتھ مل کر کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے اُسے
مقید کر دیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ اسی طرح جبراً روکی جا سکتی ہے۔ سمجھانے بجھانے کا اس پر کوئی اثر
نہیں ہو گا۔ لیکن افسوس وہ اُسی رات کو روشندان توڑ کر باہر نکل گئی۔"

"تو اُس نے آپ کو اُس آدمی کے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا؟"

"بس اُس کی تعریفوں کے پل باندھا کرتی تھی۔ وہ بڑا محتاط ہے۔ انتہائی چالاک اور دلیر۔
صورت ہی سے پُر اسرار معلوم ہوتا ہے۔ بالکل جاسوسی ناولوں کے کرداروں کی طرح۔ ہاتھوں
میں ہر وقت دستانے پہنے رہتا ہے.... وغیرہ وغیرہ۔"

"ہوں....!" فریدی نے ایک گہری سانس لی اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر خان بہادر نے کہا۔ "لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ آخر وہ
یہاں کیسے پہنچی۔ آپ سے اُسے یا اُس آدمی کو کیا سروکار۔"

"میرا خیال ہے کہ کسی بہت ہی عیار قسم کے آدمی نے اُسے پھانس لیا ہے اور لوگوں کو لوٹنے
کے لئے اُسے آلہ کار بناتا رہتا ہے۔"

"تو اب میں کیا کروں.... میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"فی الحال صبر کیجئے۔ میں اُس آدمی کی تاک میں ہوں۔ وہ ایک بہت بڑا بلیک میلر بھی ہے۔"

"سچ مچ دل چاہتا ہے کہ خود کشی کر لوں۔ کیا آپ اُس آدمی کو جانتے ہیں؟"

"نہیں.... اُس کی شخصیت ابھی تک تاریکی میں ہے۔"

"بہرحال آپ مجھ سے دس ہزار لے لیجئے۔ اور خدا کے لئے اُس لڑکی کو بچانے کی کوشش
کیجئے۔ ورنہ میری بڑی بدنامی ہو گی۔ لوگ یہی کہیں گے کہ اشرف نے بھائی کی جائیداد پر قبضہ
کرنے کے لئے لڑکی کو ٹھکانے لگا دیا۔"

"کیا اُس کے ولی بھی آپ ہی ہیں؟"

"جی نہیں.... اب وہ بالغ ہے اور اپنے کاروبار کی خود دیکھ بھال کر سکتی تھی۔ میں اُس کے
کاروباری معاملات میں قطعی دخل نہیں دیتا تھا۔"

"آپ کے ساتھ ہی رہتی تھی؟"

"جی ہاں! اُس کی افتادِ طبع کی بناء پر میں.... اُسے الگ رکھنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے کہا۔ "ہاں یہ سر مشرف کا قتل کن حالات میں ہوا
تھا اور کیا مجرم گرفت میں آ گئے تھے؟"

"ایک عورت کا چکر تھا۔ بھائی صاحب ذرا رنگین مزاج تھے۔ اب میں آپ سے کیا چھپاؤں۔
اس میں دراصل نور محل والوں کا ہاتھ تھا۔"

"نور محل.... کیا نواب اختر کی طرف آپ کا اشارہ ہے؟"

"جی ہاں.... یہ نواب اختر اُن کے رقیبوں میں سے تھا اور اُس زمانے میں وہ بھی جنوبی افریقہ
ہی میں تھا۔ بالکل کھلی ہوئی بات تھی لیکن پولیس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ مہیا کر سکی۔"

"سلیمہ کو بھی اس کا علم تھا....؟" فریدی نے پوچھا۔

"دنیا جانتی ہے۔ سلیمہ ہی کو کیوں نہ معلوم ہوتا۔ وہ یہی تو کہتی ہے کہ قانون میرے باپ کی
موت کا انتقام نہیں لے سکا تو میں خود ہی لوں گی۔ خواہ کچھ ہو جائے۔"

"نور محل والوں سے آپ کے کیسے تعلقات ہیں؟"

"تعلقات.... میرا بس چلے تو اُن کی بوٹیاں اڑا دوں۔"

"کیا خیال ہے آپ کا اُس آدمی کے متعلق.... یا آپ کی نظر میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے جو
اس قسم کی حرکتیں کر سکے۔"

"میری دانست میں کوئی ایسا آدمی نہیں۔ لیکن کوئی بھی اس قسم کی حرکت کر سکتا ہے۔ میں
آپ کو ایک بات اور بھی بتاؤں۔ میں نے کئی بار چاہا کہ کسی ڈھنگ کے آدمی کے ساتھ اس کی

شادی کردوں لیکن وہ نہیں مانی۔ اُس کا کہنا ہے کہ جب تک اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لوں گی شادی نہیں کروں گی۔ اُس نے یہی بات اور نہ جانے کتنے آدمیوں کے سامنے کہی ہوگی۔ اب آپ اسی سے اندازہ لگا لیجئے۔ کوئی شخص بھی اس سلسلے میں اُس کی مدد کرنے کا وعدہ کر کے اپنا کام نکال سکتا ہے.... وہ ایک مال دار لڑکی ہے۔ اسے بھی ذہن میں رکھئے گا۔"

فریدی کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"لیکن میں اُس کے حلقہ احباب کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"اچھا! کیا نور محل والوں کو بھی اس سے کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

"ہو سکتی ہے۔ ایک بار نواب اختر نے اپنے لڑکے کا پیغام دیا تھا.... اور مجھ سے صفائی کرنی چاہی تھی۔"

"پھر آپ نے کیا کیا....؟"

"انکار....!"

"اچھا.... جناب....!" فریدی ایک طویل انگڑائی لے کر بولا۔ "میں کوشش کروں گا کہ لڑکی سیدھی راہ پر آجائے۔"

"میں آپ کا احسان مند ہوں گا۔" خان بہادر کراہ کر بولا۔ "بہر حال عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

"خدا کے ہاتھ میں۔" فریدی نے تصحیح کی۔ لیکن حمید نے اُس کے لہجے میں کچھ عجیب سا کھنچاؤ محسوس کیا۔

خان بہادر جانے کے لئے اٹھا اور فریدی نے حمید کو اُسے سہارا دینے کا اشارہ کیا۔

اُسے رخصت کر دینے کے بعد پھر اُن کی ملاقات ناشتے کی میز پر ہوئی۔

"کیا خیال ہے حمید صاحب؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس نئے ڈیولپمنٹ کے متعلق؟"

"تو یہ تصویر وغیرہ آپ ہی نے شائع کرائی تھی؟"

"قطعی....!"

"اب آپ اُس کے لئے میرا پیغام دے سکتے ہیں۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"آپ جانتے ہیں کہ لڑکی کہاں ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"جانتا ہوں۔"

"پھر آپ نے اُسے اُس کا پتہ کیوں نہیں بتایا؟"

"ضروری نہیں سمجھا تھا۔"

"ارے... ہاں... وہ تو بھول ہی گیا۔ ذرا یہ تو فرمایئے گا کہ دس ہزار روپے کا کیا اسکینڈل ہے؟"

"ہے تو اسکینڈل ہی"

"آخر کیوں؟"

"اسی نتیجے کے لئے جس سے ہم ابھی دوچار ہو چکے ہیں اور بھی کئی باتیں ہیں۔ چلو کافی لو۔ نڈی ہو رہی ہے۔"

وہ چند لمحے خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ پھر فریدی نے کہا۔

"تم نے اخبار میں کسی جگہ ایک خبر اور دیکھی ہوگی۔"

"کیسی خبر....؟"

"کس کار کے حادثے کی۔"

"نہیں.... میں نے دھیان نہیں دیا۔"

"یہاں سے ایک میل کے فاصلے پر ایک جلی ہوئی کار ملی ہے اور اُس میں ایک جھلسی ہوئی ش.... جانتے ہو کس کی ہے؟"

"نہ جانتا ہوں اور نہ جاننا چاہتا ہوں۔" حمید جھلا گیا۔ "یہاں دن رات لاشیں.... شیں.... میں تو تنگ آگیا ہوں۔"

"میں شیکھر کی لاش کے متعلق کہہ رہا ہوں۔"

"شیکھر! یعنی صفدر کا ساتھی؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بہر حال اُسے بھی ختم کر دیا گیا.... سوال تو یہ ہے کہ آخر فریدی ہی کیوں!"

"میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔"

"مگر.... فرزند.... یہ بات نہ کھلنی چاہئے تھی کہ صفدر وغیرہ سے بھی وہی آدمی کام لے ہاتھا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"دو ایک دن بعد سمجھا دوں گا۔ بہر حال معاملات کچھ کچھ میرے ذہن میں صاف ورہے ہیں۔"

"شیکھر کی لاش ملنے کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ صفدر پر بھی اُسی نے گولی چلائی تھی۔"

"نہیں.... صفدر کے بیان کے مطابق وہ اُن دونوں کے ساتھ ہی تھا اور اُس وقت بھی وہ دوسری طرف دیوار کے نیچے موجود تھا جب صفدر نے اندر داخل ہونے کی کوشش کی تھی؟"

"تو پھر یہاں سے گولی کس نے چلائی تھی؟"

"سلیمہ نے....!"

"کیا....؟" حمید اتنے زور سے اچھلا کہ کافی چھلک کر اُس کے کپڑوں پر گری۔

"ہاں.... ہاں.... اُسی نے۔ میں نے اُسے کمرے میں بند کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اُسی دوران میں وہ روشندان توڑ کر اوپر پہنچ گئی تھی.... نوکروں کو میں نے شاگرد پیشے میں بھیج دیا تھا۔ اس لئے وہ رائفل حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی.... میں تو دراصل انہیں اچھی طرح موقع دینا چاہتا تھا مگر لڑکی نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی.... ارے وہ سازش میں شریک تھی کیوں نہ کھیل بگاڑتی۔"

"یہی تو تم نہیں سمجھے خیر.... ابھی ہمیں جلد بازی نہ کرنی چاہئے۔"

"یہ کیس بھی خواہ مخواہ گلے لگا ہے۔"

"چلو ختم کرو۔" فریدی کافی کی پیالی رکھ کر رومال سے ہونٹ صاف کرتا ہوا بولا۔ "ہمیں ابھی نواب اختر کے یہاں تک چلنا ہے۔"

"اوہ.... تو کیا اب آپ سر مشرف کے قتل کا معاملہ پھر سے اٹھائیے گا؟"

"نہیں! مجھے جنوبی افریقہ میں ہونے والے قتل سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔"

نواب اختر شہر کے سر برآوردہ لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ نور محل ایک قدیم طرز کی عمارت کا نام تھا جس میں نواب اختر کی پچھلی تین پشتوں کے لوگ رہتے آئے تھے اور اُس خاندان کے لوگ عام طور پر "نور محل والے" کہلاتے تھے۔

نواب اختر متوسط عمر اور گٹھیلے جسم کا ایک خوش رو آدمی تھا۔ فریدی اور حمید جس وقت نور محل پہنچے وہ شراب پی رہا تھا۔ اُس کے ساتھ تین آدمی اور بھی تھے۔ ممکن ہے فریدی کا کارڈ پہنچنے سے قبل کوئی عورت بھی رہی ہو کیونکہ میز پر ایک لیڈیز ہینڈ بیگ پڑا ہوا تھا۔

"آخاہ....!" نواب اختر جھومتا ہوا بولا۔ "آیئے.... آیئے.... حضرات! آج میں نے دادا جان کے سو سالہ پرانے ذخیرے سے شراب نکلوائی ہے۔ بنن خاں دو گلاس اور لاؤ۔"

"نہیں شکریہ۔ میں اس نعمت سے محروم ہوں۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"ہی ہی.... آپ شراب نہیں پیتے؟" نواب کے مصاحبوں میں سے ایک نے کہا۔

فریدی اُس کی طرف مخاطب بھی نہ ہوا۔

"کیسے تکلیف فرمائی؟" نواب اختر نے پوچھا۔

"ایک ضروری کام۔ کیا آپ مجھے تنہائی میں تھوڑا سا وقت دے سکتے ہیں؟"

نواب اختر چند لمحے فریدی کی طرف غور سے دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "ضرور.... ضرور.... آیئے۔"

وہ فریدی اور حمید کو ایک دوسرے کمرے میں لایا۔ اس دوران میں حمید نواب اختر کے دونوں ہاتھوں کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھتا رہا تھا۔ دونوں ہاتھوں پر کلائیوں تک پٹیاں چڑھی ہوئی تھیں۔

"ہاں اب فرمایئے۔" نواب اختر کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

"میں نے سنا ہے کہ آپ نے خان بہادر اشرف کی بھتیجی کے لئے اپنے صاحبزادے کا پیغام دیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں....؟" نواب اختر اُسے گھور کر بولا۔ "آپ کو ان باتوں سے کیا سروکار؟"

"اوہ آپ غلط سمجھے۔ میں صرف اس کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔"

"آخر کیوں؟"

"میں دراصل کیپٹن حمید کیلئے پیغام دینا چاہتا تھا۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "چند دوستوں کے سامنے اس خیال کا اظہار کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے کے لئے بھی پیغام دیا جا چکا ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر میں اس خیال سے باز رہوں۔"

نواب اختر چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "آپ کے اس خیال سے مجھے خوشی ہوئی۔ میں نے پیغام دیا ضرور تھا مگر اب میں کسی قیمت پر بھی اس کے لئے تیار نہیں اور کرنل صاحب پہلے مجھے صرف شبہ تھا اب یقین ہو گیا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں روزانہ اخبار پڑھتا ہوں۔ آج کا ایوننگ پوسٹ میں نے بھی پڑھا تھا۔ اب مجھے سو فیصدی یقین ہے کہ وہ سلیمہ ہی کی تصویر تھی۔"

"اوہو! کیا آپ کا اشارہ اُس گونگی لڑکی کی طرف ہے؟" فریدی نے چونکنے کا شاندار مظاہرہ کیا۔

"جی ہاں! لیکن سوال یہ ہے کہ آپ اس سلسلے میں میرے پاس کیوں آئے ہیں!"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ بھلا وہ سلیمہ کیسے ہو سکتی ہے۔"

"کیا آپ نے پہلے کبھی سلیمہ کو نہیں دیکھا؟"

"نہیں....!"

"تعجب ہے کہ آپ دیکھے بغیر پیغام دینے والے ہیں۔" نواب اختر فریدی کو عجیب نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "کیا.... آپ نے بھی نہیں دیکھا۔" اُس نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا اور پھر ایسے انداز میں شرما کر سر جھکایا کہ نواب اختر کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ وہ ویسے بھی نشے میں تھا۔

لیکن وہ جلد ہی سنجیدہ ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ "وہ تصویر بلاشبہ سلیمہ ہی کی تھی۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس ڈرامے کا کیا مطلب ہے اور آپ حقیقتاً کس لئے تشریف لائے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اشرف میرے خلاف کوئی نئی چال چل رہا ہو۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"کرنل صاحب! میں بچہ نہیں ہوں اور آپ ابھی میرے سامنے صاحبزادے ہیں۔"

"مجھے اس سے انکار نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آپ یقیناً مجھ سے عمر میں بڑے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو.... اشرف منہ کی کھائے گا۔ وہ مجھے اپنے بھائی کا قاتل سمجھتا ہے اور اُس کی پرکٹی بھتیجی ہمیشہ میرے خلاف پر تولنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ اُن دونوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ اشرف کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے۔ میں سلیمہ کو اپنی بہو بنانا چاہتا تھا مگر اب.... اب کسی قیمت پر نہیں۔"

"آخر وجہ....؟"

"وہ لفنگی ہے۔ شہر کے بدمعاش ترین لوگوں میں اُس کی نشست و برخاست رہتی ہے اور یہ سب اسی لئے کہ وہ مجھ سے اپنے باپ کی موت کا انتقام لے سکے۔"

"باپ کی موت کا انتقام....؟" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"سر مشرف جنوبی افریقہ میں قتل کر دیا گیا تھا۔ وہاں کی پولیس قاتل کا پتہ نہ لگا سکی۔ میں بھی اُس زمانے میں وہیں تھا۔ سر مشرف کے حلقہ احباب نے مجھ پر شبہہ ظاہر کیا۔ لیکن کوئی ثبوت نہ دے سکے۔ ہو سکتا ہے اشرف نے گڑے مردے پھر سے اکھاڑنے کی کوشش کی ہو۔ اسی لئے آپ....!"

"بھلا مجھے اس سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔" فریدی بولا۔ "قتل افریقہ میں ہوا تھا۔ یہاں والے اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے۔ بہر حال آپ نے سلیمہ کے متعلق جو معلومات مہیا فرمائی

ہیں اُس کے لئے شکر گذار ہوں۔"

نواب اختر نے پھر اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔

"اچھا اب اجازت دیجئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں کیپٹن حمید کو ہرگز رائے نہ دوں گا کہ وہ ایسی لڑکی سے شادی کریں۔ دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی.... کیا آپ کے ہاتھوں میں کوئی تکلیف ہے؟"

"اوہ....!" نواب اختر اپنے پٹیوں سے ڈھکے ہوئے ہاتھوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "جی ہاں.... خارش۔ حالانکہ پٹیاں تکلیف دہ ہیں۔ لیکن ہاتھوں کی حالت دیکھ کر خود مجھے گھن آتی ہے۔ زندگی میں پہلی بار میں خارش میں مبتلا ہوا ہوں۔"

لڑکی کی کہانی

واپسی پر فریدی بالکل خاموش تھا۔ کیڈی لاک شہر کی بھری پُری سڑکوں سے گذر رہی تھی۔ حمید فریدی کے برابر ہی بیٹھا ہوا بڑی دیر سے کنکھیوں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا اور کئی سوالات اُس کے ذہن میں بُری طرح پک رہے تھے۔

"نواب اختر سے ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں نہیں آیا۔" اُس نے کہا۔

"میں اب تمہاری شادی اُس لڑکی سے ہرگز نہ کروں گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔" حمید بڑبڑایا۔

فریدی ہنسنے لگا اور حمید جھلا کر بولا۔ "آپ براہِ کرم مجھے اس قسم کے معاملات میں مت رگیدا کیجئے۔"

"یہی ہوتا ہے برخوردار آج کل کے زمانے میں عموماً دو چار جگہ بات ڈالی جاتی ہے۔ پھر کہیں نہ کہیں شادی بھی ہو جاتی ہے۔ آخر ایسی جلدی کیا ہے۔"

"ماشاء اللہ! خدا اس لونڈیا کی عمر میں برکت دے۔ اس کی بدولت آپ چہکنے تو لگے ہیں یعنی ریگستان میں بارش۔ خدا میری مغفرت کرے۔ ویسے کیا میں نواب اختر کے خارش زدہ ہاتھوں کے متعلق کچھ پوچھ سکتا ہوں۔"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"خارش زدہ ہاتھوں کو لوگ عموماً کھلا ہی رکھتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہاں تو پھر.... مگر نہیں۔ یہ ضروری نہیں۔"

"میں نے عموماً یہی دیکھا ہے۔"

"مگر یہ کلیہ نہیں۔ بعض طبیعتیں حد سے زیادہ نفاست پسند ہوتی ہیں۔"

"اچھا یہ بتائیے کہ آخر وہ پُراسرار آدمی دستانے کیوں پہنتا ہے؟"

"میں تمہارا مطلب پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اُس کے ہاتھوں میں کوئی ایسی خاص بات ہے۔ جس کی بناء پر وہ پہچانا جاسکتا ہے۔"

"اب نواب اختر کے ہاتھوں کے متعلق کیا رائے ہے؟" حمید پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا اور اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ حمید نے پائپ سلگا کر دو تین کش لیے اور کھڑکی پر جھک کر باہر دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔

"لڑکی بڑی مال دار ہے اور نواب اختر کی دشمن ہے۔ ہو سکتا ہے نواب اختر ہی وہ پُراسرار آدمی ہو۔ کچھ دن لڑکی کو اسی طرح چکر دیتا رہے پھر کسی سازش کا شکار بنا کر اپنے لڑکے سے شادی کر لینے پر مجبور کرے۔ لڑکی بالغ ہے اس لئے اس کا چچا بھی کچھ نہ کر سکے گا۔"

فریدی اب بھی کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ فریدی یونہی بغیر مقصد کیڈی کو ایک سڑک سے دوسری سڑک پر دوڑاتا پھر رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اُس کی نظر بار بار عقب نما آئینے کی طرف بھی اٹھ جاتی ہے۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"ایک موٹر سائیکل بہت دیر سے تعاقب کر رہی ہے۔" فریدی بڑبڑایا اور اُس نے کیڈی پھر ایک دوسری سڑک پر موڑ دی۔ حمید نے مڑ کر دیکھا۔ موٹر سائیکل بھی اُسی سڑک پر مڑ رہی تھی۔ کیڈی سے اُس کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ پچاس گز رہا ہوگا۔ سوار کوئی سکھ تھا۔

"کون ہے؟" فریدی نے ونڈ اسکرین پر نظر جمائے ہوئے پوچھا۔

"ایک سکھ....!"

"خوب....!" فریدی مسکرایا۔ "لیکن اس کے پیچھے بھی ایک موٹر سائیکل ہے۔"

حمید پھر پلٹا۔ ساتھ ہی فریدی نے ہاتھ بڑھا کر عقب نما آئینے کا زاویہ بدل دیا۔

"ہاں ہے تو.... اور اُس پر کوئی عورت ہے۔" حمید نے کہا۔

"عورت کا لباس....؟" فریدی نے پوچھا۔

"کتھئی رنگ کا اسکرٹ ہے۔"

"ٹھیک.... اچھا.... تو اب تم اس ڈرامے کا ایک دلچسپ ایکٹ ملاحظہ کرو گے.... پھر دیکھو۔ عورت کے اسکرٹ کا رنگ کتھئی ہی ہے نا....؟"

"جی ہاں....!" حمید نے کہا۔

سڑک پر کافی روشنی تھی۔ اس لئے حمید کو اپنے بیان کی صداقت میں شبہے کی گنجائش نہیں نظر آئی۔ سکھ کی موٹر سائیکل کے پیچھے والی موٹر سائیکل سوار کا اسکرٹ کتھئی ہی تھا۔

فریدی نے کیڈی کی رفتار تیز کر دی۔

"میرا دعویٰ ہے کہ یہ سکھ نواب اختر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ویسا ہی بھرا بھرا سا چہرہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"آج تم غیر معمولی ذہانت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"لیکن دوسری موٹر سائیکل پر کون ہے؟"

"اُس کا چہرہ صاف نظر نہیں آرہا ہے۔"

"کہو نا کہ سلیمہ ہے۔" فریدی ہنس پڑا۔

"آپ میرا مضحکہ کیوں اڑا رہے ہیں؟"

"مضحکہ نہیں اڑا رہا ہوں۔ میرا تعاقب بقول تمہارے نواب اختر کر رہا ہے اور نواب اختر کا تعاقب کوئی عورت کر رہی ہے۔ لیکن اس کیس میں ابھی تک سلیمہ کے علاوہ کسی دوسری عورت کا وجود منظر عام پر نہیں آیا۔ اس لئے وہ سلیمہ ہی ہوگی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سلیمہ کے متعلق سوچنے لگا تھا اور ساتھ ہی اُسے فریدی پر غصہ بھی آرہا تھا کیونکہ آج صبح ہی سے وہ بہت اچھے موڈ میں تھا اور جب بھی وہ اچھے موڈ میں ہوتا تو حمید کی شامت آجاتی تھی۔ وہ اُسے بات بات پر اُلو بناتا تھا۔ لیکن حمید کو حیرت بھی تھی کہ آخر آج فریدی کا موڈ اتنا اچھا کیوں ہے۔ ویسے وہ ابھی تک تو یہی دیکھتا آیا تھا کہ شکست کھانے کے بعد فریدی پر عموماً جھلاہٹ ہی کا دورہ پڑتا تھا اور پر اس بار تو اُسے ایک لڑکی نے شکست دی تھی۔

کیڈی کی رفتار پھر کم ہوگئی۔ فریدی اُسے ایک پتلی سی گلی میں موڑ رہا تھا۔

"حمید.... میں جیسے ہی گاڑی روکوں تم نیچے اُتر کر انجن دیکھنے لگنا۔" اُس نے کہا۔

گلی کے دوسرے سرے کے قریب پہنچ کر کیڈی رک گئی۔ موٹر سائیکل آدھی گلی طے

کر چکی تھی۔ حمید نے نیچے اُتر کر بونٹ اٹھادیا۔

موٹر سائیکل میں پورے بریک لگے اور وہ ایک چڑچڑاہٹ کے ساتھ رک گئی۔ گلی اتنی پتلی تھی کہ کیڈی نے ایک موٹر سائیکل کے گذرنے کی بھی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ دوسری موٹر سائیکل بھی گلی میں داخل ہوئی۔

سکھ اپنی موٹر سائیکل موڑنے ہی جارہا تھا کہ فریدی کیڈی سے نکل کر اُس کی طرف جھپٹا۔ گلی تاریک نہیں تھی۔ فریدی نے سکھ کا راستہ روک لیا۔ اب حمید بھی اُس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لیکن اُس نے کتھئی اسکرٹ والی لڑکی کو موٹر سائیکل موڑ کر بھاگتے دیکھا۔ فریدی نے اُس کی طرف دھیان بھی نہ دیا۔ وہ سکھ کے کاندھے پر ہاتھ رکھے اُسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرارہا تھا۔

"سردار جی.... تم سے اردو میں گفتگو کروں یا پنجابی میں؟" اس نے ہنس کر کہا۔

سکھ خاموش رہا۔ اُس کی سانس پھول رہی تھی۔

"حمید! تم موٹر سائیکل سنبھالو.... سلیمہ میرے ساتھ جائے گی۔"

"سلیمہ....؟" حمید اچھل پڑا۔

"ہاں.... یہ ننھی سی احمق لڑکی جواب بھی حماقتوں سے باز نہیں آرہی ہے۔"

"مجھے جانے دو۔" سلیمہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"اتنی آسانی سے....!" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ پھر اُس نے کرخت آواز میں کہا "چلو۔"

وہ اُسے موٹر سائیکل سے اُتار کر کیڈی تک لایا۔

"چلو بیٹھو....!"

"جیل....!" سلیمہ نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

فریدی نے دروازہ کھول کر اُسے پچھلی نشست پر دھکیل دیا۔

کیڈی چل پڑی۔ حمید سلیمہ کی موٹر سائیکل پر تھا۔ اُس کا ذہن دوسری لڑکی میں اُلجھا ہوا تھا.... آخر وہ کون تھی؟ اور فریدی نے اُس کے معاملے میں کیوں اتنی لاپروائی برتی۔

کیڈی شیبان ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ فریدی نے اُتر کر پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔ حمید اُس کے برابر پہنچ چکا تھا۔

"تم اسی ہوٹل میں ٹھہری ہونا۔ کمرہ نمبر تیرہ۔ غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں؟" فریدی نے سلیمہ سے کہا۔

سلیمہ کچھ نہ بولی۔ لیکن اب وہ خوفزدہ نہیں نظر آرہی تھی۔ حمید نے اُسے اپنی مصنوعی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے دیکھا۔

"کیا آپ کچھ دیر کے لئے میرے کمرے تک چلیں گے؟" اُس نے فریدی سے پوچھا۔ آواز روؤں کی سی تھی۔

"تم بہت اچھی ایکٹریس ہو سلیمہ....!" فریدی ہنس پڑا۔

"براہِ کرم یہاں مجھے سردار بکرم سنگھ کے نام سے مخاطب کیجئے۔"

وہ انہیں اپنے کمرے میں لائی اور جب وہ دونوں اطمینان سے بیٹھ گئے تو اُس نے کہا۔ "کہئے اب.... یہ آپ لوگوں نے دس ہزار والی ہوائی کیوں چھوڑی تھی؟"

"میرا وقت نہ برباد کرو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں تم لوگوں نے مجھے کیوں اپنی سازشوں کا مرکز بنایا تھا؟"

"جب آپ میرے نام سے واقف ہوگئے ہیں تو حالات سے بھی باخبر ہوں گے۔"

"یوں تو مجھے تمہارے مستقبل کا بھی علم ہے لیکن میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔"

"مجھے یقین ہے کہ میرے متعلق آپ کو چچا جان نے بہت کچھ بتایا ہوگا۔ میری گمشدگی کے بعد آپ نے اسی لئے اخبارات کی طرف دھیان دیا تھا۔"

"تمہاری گم شدگی۔ تم میرے لئے کبھی گمشدہ نہیں تھیں۔ بھولی لڑکی میں نے تمہیں بھاگتے دیکھا تھا۔ چونکہ کتے بے ہوش پڑے تھے اس لئے تمہیں کوئی دشواری نہیں پیش آئی تھی۔"

سلیمہ حیرت سے فریدی کو دیکھ رہی تھی۔ فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے پوچھا۔

"تم میرا تعاقب کیوں کررہی تھیں؟"

"محض اسلئے کہ میں نے آپ کو نور محل سے نکلتے دیکھا تھا۔"

"تو پھر اس سے کیا....؟"

"نواب اختر.... میرے باپ کا قاتل ہے۔ میں اُس سے انتقام لینا چاہتی ہوں۔"

"میں اُس کی کہانی بھی سن چکا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن.... کیا اس صورت میں تم خود اپنی جان بچا سکتیں؟"

"ہاں.... اسکیم تو کچھ ایسی ہی تھی کہ خود قانون ہی اُسے پھانسی کے تختے تک پہنچا دیتا۔"

"اچھا....!" فریدی کی آنکھیں مصنوعی حیرت سے پھیل گئیں۔

"لیکن....!" سلیمہ نے ایک گہری سانس لی۔ "میں خود ہی اس سازش کا شکار ہوگئی۔"

"کیوں! کیا اس آدمی سے پھر ملاقات نہیں ہوئی؟"

"نہیں....!"

"کیا تم اُسے اطلاع دیئے بغیر میرے یہاں سے بھاگی تھیں؟"

"اوہ....!" سلیمہ اُسے گھور کر بولی۔ "تو آپ سب کچھ جانتے ہیں؟"

"میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر اُسی زبان میں سنانا" حمید بولا۔ "جس زبان میں سانپوں کے متعلق اظہار خیال کیا تھا"

سلیمہ ہنسنے لگی۔ پھر اُس نے کہا۔ "حمید صاحب ریلوے انجن بنانا یاد ہے؟"

حمید نے جھینپا جھینپا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔ "بہر حال اب میں بوڑھے کی تجویز پر عمل کر سکتا ہوں"

"وقت کم ہے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "وہ آدمی کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتا ہے۔" سلیمہ بولی۔

"تم اُس کی تلاش میں ہو؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں....!"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ وہ بھی میری تلاش میں ہوگا۔"

"لیکن تم نے صفدر پر کیوں فائر کیا تھا....؟"

"آپ یہ بھی جانتے ہیں؟" سلیمہ خوف زدہ آواز میں بولی۔ چند لمحے خاموش رہی پر اُس نے کہا۔ "خود اُس نے ہی مجھے اس کے لئے تاکید کی تھی۔"

"تمہارے پاس اُس کا پیغام کیسے پہنچا تھا....؟"

"یہ پہلے ہی سے طے تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ جس دن کتے بے ہوش پائے جائیں۔ اُس رات کو حملہ ضرور ہوگا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر تم تھوڑی سی ہمت کر لو تو حملہ آور پکڑا جا سکتا ہے اور اُس کے بعد نواب اختر پوری طرح قانون کی گرفت میں آجائے گا۔ بہر حال اُس کا مقصد یہ تھا کہ میں کسی طرح آپ سے چھپ کر اُسے گولی مار دوں۔ گھر میں سر شام ہی سناٹا ہو گیا تھا۔ ادھر آپ میرے کمرے کو مقفل کر کے ہٹے اور میں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ آپ شاید عقبی پارک میں جا چکے تھے۔ کوٹھی میں سناٹا تھا۔ میں نے آپکی رائفل نکالی اور اوپری منزل کی چھت پر پہنچ گئی۔"

"کیا اُس نے کہا تھا کہ پیر ہی میں گولی مارنا....؟"

"نہیں.... اُس نے صرف فائر کرنے کے لئے کہا تھا۔"

"اور یہ بھی بتایا تھا کہ حملہ چہار دیواری کی پچھلی ہی دیوار کی طرف سے ہوگا؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... لیکن خدا کا شکر ہے کہ گولی اُس کی ٹانگ ہی میں لگی اور وہ اپنا بیان دینے کے لئے زندہ رہ گیا۔ ورنہ میں کسی بہت بڑی مصیبت میں پڑ جاتی۔"

"کیسی مصیبت....؟"

"دیکھئے! میں شروع سے بتاتی ہوں۔ میرے متعلق آپ کو چچا جان سے بہت کچھ معلوم ہو چکا ہوگا۔ اخبارات میں وہ میری تصویر دیکھ کر یقیناً آپ کے پاس دوڑے آئے ہوں گے۔ میں نے انہیں بہت پریشان کیا ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ ہاں تو میں بچپن ہی سے کشت و خون کی طرف مائل رہی ہوں۔ لیکن میں خود اس کی ذمہ دار نہیں۔ میرے باپ کے قتل کا منظر آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں اس وقت پانچ برس کی تھی۔ ایک گوشے میں سہمی ہوئی اپنے باپ کو قتل ہوتے دیکھ رہی تھی۔ وہ مچھلی کی طرح زمین پر تڑپ رہے تھے اور اُن پر کلہاڑیاں اور تلواریں برس رہی تھیں۔" وہ خاموش ہو گئی۔ اُس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور پلکیں جھپکائے بغیر خلا میں گھور رہی تھی۔

"مجھے معلوم ہے۔" فریدی نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ وہ آدمی تمہیں کہاں اور کیسے ملا تھا اور اُس کی اسکیم کیا تھی؟"

"آج سے چھ ماہ پہلے!" وہ چونک کر بولی۔ چند لمحے خاموش رہی پھر کہا۔ "وہ ہوٹل ڈی فرانس میں ملا تھا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ وہ خاص طور سے مجھ سے ملنے کے لئے جنوبی افریقہ سے آیا ہے۔ والد مرحوم کے بہت ہی خاص آدمیوں میں سے تھا اور اُسے نواب اختر سے ذاتی پرخاش بھی ہے۔ چونکہ اُس نے جنوبی افریقہ میں اُس کی بیوی پر ہاتھ صاف کیا تھا اُس نے اپنی پوری اسکیم نہیں بتائی تھی لیکن یہ ضرور کہا تھا کہ نواب اختر اس طرح سیدھا پھانسی کے تختے تک پہنچ جائے گا۔ وہ تقریباً چار ماہ تک مجھ سے مختلف مقامات پر ملتا رہا لیکن اس دوران میں میں نے ہمیشہ اس کے ہاتھوں میں دستانے دیکھے۔ وہ کچھ اس قسم کا آدمی تھا کہ میں اُس کی طرف کھنچتی ہی گئی۔ بچپن ہی سے مجھے جاسوسی ناولیں پڑھنے کا شوق رہا ہے اور وہ مجھے بالکل کسی ناول ہی کا کوئی پُر اسرار کردار معلوم ہوتا تھا۔ آج سے دو ماہ قبل ایک دن وہ مجھے ملا اور یہ اطلاع دی کہ اب عمل کا وقت آ گیا ہے۔ اُس نے کہا کہ ہمیں کسی طرح نواب اختر اور اُس کے گرگوں کو اس بات کا یقین دلا دینا چاہئے کہ ہم اُن کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں۔ یہ بات کم از کم میری سمجھ میں تو نہیں آئی۔ میں نے مزید استفسار کیا تو اُس پر اُس نے بتایا کہ اس طرح وہ لوگ بھی نہ صرف چوکنے ہو جائیں

گے بلکہ ہمارے پیچھے لگنے کی بھی کوشش کریں گے۔ میں نے پوچھا اس سے کیا ہوگا کہنے لگا کہ پھر یہاں کے سب سے بڑے سراغ رساں کرنل فریدی کو اُن کے پیچھے لگا دوں گا۔ ایک ایسا طریقہ اختیار کروں گا کہ نواب اختر پر ایک آدمی کے قتل کا جرم ثابت ہو جائے گا۔"

"کیا.... وہ بوڑھا بھی اس سازش میں شریک تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... جو بیان اُس نے دیا تھا وہ حرف بحرف صحیح تھا۔ اُسے ان حرکات کی غرض و غائت کا علم نہیں تھا۔ مجھے اُس کی موت پر صحیح معنوں میں صدمہ ہے۔ کیونکہ وہ ایک مخلص آدمی تھا۔ بہر حال میرا اُس کے یہاں ایک گونگی لڑکی کی حیثیت میں قیام کرنا اُس اسکیم ہی کا ایک حصہ تھا۔ اُس نے بوڑھے سے یہ کہا تھا کہ جب خطرات حد سے زیادہ بڑھ جائیں تو مجھے آپ کے یہاں پہنچا دیا جائے۔"

"تم نے اس کی وجہ نہیں پوچھی تھی؟" فریدی بولا۔

"وجہ.... اُس نے کہا تھا کہ نواب اختر کو چونکانے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ اُس وقت اُس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتایا تھا.... ہاں تو میں بوڑھے کے ساتھ رہنے لگی۔ وہ اکثر بوڑھے کی عدم موجودگی میں مجھ سے ملتا رہتا تھا۔ ایک دن اُس نے بتایا کہ آج نواب اختر کے کچھ گرگے یہاں حملہ کریں گے اور آج ہی اگر بوڑھا تمہیں یہاں سے فریدی کے پاس لے جائے تو بہتر ہے۔ میں سوچ میں پڑ گئی۔ نہ جانے کیا واقعہ پیش آجائے۔ بہر حال جب بوڑھا واپس آیا تو میں نے اُسے اشاروں میں بتایا کہ کچھ مشتبہ آدمی آج فلیٹ کی نگرانی کر رہے ہیں.... بوڑھے نے مجھے حتی الامکان اطمینان دلانے کی کوشش کی۔ فریدی صاحب وہ سچ مچ انتہائی دلیر اور وفادار آدمی تھا۔ اُس نے اُن دونوں نقاب پوش آدمیوں کا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا اور بالآخر مجھے وہاں سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اُسی دن اُس پُر اسرار آدمی نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر آج تم فریدی کے یہاں پہنچ جاؤ.... تو جس دن بھی تمہیں فریدی کے کتوں کی بے ہوشی کی خبر معلوم ہو سمجھ لینا کہ اُس دن فریدی کے یہاں بھی حملہ ہوگا۔ اس پر میں نے پوچھا کہ کتے کس طرح بے ہوش ہوں گے کہنے لگا کہ وہ لوگ ہر حال میں تمہیں حاصل کرنے کی کوشش کریں گے خواہ تم گورنمنٹ ہاؤس ہی میں کیوں نہ پہنچا دی جاؤ۔ میں اُن کی ٹوہ میں رہوں گا۔ جس دن بھی مجھے معلوم ہوا کہ وہ حملہ کرنے والے ہیں میں اشارے کے طور پر کتوں کو بے ہوشی کی دوا دلوا دوں گا۔ اس پر بھی میرا اطمینان نہیں ہوا۔ میں نے بحث کرنی چاہی تو اُس نے جھلا کر کہا.... کہ اگر تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں تو تم الگ ہو جاؤ۔ میں نواب اختر سے اکیلے ہی نبٹ لوں گا۔

ں نے خاموشی اختیار کر لی۔ مجھے اُس پر اس لئے اور بھی اعتماد ہو گیا تھا کہ اُس نے مجھ سے کبھی ی رقم نہیں طلب کی تھی۔ بوڑھے کو بھی اُس نے پانچ ہزار روپے اپنے پاس ہی سے دیئے تھے روپیے بھی نہ جانے کیوں میں بے چوں و چرا اُس کی ہر بات تسلیم کر لیتی تھی اب مجھے خود بھی ں پر حیرت ہے۔"

"لیکن اب تم اُس سے بدظن کیوں ہو گئی ہو؟" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں کیا آپ کو صفدر کا بیان یاد نہیں.... اُسے بھی تو اُسی پُر اسرار آدمی نے میرے اغواء پر مامور کیا تھا اور مجھ سے یہ کہتا رہا تھا کہ حملہ آور نواب اختر کے گرگے ہوں گے اور پھر حمید صاحب نے کل ہی رات کو کسی شاہینہ کی بلیک میلنگ کی داستان بھی سنائی تھی اور اُس کم بخت نے صفدر اور اُس کے ساتھی کو بھی بلیک میل ہی کر کے اپنے قابو میں کیا تھا۔ اب بتایئے میں اُس کے متعلق کیا سوچ سکتی ہوں۔ وہ کوئی پکا سازشی اور بلیک میلر ہے اور اس ساری بھاگ دوڑ کا مطلب یہ تھا کہ وہ مجھ سے بھی ایک قتل کرا دے اور پھر میں اُس کی مٹھی میں ہوں گی۔"

"کس کا قتل....؟" حمید نے پوچھا۔

"صفدر کا قتل.... وہ جانتا تھا کہ میرا نشانہ بہت اچھا ہے۔ وہ تو خدا کی مہربانی تھی کہ میرا ہاتھ بہک گیا اور گولی ران پر پڑی۔ وہ اپنا بیان دینے کے لئے زندہ رہ گیا۔ ورنہ وہ کم بخت مجھے اپنی انگلیوں پر نچا سکتا تھا.... مگر کہاں.... اب بھی میری پوزیشن صاف نہیں ہے۔"

وہ کون تھا

تھوڑی دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔ فریدی ٹٹولنے والی نظروں سے اُس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "لیکن تمہارے گونگے پن کا کیا ہوتا۔ تم میرے یہاں سے کیسے نکل پاتیں؟"

"اُس نے کہا تھا کہ جب آپ نواب اختر کی راہ پر لگ جائیں گے تو وہ مجھے وہاں سے نکال لے جائے گا۔"

"کیا پھر اُس کے بعد تم یہ ملک ہی چھوڑ دیتیں؟"

"نہیں اس کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ کیا آپ خان بہادر اشرف کی بھتیجی اور سر مشرف

کی لڑکی پر کسی قسم کا الزام رکھ سکتے؟"

"اوہ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "شاید یہ تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے چچا ہی نے مجھے تمہارے حالات سے باخبر کیا ہے اور اگر تم جرائم کے ریکارڈ کا مطالعہ کرو تو تمہیں کئی ایسے بہت بڑے آدمی ملیں گے جن کے ہاتھوں میں خود فریدی نے ہتھکڑیاں ڈالی ہیں۔"

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔" سلیمہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "یہ اُسی کم بخت کا خیال تھا۔ اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے اسی لئے گونگی بنا رہا ہے کہ بعد میں پولیس کو شبہے میں ڈال کر فائدہ اٹھایا جاسکے۔"

"کچھ بھی ہو.... تم پر فریب دہی اور ایک آدمی پر قاتلانہ حملہ کرنے کا الزام بدستور موجود ہے۔" فریدی نے کہا۔

سلیمہ کچھ نہ بولی۔ وہ چند لمحے سر جھکائے کچھ سوچتی رہی پھر اُس نے کہا۔ "میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ ابھی مجھے گرفتار نہ کیجئے۔"

"کیوں؟"

"میں اتنی مہلت چاہتی ہوں کہ اُس آدمی کو تلاش کر کے قتل کر دوں پھر میں خود ہی آپ کے پاس چلی آؤں گی۔ میں موت سے نہیں ڈرتی۔"

"خوب.... اب تم مجھے دوبارہ اُلو بنانا چاہتی ہو؟"

"اچھی بات ہے.... جو آپ کا دل چاہے کیجئے۔" اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ٹھہرو....!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میرے ذہن میں ایک دوسری تجویز ہے۔"

"کیا....؟" وہ اُس کی طرف مڑی۔

"میرے ساتھ شادی کرلو۔ پھر ہم دونوں مل کر اُسے تلاش کریں۔ مل جائے تو قتل کر کے دونوں پھانسی پر چڑھ جائیں۔"

"حمید صاحب.... میں بدتمیزی پسند نہیں کرتی۔" سلیمہ نے غصیلی آواز میں کہا۔

"اگر شادی بدتمیزی ہے تو سب سے پہلے میں اپنے باپ کی گردن اڑا دوں گا۔"

فریدی خاموش تھا۔ اُس کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر دیوار سے لگی ہوئی ایک پینٹنگ کو گھور رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "اور وہ شادی والا معاملہ.... اگر میں تمہاری شادی کسی سے کرہی دیتا تو....؟"

"میں کچھ نہیں جانتی۔" سلیمہ جھلا کر بولی۔ "وہی سور کا بچہ بتائے گا۔ اب میں کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔ جو آپ کا دل چاہے کیجئے۔"

"تم ان پر خواہ مخواہ بگڑ رہی ہو۔" حمید نے کہا۔ "یہ بالکل بدتمیزی نہیں کرتے۔ فارغ البال ہیں۔"

"منع کیجئے۔ ورنہ میں بہت بُری طرح پیش آؤں گی۔" سلیمہ نے فریدی سے کہا۔

"حمید! بکواس بند کرو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"آپ میرے گھریلو معاملات میں دخل نہیں دے سکتے۔"

"میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔" سلیمہ اُس کی طرف جھپٹی۔ حمید اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ سلیمہ چکنے فرش پر پھسلتی ہوئی دروازے تک چلی گئی اور پھر اُس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ فریدی نے جھپٹ کر اُسے پکڑ لیا۔

"پھر بھوت سوار ہوا تم پر۔" وہ اُسے ایک کرسی میں دھکیلتا ہوا بولا۔ "بہت چالاک ہو۔ تم جیسی لڑکیاں میری نظر سے کم ہی گذری ہیں۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟" اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"صرف ایک سوال اور کروں گا اور اس کے بعد تمہیں تمہاری تقدیر کے حوالے کر کے یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔ فی الحال تمہاری گرفتاری کا خیال ترک کر دیا ہے۔"

سلیمہ کچھ نہ بولی۔ اُس کی آنکھوں سے بے اعتباری جھلک رہی تھی۔

"تم نے مجھے نور محل سے نکلتے دیکھ کر میرا تعاقب کیوں شروع کر دیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

سلیمہ نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ دیر تک فریدی کو گھورتی رہی۔ پھر گلا صاف کر کے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ وہ پُراسرار آدمی نواب اختر ہی تھا۔"

"آخر کس بناء پر۔ اس خیال کی کوئی وجہ؟"

"دستانے....!" سلیمہ پیشانی پر شکنیں ڈال کر بولی۔ "وہ غالباً اسی لئے دستانے پہنتا تھا کہ اُس کی ایک بہت ہی نمایاں قسم کی پہچان چھپی رہے۔ نواب اختر کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کے ناخن غائب ہیں۔ یہ عیب پیدائشی ہے اور دوسری بات یہ کہ نواب اختر کسی زمانے میں اسٹیج کا ایکٹر بھی رہ چکا تھا۔ لہٰذا میک اپ کا بھی ماہر ہوگا۔ اُس کے سر کے بال بھورے ہیں۔ لہٰذا ایک نقلی بھوری داڑھی اُس کے چہرے پر اچھی طرح کھپ سکتی ہے۔ اب آئیے دوسری طرف.... وہ جانتا ہے کہ میں اُس کی دشمن ہوں اور ساتھ ہی ساتھ اُس سے زیادہ دولت مند بھی۔ اُس کو ہر وقت میری طرف سے خدشہ رہتا ہے اور یہ بات تو بالکل ہی عام ہو چکی ہے کہ میں نے اپنی زندگی

کو اس ڈھرے پر محض اس لئے لگایا ہے کہ اپنے باپ کے قتل کا انتقام لے سکوں۔ اُس نے اپنے قضیئے کو ختم کرنے کے لئے ایک بار مصالحت بھی کرنی چاہی تھی۔ یعنی میرے لئے اپنے لڑکے کا پیغام دیا تھا۔ مگر چچا جان نے سختی سے انکار کر دیا اور میں نے بھی خاصی لتاڑ کی تھی.... اب آپ خود سوچئے کیا وہ اُس پُر اسرار آدمی کی شخصیت میں فٹ نہیں بیٹھتا.... نواب اختر کی ہسٹری مجھ سے پوچھیے۔ وہ بہت پرانا بلیک میلر ہے.... اُس نے اپنی محبوباؤں تک کو بلیک میل کیا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں اُن عورتوں کے نام تک بتا سکتی ہوں۔ وہ شہر کے سربر آوردہ لوگوں کی بیویاں ہیں۔ نواب اختر انہیں دھمکیاں دے کر رقمیں وصول کرتا رہتا ہے۔ اُن کے خطوط اُن کے شوہروں تک پہنچا دینے کی دھمکی کافی ہوتی ہے۔ اُس نے مجھے بھی اپنے قابو میں کرنے کے لئے یہ سارا جال پھیلایا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ میں آپ کی کوٹھی میں صفدر کو قتل کر دوں پھر وہ مجھے وہاں سے نکال لے جانے کے بعد بلیک میل کرے۔ اس صورت میں میری زندگی اور موت اُس کی مٹھی میں ہوتی۔ پھر وہ مجھے اپنے لڑکے سے شادی کرنے پر بھی مجبور کر سکتا تھا۔“

سلیمہ خاموش ہو گئی۔ فریدی حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”اچھا لڑکی....!“ وہ تھوڑی دیر بعد اٹھتا ہوا بولا۔ ”تم میری اجازت کے بغیر اگر ایک منٹ کے لئے بھی اس کمرے سے باہر نکلیں تو اپنی موت کی خود ذمہ دار ہو گی۔“

”میں نہیں سمجھی۔“ سلیمہ چونک پڑی۔

”بس اتنا ہی کافی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن یہ تو بتاؤ کہ جب وہ پہلی بار تم سے ملا تھا تو تمہیں نواب اختر کا خیال کیوں نہیں آیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت بھی اُس کی شخصیت مشتبہ ہی رہی ہو گی۔“

”مجھے خیال آیا تھا۔“ سلیمہ جلدی سے بولی۔ ”اور اگر نہ آتا تو یہ ایک قطعی غیر فطری چیز ہوتی۔ اُس کے ہاتھوں میں دستانے دیکھ کر مجھے نواب اختر کے بغیر ناخن انگوٹھے بے ساختہ یاد آ گئے تھے۔ مگر اُس زمانے میں نواب اختر اتنا بیمار تھا کہ چارپائی سے لگ گیا تھا۔“

”پھر....؟“ فریدی اُسے گھورنے لگا۔

”اب سوچتی ہوں کہ میں نے محض بیماری کی خبر سنی تھی۔ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے اپنی بیماری کا جھوٹا پراپیگنڈا کرایا ہو۔ یہ چیز ناممکن تو نہیں۔“

”ممکن ہے....!“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ چند لمحے خلاء میں گھورتا رہا پھر حمید سے بولا۔ ”آؤ چلیں۔ اگر سلیمہ کو اپنی زندگی عزیز ہو گی تو آج رات کو اس کمرے سے باہر قدم نہیں

نکالے گی۔“

وہ دونوں بہت تیزی سے باہر نکلے۔ سلیمہ نے کمرہ بند کر لیا۔ فریدی چند لمحوں کے لئے راہداری میں رک گیا۔ اُس کی نظر سامنے والے کمروں کی قطار پر دوڑتی چلی گئی۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح فریدی کے ذہن میں پھاند پڑے۔ اُس کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی اور فریدی تھا کہ اپنی دھن میں مست.... پرانی عادت کے مطابق وہ آج بھی اپنے اصول سے ہٹ نہیں سکتا تھا۔ اصول نہیں بلکہ اُسے افتاد طبع کہنا چاہئے۔ وہ ہر کیس کے دوران میں ہمیشہ اُسی لمحے کا منتظر رہتا تھا جب حاضرین کی آنکھیں حیرت سے اُبل پڑنے والی ہوں اور اگر حاضرین مہیا نہ ہو سکیں تو بے چارا حمید ہی حاضرین کے فرائض انجام دے ڈالے۔

وہ نیچے ڈائیننگ ہال میں آئے اور فریدی نے منیجر کے کمرے کا رخ کیا۔ وہاں اُس نے اٹھائیس نمبر کا کمرہ ایک فرضی نام سے بک کرایا۔ کلرک نے سامان کے متعلق پوچھا۔ اس پر فریدی نے کہا کہ سامان اسٹیشن ہی پر رہ گیا ہے۔ ابھی منگوا لیا جائے گا۔ اُس نے پیشگی کرایہ ادا کر کے کمرے کی کنجی لی اور وہ دونوں پھر ڈائیننگ ہال میں واپس آ گئے۔

”تم کمرے میں جاؤ.... میں ابھی آتا ہوں۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”کس کمرے میں؟ آخر آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟“

”بکواس مت کرو.... جاؤ۔“ فریدی اُسے کنجی دے کر زینوں کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

حمید طوعاً و کرہاً زینے طے کرنے لگا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اُسے اب یہ کیس مضحکہ انگیز نظر آنے لگا تھا۔ سلیمہ کی داستان سو فیصدی غپ معلوم ہوتی تھی اور فریدی کا رویہ اُس سے بھی زیادہ مضحکہ انگیز تھا۔ حمید کی دانست میں سب سے زیادہ ضروری امر یہ تھا کہ فریدی سلیمہ کو حراست میں لے لیتا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد حقیقت تو کھل ہی جاتی۔ اُسے یقین تھا کہ اس سازش کا اصلی نگار در اصل فریدی ہی تھا اور سازش کا مقصد.... وہ ابھی تاریکی میں تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک حمید کمرے میں فریدی کا انتظار کرتا رہا اور یہ بات تو اُسے کمرے کے قریب ہی پہنچ کر معلوم ہوئی تھی کہ کمرہ ٹھیک سلیمہ کے کمرے کے سامنے واقع ہے۔ لیکن اُس نے صحیح معنوں میں یہ عقل مندی کی کہ سلیمہ کو چھیڑا نہیں۔ کمرہ بند کیے چپ چاپ فریدی کا انتظار کرتا رہا۔

آدھے گھنٹے بعد فریدی ایک آدمی کے ساتھ واپس آیا۔ حمید اُسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ شہر کا ایک فرسٹ کلاس مجسٹریٹ تھا۔ اُس کی حیرت اور بڑھی۔ اگر فریدی نے یہ سب کچھ اُس

پُراسرار آدمی کے لئے کیا تھا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اُس وقت وہاں آہی جاتا اور پھر اگر اسے سلیمہ کے بیان پر اعتبار ہوتا تب بھی وہ اُسے ایک غیر ضروری اقدام سمجھتا۔ ظاہر ہے کہ سلیمہ اور وہ پُراسرار آدمی موجودہ حالات میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے تھے۔ اس لئے دونوں کو ایک دوسرے کی خبر بھی نہ ہوگی.... پھر یہ سب کیا ہے؟ کسی مجسٹریٹ کو ساتھ لے کر بیٹھنا تو اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ فریدی کو اپنے شکار کی آمد کا یقین تھا۔

کچھ دیر بعد مجسٹریٹ کو غسل خانے کی حاجت محسوس ہوئی اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔

حمید نے استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا لیکن پوچھنے سے قبل ہی فریدی آہستہ سے بولا۔ "نکاح بعد میں ہوتا رہے گا فی الحال میں یہ چاہتا ہوں کہ سول میرج ہی ہو جائے۔ اسی لئے مجسٹریٹ صاحب کو تکلیف دی ہے۔"

"کیا مطلب....؟" حمید بوکھلا گیا۔ فریدی کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اتنے میں مجسٹریٹ بھی واپس آگیا حمید کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

تقریباً دو گھنٹے تک وہ اسی طرح بیٹھے رہے۔ پھر اچانک سنسان راہداری میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ بارہ بج چکے تھے اور قرب و جوار کے کمروں کے لوگ شاید سو رہے تھے۔ یکایک کاریڈر کی روشنی بھی غائب ہوگئی اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی کمرے کے سامنے آکر رک گیا ہو۔

فریدی نے یکلخت کمرے کے دروازے کھول دیئے۔ کمرے کی روشنی ایک آدمی پر پڑی جو سلیمہ کے کمرے کے دروازے پر جھکا ہوا تھا۔ وہ چونک کر پلٹا۔

لیکن فریدی کے ریوالور کی نال اُس کے سینے کی طرف تھی۔

"خبردار....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

حمید نے اُس آدمی کے ہاتھوں میں سفید دستانے دیکھے۔

"حمید.... اس کے ہاتھ رومال سے باندھ دو۔" فریدی نے کہا۔

وہ تینوں باہر آگئے تھے اور انہوں نے اُس آدمی کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس کے اوسان خطا ہوگئے ہوں۔

جیسے ہی حمید نے اُس کے ہاتھ باندھنے چاہے اُس نے غیر متوقع طور پر جھک کر اُس کے پیٹ میں ٹکر ماری۔ حمید کراہ کر ڈھیر ہوگیا اور وہ اچھل کر بھاگا۔

پھر حمید جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ لیکن فریدی کے رویہ کو دیکھ کر اُس کا دل چاہا کہ ابھی اور اسی وقت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاگل ہو جائے۔ فریدی چپ چاپ کھڑا اُسے بھاگتے دیکھ رہا تھا۔ یکایک کاریڈر کے دوسرے سرے پر اندھیرے میں شور ہونے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کئی آدمی ایک دوسرے سے گتھ گئے ہوں۔

پھر کاریڈر میں روشنی ہوگئی۔ حمید نے دیکھا کہ تین قوی ہیکل جوان اُس داڑھی والے پُراسرار آدمی کو کھینچتے ہوئے اُن کی طرف لا رہے ہیں۔ کمروں کے دروازے کھلنے لگے تھے اور نیند سے چونکے ہوئے لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھ رہے تھے۔ سلیمہ بھی دروازہ کھول کر کاریڈر میں نکل آئی تھی۔ وہ اب بھی سکھ ہی کے بھیس میں تھی۔

فریدی نے اُس آدمی کو گریبان سے پکڑ کر سلیمہ کے کمرے میں دھکیل دیا۔ ہوٹل کا ڈیوٹی کلرک بوکھلایا ہوا اُن کی طرف آیا۔

"جاؤ....!" فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ "یہاں سے بھیڑ ہٹا دو.... یہ پولیس کیس ہے۔"

پھر سلیمہ کے کمرے کا دروازہ بند ہوگیا۔ داڑھی والا فرش پر اوندھا پڑا ہانپ رہا تھا۔ سلیمہ، حمید اور مجسٹریٹ خاموش کھڑے تھے۔

"سلیمہ اپنے چچا سے ملو....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا....؟" سلیمہ کی چیخ ہذیانی انداز کی تھی۔

"خان بہادر اشرف....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں تم سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ مجرم خواہ سر ہو خواہ کوئی لارڈ.... ایم۔ پی ہو یا کوئی بلا۔ میں بے دریغ رگڑ دیتا ہوں۔"

"نہیں نہیں.... یہ جھوٹ ہے۔" سلیمہ سسکتی ہوئی بولی۔

باہر راہداری میں اب بھی شور ہو رہا تھا.... کئی بار کمرے کا دروازہ بھی پیٹا گیا۔ شاید انہیں فریدی کے بیان پر یقین نہیں آیا تھا۔

فریدی نے حمید سے کہا۔ "ذرا اس کی ڈاڑھی کھینچ دو تاکہ سلیمہ کو یقین آجائے۔"

اچانک زمین پر اوندھے پڑے ہوئے آدمی کے منہ سے ایک ہلکی سی کراہ نکلی اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس کے نیچے بہت سا خون پھیل گیا۔

فریدی بوکھلائے ہوئے انداز میں اُس پر جھک پڑا۔ جلدی سے اُسے سیدھا کیا اور سلیمہ کے منہ سے پھر ایک چیخ نکلی۔ پُراسرار آدمی کے سینے میں ایک خنجر دستے تک پیوست تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک سسکتا رہا اور پھر ٹھنڈا ہوگیا۔

وہ تینوں خاموش کھڑے تھے۔ سلیمہ میز پر سر اوندھا کیے سسک سسک کر رو رہی تھی۔

راہداری میں بدستور شور ہو رہا تھا اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے اب بھی باہر سے دروازہ پیٹا جانے لگتا تھا۔



تقریباً ڈھائی بجے فریدی کوتوالی میں چند اعلیٰ حکام کے سامنے اپنا بیان دے رہا تھا۔ اُس نے پوری داستان دہراتے ہوئے کہا۔ "اس طرح اشرف لڑکی کا خاتمہ کرنے کے بعد اُس کی ملکیت پر بھی قابض ہو جاتا اور پولیس اصل مجرم کی تلاش میں بھٹکتی رہ جاتی۔ میں خود بھی چکر کھاتا رہتا۔ اگر سلیمہ کا نشانہ چوک نہ جاتا۔ اشرف کی اسکیم یہ تھی کہ سلیمہ پُر اسرار حالات میں میرے پاس پہنچائی جائے۔ اور پھر میرے مکان پر بھی حملے کیے جائیں تاکہ مجھے یقین آجائے کہ کچھ نامعلوم آدمی سچ مچ لڑکی کو اغوا کرنا چاہتے ہیں۔ لڑکی کو اس لئے گونگی بنایا گیا تھا کہ میں حالات کی پیچیدگی میں الجھتا ہی چلا جاؤں.... اور پھر کسی دن مجھے لڑکی کی لاش ملے۔ یقین کیجئے.... اگر اشرف اس طرح نہ پکڑا جاتا تو میرے فرشتے بھی اُس کے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہ کر سکتے تھے۔ لڑکی کی موت کے بعد اُس کی لاش کی تصویر اخبارات میں شائع ہوتی تو وہ روتا پیٹتا ہوا کوتوالی میں چلا آتا اور وہی کہانی سناتا جو اُس نے کل مجھے سنائی تھی۔ اور پولیس ایک بار پھر چکر میں پڑ جاتی۔ دستانوں کی بناء پر خیال نواب اختر کی طرف جاتا جس کے انگوٹھوں میں ناخن نہیں ہیں۔ لامحالہ یہ خیال پیدا ہوتا کہ گرمیوں میں دستانوں کے استعمال کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہاتھوں کی کوئی واضح قسم کی پہچان چھپائی جا سکے.... اور اشرف کے ہاتھوں میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ اُس کے ہاتھ بالکل ٹھیک تھے۔ بہر حال دستانوں کا استعمال بھی پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کے لئے کیا گیا تھا۔ نواب اختر کے سر کے بال بھی بھورے ہیں اور اشرف نے بھی بھورے ہی بالوں کا استعمال کیا تھا۔ ویسے اُس کے سر پر بال تھے ہی نہیں۔ اس لئے بھیس بدلنے میں اور زیادہ آسانی ہو گئی تھی۔ مگر میک اپ کی داد دینی پڑے گی کہ اُس کی سگی بھتیجی بھی نہ پہچان سکی۔ غالباً وہ آواز بدلنے کا بھی ماہر رہا ہو گا۔"

"مگر وہ بیک ہوٹل میں کیسے پہنچ گیا۔" کسی نے پوچھا۔

"یہ واقعہ بھی دلچسپ ہے۔ جب میں لڑکی کا بیان لے کر ہوٹل سے باہر نکلا تو میرے ذہن میں صرف نواب اختر کی تصویر تھی۔ میں نے کل اُس کے ہاتھوں پر پٹیاں بھی بندھی دیکھی تھیں جن کے لئے اُس نے کہا تھا کہ اُسے اپنے خارش زدہ ہاتھوں سے گھن آتی ہے۔ بہر حال میں نے

ہوٹل سے نکل کر نواب اختر کو فون پر اطلاع دی کہ سلیمہ مل گئی ہے۔ اس پر اُس نے ایک موٹی سی گالی دے کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اُسے لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اُس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ لڑکی ہے کہاں۔ پھر میں نے خان بہادر اشرف کو فون کر کے بتایا کہ سلیمہ مل گئی ہے اور وہ فلاں ہوٹل کے فلاں کمرے میں ایک سکھ کے بھیس میں مقیم ہے۔ اشرف نے چھوٹتے ہی پوچھا کہ میں کہاں سے بول رہا ہوں.... اچانک ایک نئے شبہے نے میرے ذہن میں سر ابھارا اور میں نے تجربے کی ٹھان لی۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں اپنے گھر سے بول رہا ہوں۔ بہت تھک گیا ہوں اور اب سوؤں گا۔ وہ کافی دیر تک فون پر کٹ حجتی کرتا رہا۔ کہنے لگا کہ مجھے اُس کی خاطر تھوڑی سی تکلیف کر کے ہوٹل تک پہنچنا چاہئے۔ لیکن میں نے صاف انکار کر دیا۔ میں نے کہا تم جانو اور تمہاری پاگل بھتیجی جانے۔ پھر میں نے سلسلہ منقطع کر کے اپنے ایک نوکر کو فون کیا اور اُسے ہدایت کر دی اگر کوئی مجھے یا حمید کو پوچھتا ہوا آئے تو اُس سے کہہ دے کہ ہم دونوں تھکے ہوئے سو رہے ہیں اور ہمیں کسی حال میں بھی جگایا نہیں جا سکتا۔ بہر حال اُس سے نپٹ کر میں نے مسٹر بسواس مجسٹریٹ کو جو ہوٹل کے قریب ہی رہتے ہیں سارے حالات سے آگاہ کیا اور انہیں اپنے ساتھ ہوٹل تک لایا۔ مجھے خوشی ہے کہ میرا اندازہ غلط نہیں نکلا.... نوکر سے ابھی کچھ دیر قبل میں نے فون پر معلوم کیا ہے کہ خان بہادر اشرف فون کرنے کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد میری کوٹھی پر پہنچا تھا:... لیکن نوکروں نے وہی دہرایا جس کے لئے انہیں ہدایت کی گئی تھی۔"

ضابطے کی کاروائیوں کے اختتام پر فریدی اور حمید گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔" حمید پائپ سلگاتا ہوا بولا۔ "میں ڈر رہا تھا کہ کہیں آپ شاہینہ کی بلیک میلنگ والا واقعہ بھی نہ دہرا چلیں۔"

"وہ ایک بالکل الگ چیز تھی۔ وہ تو محض مجھے اُلو بنانے کے لئے کیا گیا تھا تاکہ مجھے یقین آجائے کہ وہ پُر اسرار آدمی بلیک میلر بھی ہے یعنی وہ خان بہادر اشرف نہیں ہو سکتا۔ بھلا اشرف کسی کو بلیک میل کیوں کرنے لگا۔ اُسے اگر دلچسپی ہو سکتی ہے تو صرف اپنے بھائی کی جائیداد سے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اُس نے بڑی ذہانت سے اپنا لائحہ عمل مرتب کیا تھا۔ کھیل صفدر نے بگاڑ دیا۔ اگر وہ سلیمہ کی گولی سے مرجاتا تو.... ہم اس نتیجے پر نہ پہنچتے۔ ہم اُس پر اسرار آدمی کو دو حیثیتوں سے تلاش کرتے۔ ایک حیثیت سلیمہ کے ہمدرد کی ہوتی اور دوسری حیثیت ایک بلیک میلر کی۔ ہم اسی میں الجھے رہ جاتے اور وہ اپنا کام کر گزرتا.... یعنی سلیمہ کا قتل.... صفدر اور شکیر کو تو وہ ہر حال میں

ٹھکانے لگادیتا.... تاکہ وہ بھی اُس کی کہانی سنانے کے لئے زندہ نہ رہیں۔"

"پہلے میں یہ سمجھ رہا تھا کہ ہمارے کسی دشمن نے ہمارے خلاف کسی سازش کا جال پھیلایا ہے۔" حمید نے کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر حمید نے پوچھا۔ "وہ تینوں آدمی کون تھے جنہوں نے ہوٹل کی راہداری میں اُسے پکڑا تھا۔"

"وہ میری بلیک فورس کے تین سپاہی تھے۔ میں نے انہیں ابھی فون کر کے بلالیا تھا۔"

"آہا.... خوب یاد آیا.... اور وہ لڑکی.... جو سلیمہ کا تعاقب کر رہی تھی.... کتھئی اسکرٹ والی۔"

"حمید صاحب.... اُس کا تعلق بھی میری بلیک فورس سے ہے۔"

"کیا....؟" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

"جی ہاں.... اُس میں ایک نہیں کئی لڑکیاں ہیں۔"

"ارے تو پھر مجھے بھی شامل کر لیجئے نا اپنی بلیک فورس میں ہائے ہائے۔" حمید سینہ پیٹتا ہوا بولا۔

"بلیک فورس میں سرکاری آدمی نہیں لیے جاتے۔"

"بھلا کیوں لیے جانے لگے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کیونکہ ایک سرکاری آدمی اُس غیر سرکاری فورس کا بلیک کرنل ہے اور غیر سرکاری لڑکیوں پر دست شفقت پھیرتا ہے۔ کیونکہ سرکاری طور پر تو لڑکیاں سپلائی ہونے سے رہیں.... ہاہا.... زندہ باد.... بھلا آپ کیوں نہ شادی سے متنفر رہیں.... جسے چھپّر پھاڑ کر ملتی ہوں اُسے شادی کی کیا ضرورت.... ہاہا.... پاگل ہے.... حمید سالا.... پاگل ہے۔"

سچ مچ حمید پاگلوں ہی کی طرح غل غپاڑہ مچانے لگا اور فریدی نے بایاں ہاتھ اُس کی گردن میں دے کر منہ دبالیا۔

ختم شد